سیرتِ پاک۔ مسائل ومباحث

(باختصاص عربی ادبیات)

مصنف
پروفیسر ابوسفیان اصلاحی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سیرتِ پاک - مسائل و مباحث

(باختصاص عربی ادبیات)

مصنف

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

عنوان	:	سیرتِ پاک- مسائل ومباحث
مصنف	:	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی
اشاعت	:	۲۰۱۵ء
تعداد	:	
کمپوزنگ	:	محمد انصر القاسمی
ناشر	:	سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
مطبع	:	پبلی کیشن ڈویژن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
قیمت	:	

Published By

Publication Division

Aligarh Muslim University, Aligarh

فہرست

انتساب

استاذ محترم مولانا احتشام الدین اصلاحی

کے نام

خاکسار کے لیے آپ کی شخصیت مثلِ ماہ تمام

اور

تربیت مانندِ چراغِ روشن ہے

معروضات

دنیائے علم وتحقیق کا سب سے مقدس ومطہر فن سیرت نگاری ہے جس کی ابتداء آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے بہت قبل ہو چکی تھی اور آج تک یہ سلاسل زریں جاری وساری ہے اور تا ابد یونہی سرور کونین ﷺ کی ثنا خوانی ہوتی رہے گی۔ اس کا اعتراف تو مار گولیتھ جیسے مستشرق کو بھی ہے کہ تا قیامت سرور کائنات ﷺ کی مدح سرائی جاری وساری رہے گی۔ اسی سیرت نگاری کو قرآن کریم میں "مقام محمود" اور "رفعت ذکر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس بات میں کوئی تامل وتردد نہیں کہ پورا قرآن کریم آپ کی ذات اقدس کا مستند نعتیہ کلام ہے۔ قرآن کریم میں آپ کے ابعاد واطراف کو بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسوس کہ ہندوستان میں سیرت نگاری کے باب میں قرآن کریم کو اولیت نہیں دی گئی۔ سیرت نگاری میں ضعیف اور موضوع روایات کا ایک انبار ہے۔ معجزات کے نام پر بے بنیاد روایات جمع کر لی گئی ہیں۔ سیرت نگاری کو ایک نیا رخ دینے اور مزکی ومصفی تصویر رسول اللہ ﷺ کی تقدیم میں اولیت سرسید احمد خاں کو حاصل ہے۔ اس اعتراف کے ساتھ کہ احادیث کے سلسلے میں آپ سے فاش بے احتیاطیاں ہوئی ہیں۔ بہر کیف سرسید کے اس غیر مستحسن نقطہ نظر کے باوجود شد ومد سے یہ تسلیم کیا جائے گا کہ میدان سیرت نگاری میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ بالخصوص استشراقی اشجار کی جڑوں میں جس طرح سرسید نے مٹی کا تیل ڈالا ہے اسے تاریخ طاق نسیاں کے سپرد کرنے سے قاصر ہے۔ سرسید پہلے شخص ہیں جنھوں نے مطالعہ استشراق کا آغاز کیا۔ اس کا ایک معتبر سلسلہ اور سیرت

نگاری کی ایک مستند کارفرمائی ''تبیین الکلام'' ہے اس تصنیف میں سیرت مقدسہ کے بعض پہلوؤں پر معرکہ آراء مباحث موجود ہیں۔ یہاں یہ بات بھی نا قابل تردید ہے کہ نواب صدیق حسن خاں نے بھی ''الشمامۃ العنبر یہ'' میں ہمارے رسول ﷺ کی ایک حقیقی شبیہ پیش کی ہے جو ضعیف اور موضوع روایات سے پاک ہے اور اپنی اس سعی مبارک سے میلا دناموں کے انداز کو ایک نیا منہاج اور نیا رخ دیا۔

سرسید اور نواب صاحب کے اسی نئے منہاج اور سیرت نگاری کے جدید قواعد وضوابط کو آگے بڑھانے نیز متعارف کرانے میں علامہ شبلی نعمانی کا اساسی کردار رہا ہے۔ اسی اساس کی تائید وتوثیق میں دبستان شبلی کے تین معروف ارباب علم وفضل مولانا حمیدالدین، مولانا امین احسن اصلاحی اور خالد مسعود نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ سیرت نگاری سے متعلق اس مجموعہ مقالات میں سرسید، شبلی نعمانی، مولانا فراہی، مولانا اصلاحی اور خالد مسعود کی سیرت سے متعلق تحریریں شامل ہیں۔ مرحوم خالد مسعود نے سیرت نگاری کے موضوع پر قرآن کریم کی روشنی میں نئی داغ بیل ڈالی ہے بالخصوص ان روایات پر قلم اٹھایا ہے جن کی وجہ سے سیرت نگاری کی خوبصورت دنیا پر چھینٹے آرہے تھے۔

مذکورہ بالا سطور میں یہ وضاحت آچکی ہے کہ قرآن کریم سیرت نگاری کا اولین مستند ماخذ ہے۔ بقیہ تمام ماخذ کی ثقاہت اور استناد واعتبار کا فیصلہ قرآن کریم کی روشنی میں ہوگا۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کی مایہ افتخار تصنیف ''مصادرِ سیرت نبوی'' کا فیصلہ بھی یہی کتاب الٰہی کرے گی۔ پروفیسر صدیقی کی علمی جانکاہی اور فکری ریاضت دراصل سیرت نگاری سے آپ کی شیفتگی پر دال ہے۔ اس حوالے سے مقالہ ''سیرت پاک کی ایک تصویر۔ سورۃ الضحیٰ'' دیکھا جاسکتا ہے۔ خطبات احمدیہ کے بعد سیرۃ النبی میں قرآن کریم کو اولین ماخذ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ قرآنیات سے اس استفادہ کے پیچھے مولانا فراہی کا اہم کردار مخفی ہے۔ مکاتیب شبلی کے بے شمار خطوط اس پہلو پر شاہد ہیں۔ معجزات کی پوری بحث جو سیرۃ النبی میں نوے صفحات پر مشتمل ہے۔

اسے مشہور فلسفی مولانا عبدالباری ندوی نے تحریر کیا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے یہ ایک اعلیٰ پائے کا کام ہے لیکن تھانہ بھون سے وابستگی کے سبب آپ کا یہ علمی و منطقی استدلال محو خواب ہوگیا۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ معجزات کے بارے میں سرسید کا جو نقطہ نظر ہے۔ اس سے یہ بحث قطعاً مختلف ہے۔

اس مجموعے میں ایک مقالہ ''آپ ﷺ کے القاب عالیہ'' سے متعلق ہے جس میں دیگر مصادر کے ساتھ کلام عرب سے بھی مدد لی گئی ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ سیرت مقدسہ کے مصادر میں ایک اساسی مصدر کلامِ عرب ہے۔ سیرت کی اولین کتابوں میں بکثرت کلام عرب سے استشہاد کیا گیا ہے۔ اس لیے اس میں کلام نہیں کہ شعراء نے آپ کے اوصاف وکمالات اور القاب وآداب کو بھی موضوع بحث بنایا۔ یہ ارباب علم وفضل سے مخفی نہیں کہ القاب کے تناظر میں متقدمین کی متعدد تصانیف ملتی ہیں۔ سیرت نگاران کا اس پہلو پر اتفاق ہے کہ شعراء کرام نے شمائل النبی ﷺ کی توضیح وتشریح کے تعلق سے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

اس تصنیف میں چار مقالات ایسے ہیں جن کی روشنی میں ہندوستان کے عربی نعت گو شعراء کے جذبات سے محظوظ ہوا جاسکتا ہے۔ بالاختصاص ڈاکٹر صدر الحسن ندوی نے اس موضوع پر بڑی تفصیلی وتوضیحی گفتگو کی ہے۔ یہ بات بالکل مبنی برحقیقت ہے کہ یہ کام تمام تر اختلافات کے باوجود انفرادیت کا حامل ہے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کی نعتیہ شاعری دردمندی میں کمال کی ہے۔ ایک طرف جہاں حب رسول کا مکمل اور حسین اظہار ہے وہیں حضورِ سرورِ کونین اپنے اعتراف نقائص اور مسائل و مصائب نیز اپنی کسمپرسی اور عجز کا بار بار اعلان ہے تو دوسری طرف انگریزوں کے ظلم و تشدد اور استبداد و استعمار کے خلاف اعلان جنگ بھی، جس کی پاداش میں انھیں کالے پانی سے گزرنا پڑا۔ عربی سیرت نگاری کے تناظر میں مولانا یٰسین اختر مصباحی اعظمی کی قابل اعتناء خدمت ''المدیح النبوی'' کا بھرپور تعارف پیش کیا گیا ہے جس سے عرب اور ہندوستان کے نعت گو شعراء کی ایک حسین وجمیل تصویر ابھرتی اور نکھرتی ہے۔ ''سیرۃ

النبی میں اشعار عرب'' سے عربی نعتیہ شاعری کا ایک مستند خوبصورت چہرہ سامنے آتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ عربی نعتیہ شاعری نے سیرت نگاری کے بہت سے در وا کیے ہیں۔ شاید قارئین اس کا اعتراف کریں گے کہ اس مجموعہ مقالات کا کسی نہ کسی حد تک عربی سیرت نگاری کی توجیہہ و توصیف میں ضرور حصہ ہوگا۔

احقر نے ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ صاحب کی کتاب ''ہمارے رسول ﷺ'' کو بھی موضوع تبصرہ بنایا ہے یہ ایک ضخیم تصنیف ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارے غیر مسلم شعراء نے بھی سیرت مقدسہ کے ساتھ اپنی شیفتگی و وابستگی کا بڑا جذباتی ثبوت دیا ہے اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ بارگاہِ سرور کونین میں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ برادرانِ وطن کا محسن انسانیت کے ساتھ یہ جذبۂ محبت لائق ستائش ہے اور گستاخ رسول ﷺ کملیش تیواری کے منھ پر طمانچہ ہے۔ دھرمیندر صاحب کی یہ ترتیب و تصنیف مرحوم پاکستانی محقق نور احمد میرٹھی صاحب کے کاموں کا نہ صرف چربہ بلکہ سراسر سرقہ ہے۔ برادرانِ وطن کی نعتیہ شاعری کے تعارف میں میرٹھی صاحب کو اولیت و اسبقیت حاصل ہے۔ اس مقالے میں دھرمیندر صاحب کے جرات مندانہ اور غیر مستحسن عمل کی مذمت کی گئی ہے۔ دنیاوی سرقات میں سب سے بدترین سرقہ علمی سرقہ ہے۔ راقم الحروف نے اس مقالہ میں اپنے علمی احتجاج کو قلم بند کیا ہے۔ کسی کی معنوی اولاد کو اپنی اولاد بتانا بالکل اسی طرح ہے کہ کسی کی اولاد کو اپنی اولاد بتایا جائے اور اس کے لیے شریعت میں عبرت ناک سزا متعین کی گئی ہے۔ معنوی سارق بھی قطع ید کا پورا پورا مستحق ہے۔

اس میں دو تحریریں سیرت نبوی کی معنویت اور سیرت طیبہ عہد حاضر میں ایسی ہیں جن میں سیرت مقدسہ کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کی ادنیٰ کوشش کی گئی ہے۔ سیرت کا بنیادی مطالبہ یہ ہے کہ اس کے بغیر ہم اپنے آپ کو صلاح و فلاح کے راستوں سے ہم کنار نہیں کر سکتے۔ اسی لیے قرآن کریم نے ببانگ دہل اعلان کیا ہے کہ اسوہ رسول ﷺ ہی محض تمام اخلاقی اور مادی امراض کا حل ہے۔ وہی انسانیت کو

اندھیروں سے نکال کر اجالوں میں کھڑا کرنے کی تنہا ضمانت ہے۔ یہی نسخہ کیمیا ہماری میراث اور ہماری سوغات ہے لیکن افسوس کہ ہم اس مثالی میراث اور بیش قیمت سوغات سے غافل ہیں۔ اسی غفلت کے سبب ہمارے حصے میں رسوائیاں اور حرماں نصیبیاں آئی ہیں۔ آج کے تشدد، اضطراب، عناد اور عدم تحمل کا تسلی بخش علاج یہی نسخۂ کیمیا ہے۔ حالی نے سچ کہا تھا:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا　　　اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

راقم الحروف نے یہاں اپنا درد اور اپنی الجھنیں بھی بیان کی ہیں کہ سیرت نگاری، نعت خوانی اور نعتیہ شاعری ایک دھندا بنتی جا رہی ہے، اس کے توسط سے سیرت نگاران، نعت خواں اور نعت گو شعراء دولت اور شہرت دونوں سمیٹ رہے ہیں بلکہ یہ کہنا تو انسب ہے کہ لوٹ رہے ہیں۔ نعتیہ شاعری کا یہ تقدس تار تار ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے کپکپاہٹ سی ہو رہی ہے کہ یہ مقدس و متبرک تصویر فلمی رنگ میں رنگتی جا رہی ہے۔ نعت گوئی اور نعت خوانی ایک مادی مسابقہ اور اشتہاری مسارعہ سے زیادہ کچھ اور نہیں ہے۔ اخلاص، حب رسول اور اوصاف رسول سے یہ نعتیہ دنیا عاری ہے۔ راگ الاپنے اور ڈھول تاشے کا نام نعتیہ شاعری ہے۔ جلوس محمدی اپنے مخالفین کو چڑھانے اور شکست دینے کا درحقیقت ایک سامان ہے۔ مملکت خداداد کے شعراء اس دوڑ میں پیش پیش ہیں۔ کاش یہ دنیائے نعت خوانی اور نعت گوئی، مادی ریس، دناءت اور ہوس شہرت سے دھل دھلا جاتی اور یہ گوشۂ تقدس صدق نیت، حب اسوہ رسول اور حقیقی اشتیاق واشتغال کے ستونوں پر قائم ہوتا۔ بہر کیف احقر سرور کائنات ﷺ کی جناب اقدس میں یہ ایک رتی برابر، ناقص اور بے دم تحفہ لے کر حاضر ہے۔ کاش آخرت کے طویل اور دشوار ترین راستے کے لیے زاد سفر بنتا۔ مجھے امید ہے کہ ایسا ضرور ہوگا کیوں کہ خالق کائنات ارحم الراحمین اور سرور کائنات رحمت للعالمین ہے۔

ابوسفیان اصلاحی

جنوری ۲۰۱۶ء

سیرت پاک کی ایک تصویر - سورۃ الضحیٰ

سورہ ''الضحیٰ'' کا تعلق اللہ کے رسول ﷺ سے ہے، اس میں سیرت پاک کے اہم نکات اور قابل قدر موضوعات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، اس کے نزول کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ جب کچھ دنوں کے لیے سلسلہ وحی منقطع ہو گیا تو اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو بڑے اضطراب اور ذہنی کرب کا سامنا ہوا کیوں کہ دشمنان نبوت طرح طرح سے آپ کو ہدف تنقید بنا رہے تھے کہ جس اللہ اور جس وحی پر تم کو بڑا ناز اور بڑا اعتماد تھا اس کا یہ حال ہے، اس طنز و تعریض سے آپ سخت مسائل میں گھرے ہوئے تھے، آپ ﷺ کے اسی کرب و درد کے کافور کے لیے اللہ نے یہ سورہ نازل فرمائی۔

ابتدائی دو آیتوں میں چاشت اور رات کی شہادت اس لیے پیش کی گئی ہے، تا کہ یہ وضاحت کی جائے کہ انسانی زندگی کبھی موانع و مصائب سے دوچار ہوتی ہے تو کبھی فرحت و مسرت سے ہم کنار ہوتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی حیات مبارکہ بھی دونوں پہلوؤں سے عبارت تھی، کبھی آپ ﷺ کو دقتوں کا سامنا رہا اور کبھی خوشیوں سے واسطہ، ان دونوں نزاکتوں کا ذکر کرتے ہوئے، آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ اللہ آپ ﷺ کو ان الجھنوں سے نجات دلائے گا، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ بھی بتایا کہ یہ عارضی دنیا کانٹوں کی سیج ہے اور اللہ آپ ﷺ کو کسی حال میں بھی تنہا چھوڑنے والا بھی نہیں۔

''مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى''۔	نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بے زار ہو گیا ہے۔

اس میں ایک طرف اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کی حمایت کا اعلان اور دوسری طرف دشمنان اسلام کی شکست کی طرف اشارہ بھی ہے، اور انھیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اپنے مخلصین کو کبھی چھوڑتا نہیں، گویا یہ قرآنی پیغام ہے کہ اگر مبلغین اسلام کو دعوت اسلام میں رکاوٹیں اور مشکلات آئیں تو انھیں زچ ہونے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ دعوت دین میں شدائد آتے ہیں لیکن ایک مومن ان سے گھبراتا نہیں چوں کہ اس کا مقصد ومنتہا آخرت ہے اور اس آخرت کے حصول کے لیے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے سے کتراتا نہیں، تصور آخرت اسے نڈر اور جری بنا دیتا ہے، اسے عارضی خوش نما چیزوں میں الجھنا پسند نہیں۔ کیوں کہ آخرت ایک دائمی خوبصورت زندگی سے مربوط ہے، یہی ارتباط واتصال اسے دریائے آگ سے گزرنا سکھاتا ہے، اللہ کی اس کتاب اور سیرت پاک سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے، آخر وہی زندگی اتنی حسین اور اتنی وجیہہ ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد دل بھٹکتا نہیں، دنیا سے الجھتا نہیں اور خود کو آخرت کے سوا کسی سے لگاتا نہیں، قرآن کریم نے اس کی توضیح اس طرح کی ہے:

''وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى''۔	یقیناً تیرے لیے آخرت آغاز سے بدرجہاں بہتر ہے۔

اللہ نے اپنے پریشان زدہ بندوں کو مژدہ جانفزا سنایا کہ وہ تمہیں آخرت میں ایسے انعامات، ایسے باغات، ایسے بالا خانوں، ایسے محلات، ایسے کپڑوں، ایسے بستروں، ایسے لذیز میوؤں، پرندوں کے گوشت، شہد کی نہروں، ابلتے ہوئے چشموں، شرابِ طہور کے جاموں اور پری تمثال بیویوں سے نوازے گا کہ تم مارے خوشی کے جھوم اٹھوگے، یہ ایک طرح سے معاندین اسلام پر طمانچہ ہے، اسی مار، پھٹکار اور تذلیل سے اللہ کے رسول ﷺ اور اس کے بندوں کو تسکین جاں بخشی گئی ہے، بندۂ خدا مندرجہ آیت کریمہ کو پڑھ کر اپنے دنیاوی غم واندوہ سے بے پرواہ و بے خوف ہو جاتا ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى۔ | تجھے تیرا رب بہت جلد (ایسا انعام) دے گا کہ بس تم باغ باغ ہو جاؤ گے۔

اب اس کے بعد آپ ﷺ کو عطا کیے گئے تین انعامات کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ یہ بتاؤ تم آج وحی کے قدرے رک جانے پر کیوں پریشان ہو؟ کیوں خود کو ہلکان کر رہے ہو؟ کیا یہ یاد نہیں ہے کہ تمہاری ولادت سے قبل تمہارے والد محترم کا انتقال ہوا اور ولادت کے چھ ماہ بعد تمہاری والدہ محترمہ کا بھی ارتحال ہوا، اس کے باوجود ہم نے تمہاری پرورش کی اور عہد یتیمی تمہارے پیروں کی بیڑی نہ بن سکا، اسے قرآن نے کتنے پیارے انداز میں ذکر کیا ہے کہ ''أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَى'' (کیا تمہیں یتیم پا کر اس نے جگہ نہیں دی)۔ اسی طرح جب تم راہ ہدایت کے لیے سرگرداں تھے، عربوں کی رسومات، پرستش اصنام، حسب ونسب پر فخر ومباہات اور شراب نوشی وقمار بازی میں انہیں غلطاں وپیچاں دیکھ کر تمہارا دل مانند پارہ تھا، اللہ نے تمہاری اس بے اطمینانی کیفیت کو دیکھ کر تمھیں منصب نبوت سے نوازا یعنی تمہیں ایک روشن چراغ تھمایا کہ تم حق وباطل میں تمیز کر سکو، نبوت سے قبل کے ایام کو دور ضلالت سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی تشریح مولانا سید سلیمان ندوی نے یوں کی ہے:

> ''ضلالت کے معنی عربی میں صرف صریح گمراہی ہی کے نہیں ہیں، بلکہ نادانستہ بھولنے، بھٹکنے اور غفلت کرنے کے بھی ہیں، عورتوں کی شہادت کے موقع پر ''ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى'' (بقرہ:۲۸۲) (کہ بھول جائے ایک عورت تو یاد دلائے اس کو دوسری، نہ چوکتا ہے میرا رب، نہ بھولتا ہے) ان آیتوں میں لفظ ضلالت کا استعمال بتاتا ہے کہ ''ضال'' کے معنی عربی زبان اور محاورہ قرآن میں صرف گمراہ کے نہیں، بلکہ بھول چوک کے بھی ہیں، اسی طرح اس

حالت کے بھی ہیں، جس میں گمراہ کو گمراہی معلوم ہوتی ہے، لیکن ہنوز ہدایتِ الٰہی کا نور اس کے سامنے نہیں چمکا، غلطی کا احساس ہوتا ہے، مگر اس غلطی کی جگہ ہنوز صحت نظر نہیں آتی ہے، جہل کی برائی تو معلوم ہوگئی ہے، مگر ہنوز علم کا دروازہ نہیں کھلا ہے اور یہی قبل نبوت کی کیفیت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی نبوت سے پہلے ایک ستم شعار قبطی کو گھونسا مارا تھا، جس کے صدمہ سے وہ اتفاقیہ مر گیا تھا، نبوت پاکر جب وہ لوٹے تو فرعون نے ان کو طعنہ دیا کہ تم تو میرے فراری مجرم ہو، حضرت موسیٰ نے جواب دیا: فعلتها اذاً وانا من الضالين (شعراء:۲۰) (میں نے اس حالت میں کیا تھا کہ چوکنے والوں میں تھا'' [۱]

لفظ ''ضال'' کی ایک خوبصورت تصویر مرحوم خالد مسعود نے اپنی کتاب ''حیات رسول امی'' میں بھی پیش کی ہے:

''آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل ''حنفاء'' کا ایک گروپ تھا جسے شرک اور دیگر فواحش و منکرات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ خود آنحضور ﷺ فطرت سلیمہ پر تھے اور آپ ﷺ کو حقائق کی تلاش بھی ہر وقت سراط مستقیم کی تلاش و جستجو میں مضطرب رہتے'' [۲]

اسی کو قرآن کریم نے یوں ادا کیا ہے:

ما كنت تدری ما الكتاب ولا الإيمان (الشوریٰ:۴۲/۵۲)	تم نہ کتاب کی حقیقت سے واقف تھے اور نہ ایمان کے بارے میں جانتے تھے۔

اسی مفہوم کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى	اس نے تم کو جویائے راہ پایا تو راستہ دکھایا۔

نبوت اور فرقان حمید دونوں کو سراج منیر سے تعبیر کیا گیا ہے، آپ ﷺ کی اسی بیتابی کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے:

"وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" اور اللہ نے تم کو کھویا ہوا پا کر راہ راست عطا کی۔

یہ بات یہاں پیش نظر ہے کہ "ضال" سے "گمرہ" ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ لغوی اعتبار سے ضال کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ پالینے کے لیے کوئی حد درجہ سرگرداں ہو اور ہر ہفت خواں طے کرنا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہ ہو چاہے دانتوں پسینہ ہی کیوں نہ آ جائے، اللہ کے رسول ﷺ بھی نبوت سے قبل بے پناہ پریشان و حیران تھے، احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" میں لفظ "ضال" کی مناسب تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور مراتب کی خبر ہی نہیں رکھتے تھے تو آپ کو آپ کی ذات و صفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا کی" [۳]

یہی اضطراب انہیں غار حراء تک لے گیا لیکن آپ ﷺ کی ذاتی کاوشیں اور دنیاوی چیزیں اس ذہنی الٹ پھیر کا حل نہ تھیں، اس کا حل صرف شق صدر اور شرح صدر تھا جو من جانب اللہ آپ کو عنایت کیا گیا جس نے آپ ﷺ کی اجیرن زندگی کو خوش گوار تبدیلیوں سے ہم کنار کیا، اسی شرح صدر یا شق صدر کی تشریح سید سلیمان ندوی نے بڑی خوبصورتی سے کیا ہے:

"شرح صدر اور سینہ کھولنے کی جو تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے اس کے لیے عام اصطلاح شق صدر ہے یعنی عالم رویا یا بیداری میں فرشتوں نے آ کر سینہ مبارک کو واشگاف کیا، اس کو آب زمزم سے دھویا اور سونے کے طشت میں ایمان اور حکمت بھر کر لائے اور اس سے سینہ مبارک کو معمور کر کے شگاف کو برابر

کر دیا، (صحیح بخاری وصحیح مسلم ونسائی ابواب معراج) اگر یہ واقعہ اپنی ظاہر حقیقت پر محمول کیا جائے تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اور زمزم کے پانی سے پاک وصاف کر کے ایمان اور حکمت اس میں بھری گئی اور اگر تمثیل کے رنگ میں لیا جائے، تو بھی یہ حقیقت ماننی پڑے گی کہ سینہ صافی ایمان وحکمت سے معمور کیا گیا، بہر حال شرح صدر کی حقیقت ایمان اور حکمت کی ربانی بخشش ہے، کیوں کہ قرآن کریم کے سورہ زمر میں ہے: افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه (زمر: ۲۲) (بھلا جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی میں ہے) اسلام کے لیے سینہ کو کھول دینے سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت موثر طریقہ سے اس پر اس طرح کھل گئی کہ اس کو اسلام کی سچائی کا پوری طرح یقین آ گیا اور اس کو اپنے اس یقین پر کامل تسکین حاصل ہوگئی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل مقصود کے ہر قدم پر اللہ کی روشنی حاصل ہے۔ یہی شرح صدر کی حقیقت ہے اور اس روشنی کی کمی وبیشی درجوں اور منصبوں کے مطابق ہوتی ہے"۔ ؎

اسی طرح اللہ نے اپنے تیسرے انعامات کا ذکر یوں کیا:

"وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَى" . اور تجھے نادار پا کر تمہیں تونگر بنا دیا۔

یہاں حضرت خدیجہؓ سے تجارتی اور ازدواجی رشتہ کا ذکر مقصود ہے، کہ اس ہم آہنگی سے اللہ نے آپ کو مالی اور ذہنی فراخی عطا کی، جس طرح آپ ﷺ کی معیشت بہتر ہوئی اسی طرح عقد مسنون سے زندگی شادابیوں اور سہولیات سے بھی

لبریز ہوئی، حضرت خدیجہؓ ہر موقع پر آپ ﷺ کی تسکین وتسلی اور تائید وتوصیف کے لیے ہر طرح سے تیار رہتیں، گویا حضرت خدیجہ بھی ایک موثر اور قابل ذکر شرح تھیں، جن کی وفات نے آپ ﷺ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جب آپ ﷺ ''مزمل'' اور ''مدثر'' بنے تو اس وقت بھی آپؓ ہی سہارا بنیں اور اپنے بھائی اور عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کو لاکر آپ ﷺ کو یہ یقین دہانی کرائی کہ تم بہت جلد منصب نبوت سے سرفراز کیے جاؤ گے، یہ ایک عظیم علامت ہے اور اگر میں باحیات رہا تو تمہاری نبوت کی تصدیق کروں گا، حضرت خدیجہؓ نے ہر طریقے سے آپ ﷺ کو سہارا دیا، اس آیت کریمہ سے یہی مترشح ہے کہ آپ ﷺ کو مادی اور روحانی دونوں نعمتیں عطا کی گئیں۔

اب اللہ کے عطا کردہ تینوں انعامات عہد یتیمی میں آپ ﷺ کو سہارا دینا، ظلمت وتاریکی میں منصب نبوت سے منور کرنا اور معیشت کی تنگی کو وسعت دینے کو سامنے رکھتے ہوئے آگے کی تین آخری آیات کریمہ کی تلاوت کیجئے، اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے سے یہ تعلیم وتذکیر تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے کہ اللہ نے اگر تمہاری یتیمی کو رسوائیوں سے بچایا اور تم کو آسائشوں سے ہم کنار کیا ہے تو تمہیں بھی زیب یہی دیتا ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی مفلوک الحال یتیم آئے تو اسے ڈانٹو مت اسے دھکا دے کر بھگاؤ مت اور اس کی بدحالیوں پر قسی القلب مت بن جاؤ، اسی کو قرآن کریم میں یوں کہا گیا ہے:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے تعلق سے انسانیت کو یہ درس دیا گیا کہ اگر اللہ نے تم کو تنگنائیوں سے نکال کر مال و دولت اور جاہ وحشمت سے نوازا ہے تو تمہاری ذمہ داری ہے کہ اصحاب دست بستہ کو جھڑکو مت، اگر وہ تم سے سوال کرتا ہے تو اس پر توجہ دو، اس کے سوالات کے حل کرنے میں تمہارا معاون بننا فریضہ ہے، اس سے چشم پوشی تمہارے لیے ناسور بن سکتی ہے، یہاں سائل سے مراد صرف فقراء اور مفلسین ہی نہیں ہیں، سائل کی کئی اقسام ہیں، طلبہ بھی سائل ہیں، اگر اساتذہ کرام ان کے

سوالات پر توجہ نہ دیں تو وہ عنداللہ معتوب و ماخوذ ہوں گے، باپ اپنے اہل وعیال کے مسائل پر ملتفت نہ ہوا تو وہ آخرت میں سزا کا مستحق ہوگا، پڑوسیوں کی آہیں تمہیں مضطرب نہ کرسکیں تو تمہاری اخروی زندگی ذلتوں سے ہم کنار ہوگی۔ اسی طرح اولاد اپنے والدین کا پاس ولحاظ نہ کرے تو وہ بھی فیصلہ کے دن موجب عذاب ہوگی، مال دار بھی کبھی کبھی سائل کے زمرے میں آکھڑا ہوتا ہے، یعنی اگر وہ کبھی کسی پریشانی میں پھنس جائے اور مدد کا طالب ہو تو اس کی بھی مدد کرنا ہماری ذمہ داریوں میں سے ہے، سائل کا دائرہ یہاں بہت وسیع ہے، سائل کے سلسلے میں ایک پہلو پیش نظر رہے کہ اسے دینا یا نہ دینا تو انسان کے اوپر ہے لیکن شرعی اعتبار سے اسے کسی بھی حال میں ڈانٹنا مناسب نہیں ہے، بعض سائلین کو یہ کہتے ہوئے اس پر ڈانٹ پڑتی ہے کہ وہ مکار نہایت عیار اور کس قدر ہوشیار ہے، کسی کو اس کے مکر و فریب کی وجہ سے سمجھایا تو جاسکتا ہے لیکن اسے ڈانٹ کر رسوا نہیں کیا جاسکتا، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ	یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی
وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	عزت دی، اور انہیں خشکی اور
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	تری کی سواریاں دیں، اور
وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ	انھیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں
مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا	دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر
(بنی اسرائیل: ۷۰)	انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

مذکورہ آیت کریمہ کی روشنی میں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ جب تم تاریک ترین راستوں سے نکلنے کے خواہاں تھے تو اللہ نے تمہاری چاہتوں کو پورا کیا، تمہیں ہدایت اور روشنی سے نوازا، تمہارا فریضہ ہے کہ اگر کوئی سائل تم سے سوال کرے تو اس کی چاہتوں کو اسی طرح پوری کرو جس طرح اللہ نے تمہاری خواہشات کی تکمیل کی، اس سے کرختگی اور درشتی سے پیش نہ آؤ، تمہارا کام دنیا میں صرف ''البلاغ'' ہے یہ بنی نوع انسان کے شدائد وحوائج میں کام آنا ہے، قرآن کریم میں حضرت مصطفی ﷺ

اور دیگر انبیاء کرام کو عوام الناس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ تعلیم دی گئی کہ "واما السائل فلا تنہر" یعنی سوال کرنے والوں کو ڈانٹو مت۔

سید صاحب نے سیرۃ النبی میں "سائل" کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

> وأما السائل فلا تنہر (ضحیٰ:۹) (اور تو سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر)
>
> یہاں سوال کرنے والے کے معنی اغنیٰ کے قرینہ سے عام طور سے بھیک مانگنے والے کے سمجھے جاتے ہیں، مگر لفظ کا عموم، وسعت کو چاہتا ہے، یعنی ہر ضرورت مند جو تم سے کسی قسم کی مدد کا خواستگار ہو، خواہ وہ جسمانی ہو، مالی ہو، علمی ہو، طبری میں ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وأما من سألك من ذي حاجة فلا تنہر زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ بعضوں نے اس سائل سے مراد طالب علم لیا ہے، یہاں تک کہ کوئی لنگڑا تم سے صرف تمہارے کندھے کا سہارا چاہتا ہے تو وہ بھی سائل کے تحت میں ہے، اس کے سوال کو بھی سختی سے رد نہ کرو۔ بلکہ امکان بھر اس کو پورا کرو۔ اور نہ کر سکو تو نرمی اور خوبصورتی سے عذر کرو" ۔[۵]

آخری آیت میں آٹھویں آیت کا جواب ہے کہ اے رسول! اگر اللہ نے تمہاری تنگیوں کو فراخی میں تبدیل کر دیا ہے تو تجھے اکڑ بھوں کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہیں ذہنی تشنج سے نکالا گیا نیز مادی فرحت وطمانیت عطا کی گئی تو اس کا ہرگز تقاضا نہیں کہ اس پر اترایا جائے۔ کیوں کہ اپنی خوش حالی پر اترانے والوں کو اللہ نیست ونابود کر دیتا ہے۔ اسی فخر ومباہات نے شداد کو بھی تباہ کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ (القصص:۵۸)	اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کردیں جو اپنی عیش وعشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہائش کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ کے وارث۔

آخری آیت کریمہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے تعلق سے پوری انسانیت کو درس دیا گیا ہے کہ اللہ کی موہوبہ نعمتوں پر منکنے کے علی الرغم سرفگندگی اختیار کی جائے، تحدیث نعمت کو اپنا شیوہ وطیرہ بنایا جائے۔ شکر خداوندی نعمتوں میں اضافہ کا باعث ہے، اور یہی تحدیث نعمت ہی اس سورہ کا عنوان ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ	اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔

''یعنی اللہ نے جو تجھ پر احسانات کیے ہیں مثلاً ہدایت اور رسالت ونبوت سے نوازا۔ یتیمی کے باوجود تیری کفالت وسرپرستی کا انتظام کیا۔ تجھے قناعت وتونگری عطا کی وغیرہ۔ انھیں جذبات تشکر وممنونیت کے ساتھ بیان کرتا رہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ کو پسند ہے لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل وکرم اور اس کے احسانات سے زیربار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت وطاقت سے ڈرتے ہوئے۔ کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کردے''۔[۶]

اس پوری سورہ کا تعلق سیرت پاک سے ہے، اس میں مندرجہ ذیل نکات پیش کیے گئے ہیں:

۱۔ دنیاوی حوادث وآفات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ عارضی ہیں، اس عارضی دنیا میں ہمیشہ آخرت ہی جائے ارتکاز ہو۔

۲۔ یتامیٰ مساکین اور زخم خوردہ لوگوں کی آوازوں پر توجہ دی جائے۔

۳۔ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کو اپنا فریضہ تصور کیا جائے۔

۴۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر بے قابو ہونے کے برعکس اللہ کا شکر ادا کیا جائے، طبیعت میں ابال لانے کے بجائے اسے عجز وانکساری کا پابند بنایا جائے، اور اسراف سے قطع نظر خود کو انفاق کا گرویدہ بنایا جائے۔

آج کے اس عہد میں تصور آخرت اور بدحالوں پر ترس کھانے کی سخت حاجت ہے، کیا فلسطینی اخوان ہماری معاونت کے مستحق نہیں ہیں، شام، عراق اور یمن کے مہاجرین کی دربدری کو فراموش کیا جاسکتا ہے اور میان مار کے بلکتے ہوئے بچے کیا ہماری شفقتوں کے خواستگار نہیں ہیں؟ ساحلِ سمندر معصوم ایان کی نعش ہماری بے حسی پر متعدد سوال کھڑی کرتی ہے، انفاق کے تن مردہ میں جان ڈالنا چاہتی ہے۔اس سورہ میں اپنی دولت کو صحیح جگہوں پر لگانے کا تقاضا کیا گیا ہے، اگر ہم نے اس سورہ کے تقاضوں میں خود کو نہ ڈھالا تو گویا ہم نے سیرت پاک کے مطالبات سے سرتابی کی ہے۔اس سورہ کا سیرت نبوی سے گہرا انسلاک ہے اسی لیے حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا "کان خقله خلق القرآن" یعنی قرآن کریم ہی آپ کی حقیقی تصویر ہے۔اس قرآنی تصویر کی تشریح میں سرسید، علامہ شبلی نعمانی اور خالد مسعود کا نہایت اہم رول رہا ہے، سیرت پاک کی ترتیب میں ضعیف احادیث کا انبار ہے اس سے اجتناب کے بغیر شفاف سیرت مقدسہ کی ترتیب ممکن ہی نہیں، نعتیہ قصائد میں بھی موضوع احادیث کا ملغوبہ ہیں، اس سے بچنے کی شدید ضرورت ہے، ان تمام مصادر ومراجع کی تنقیح وتحلیل صرف قرآن کریم سے ہی ممکن ہے، ہمیں افسوس ہے کہ موضوع احادیث، جلوس محمدی، روڈ شو اور ڈھول تاشے کا نام سیرت پاک بن چکا ہے، اب تو نعتیہ کلام پڑھتے ہوئے رقص کرنا اور جدید میوزک سے اسے گانوں کا رنگ دینا وطیرہ بنتا جارہا ہے، پاکستان میں یہ وبا عام ہے، انھوں نے نعت گوئی نیز نعت خوانی کو دھندا بنالیا ہے اس کی وجہ سے فلمی ستاروں کی طرح نعت گو ونعت خواں مالدار بنتے جارہے ہیں کیا یہ تمام

فتنے اس سورہ کی رو سے جائز ہیں؟۔ اگر قرآن کریم کو سیرت پاک کا اولین ماخذ نہ بنایا گیا تو یہ قوم اسی طرح ادبار و نحوست کے دلدل میں جاں بلب رہے گی، ہندوستان میں سیرت پاک پر کچھ لکھنے اور کہنے سے پہلے ضروری ہے کہ علامہ شبلی کی ''سیرۃ النبی'' کے مقدمہ کو پڑھا جائے تاکہ سیرت مقدسہ کے دوسرے ماخذ ''حدیث'' کے برتنے کا سلیقہ آئے۔

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱۔ سیرۃ النبی، علامہ سید سلیمان ندوی، مطبع معارف، اعظم گڑھ طبع پنجم، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء، ۴/ ۱۰۹۔۱۱۰

۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: حیات رسول امی، خالد مسعود، تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی، طبع اول، قرآن وسنت اکیڈمی، نئی دہلی، مارچ ۲۰۰۴ء، ص:۹۶۔۹۷

۳۔ کنز الایمان، ترجمہ محمد احمد رضا خاں بریلوی، تفسیر: مولانا سید محمد نعیم الدین، تاج کمپنی، لاہور، ص:۹۵۴

۴۔ سیرۃ النبی، ۴/ ۱۷۴۔۱۷۵

۵۔ سیرۃ النبی، سید سلیمان ندوی، طبع سوم، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۶/ ۳۰۲۔۳۰۳

۶۔ تفسیر احسن البیان، تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف، ترجمہ: خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی، نظر ثانی: مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، دارالسلام پبلشرز، اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ریاض، ص:۱۴۱۴

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآنیات

علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) کی لازوال علمی وادبی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ قرآنیات، احادیث، اسلامیات، تاریخ، ادبیات، تنقیدات اور شاعری میں ایسے نقوش ثبت کیے جو تا قیامت ستاروں کے مانند درخشاں رہیں گے۔ علامہ کی ان تحقیقی اور تنقیدی فتوحات کے پیچھے دو مقاصد کار فرما تھے ایک تو دین اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے کے خواست گار تھے اور دوسرے دین اسلام کے مقصد حقیقی اور شخصیت رسول اللہ کے معاندین کو مستند و مدلل جوابات دینے کے متمنی، جرجی زیدان[۱] جیسے بے شمار متعصبین نیز مستشرقین کے اعتراضات کا ایسا مسکت جواب دیا[۲] جس کی وجہ سے ان کی علمی خباثتیں پوری طرح سے واضح ہو گئیں۔ علامہ کے انہی علمی کمالات میں ''سیرۃ النبی'' کو اولیت حاصل ہے۔ اس عظیم شاہکار کی خوبیوں اور معدودے خامیوں پر اہل علم کی جانب سے کافی مواد منظر عام پر آچکا ہے۔ سیرۃ النبی کی انہی خامیوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مولانا برہان الدین سنبھلی کا مندرجہ اظہار خیال سے آپ کے ذہنی تحفظات کا پتا لگتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''لیکن اس کے منظر عام پر آنے کے بعد ہی نہیں۔ اس سے پہلے ہی اس کے بارے میں مختلف ذرائع سے ایسا مبالغہ آمیز انداز اختیار کیا گیا جس پر بعض کو پروپیگنڈا کا گمان ہونے لگا تھا''۔ اس سیرت پاک کا ایک بین اور جلی پہلو یہ ہے کہ قرآنیات سے خاصا استفادہ کیا گیا، بلکہ اسی کی روشنی میں اس کے مباحث کو آگے بڑھایا گیا، جس کی شہادت ''مکاتیب شبلی''[۳] سے بھی مل سکتی ہے۔ بالخصوص مولانا حمید الدین فراہی

کے نام لکھے گئے مکتوبات سے ظاہر و باہر ہے کہ مولانا نے سیرت کی ترتیب و تکمیل میں قرآن کریم کو اساسی درجہ دیا ہے۔ مولانا کی قرآنیات کے اسرار و رموز پر گہری نظر تھی اس لیے علامہ متعدد قرآنی مباحث کے باب میں مولانا سے رجوع کرتے تھے اور خود سید سلیمان ندوی نے بھی معجزات کی بحث میں مولانا فراہی سے استفسار کیا۔

قرآن کریم کو بنیادی حیثیت دینے کی وجہ سے حدیث نبوی[۴] کے بہت سے پہلوؤں کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھا گیا۔ مثلاً اصول و روایت کے متعلق مولانا کا خیال ہے کہ قرآن کریم سے ماخوذ ہے۔ اس تناظر میں علامہ نے واقعہ افک سے استدلال کیا ہے کہ جب منافقین اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تو اس کا اشتہار اس طرح کیا گیا کہ بعض صحابہ کرامؓ بھی مغالطہ کا شکار ہو گئے چنانچہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت حسانؓ بن ثابت بھی قاذفین میں شریک تھے۔ اس بناء پر حدّ قذف جاری کی گئی ہے،[۵] قرآن مجید میں اس کی تصریح یوں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآؤُوا بِالْاِفْكِ عصبة منكم (النور:۲۴/۱۱)	جو لوگ یہ بہتان گڑھ لائے وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔

تفسیر جلالین میں ''منکم'' کی تفسیر ''جماعۃ من المومنین''[۶] ہے۔ یعنی یہ تہمت لگانے والے دراصل مسلمانوں ہی کا ایک گروہ ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ پورے ایک ماہ سخت اذیت میں رہے یہاں تک کہ اللہ کی جانب سے آیت برأت نازل ہوئی اور خود حضرت عائشہؓ انتہائی اضطراب میں تھیں۔[۷]

اسماء الرجال پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، اس اصول تحقیق کی بنیاد بھی خود قرآن مجید نے قائم کر دی۔ ارشاد باری ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا (حجرات:۴۹/۶)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔

علامہ نے سیرۃ النبی کے معیار اور اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ وضاحت

فرمادی کہ اگر قرآن کریم اور احادیث میں کہیں تضاد ہو تو قرآن کریم کو راجح قرار دیا جائے گا۔۸ مذکورہ تینوں مثالوں سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اس کتاب میں بنیادی حیثیت قرآن کریم کو دی گئی ہے۔ علامہ اس باب میں خود رقم طراز ہیں:

”سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے ان کو سب پر مقدم رکھا گیا ہے۔ یہ قطعاً ثابت ہے کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ممکن ہے۔ لیکن لوگوں نے آیت قرآنی پر اچھی طرح نظر نہیں ڈالی۔ اس لیے وہ مباحث غیر مفصل رہ گئے“۔۹

سیرت رسول ﷺ کے تئیں قرآن کریم کا کیا درجہ ہے؟ علامہ کے مذکورہ کلمات سے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ اس سیرت کے تیسرے حصے کو علامہ تاریخ قرآن ۱۰ وجوہ اعجاز اور حقائق واسرار سے موسوم کرنا چاہتے تھے۔ ۱۱ سیرت کے حوالے سے ضروری ہے کہ عربوں کی تاریخ اور تہذیب وثقافت کا جائزہ لیا جائے۔ کیوں کہ اس کے بغیر عظمت نبوت کا ادراک ممکن نہیں۔ علامہ نے بھی سیرت کے اس پہلو کو موضوع بحث بنایا ہے اور یہ صراحت کی کہ عربوں کے احوال اور تہذیب وتمدن تک رسائی کے لیے قرآن کریم سب سے بنیادی ذریعہ ہے اس کتاب الٰہی میں ان کے عقائد اور رجحانات سے بحث کی گئی ہے عربوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو اللہ کا سرے سے منکر تھا۔ ان کے نزدیک اصل حیثیت زمانے کی تھی یعنی سب کچھ قانون فطرت ہے۔ اسی پر دنیا کا انحصار ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ: ۲۴/۴۵)	اور انھوں نے کہا کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ یہی ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں۔

عربوں کا ایک طبقہ اللہ کا قائل تھا:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰس:۳٦/۷۹)

اس سے کہو، انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انھیں پیدا کیا تھا۔

عربوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی جزاء وسزا کے قائل تھے۔ لیکن نبوت کے منکر تھے:

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْأَسْوَاقِ (الفرقان:۲۵/۷)

کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

بالعموم عرب بت پرست تھے۔ انھیں خدا تو تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن دربار ایزدی میں پہنچنے کا ذریعہ تصور کرتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر:۳۹/۳)

ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کروادیں۔

عربوں کی بت پرستی شباب پر تھی، لیکن اللہ کی برتری کے وہ پوری طرح قائل تھے۔[۱۲] اور اسی کو حقائق کائنات تصور کرتے تھے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ (العنکبوت:۲۹/٦۱)

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو کس نے روشن کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر یہ کدھر دھوکہ کھا رہے ہیں۔

عربوں کے احوال اور مذہبی رجحانات پر بحث کرتے ہوئے علامہ نے سلسلہ اسماعیلی پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ اس سلسلہ سے تاریخ اسلام اور رسول اللہ کی ذات وابستہ ہے۔[۱۳] ارشاد ربانی ہے:

مِـلَّةَ اَبِيْـكُـمْ اِبْـرَاهِيْـمَ هُـوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبل (الحج:۲۲/ ۷۸)
تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا۔

علامہ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس موضوع پر اپنے عزیز شاگرد مولانا فراہی سے بھی استفادہ کیا۔ نیز اسی موضوع پر مولانا فراہی کی تصنیف ''ذبیح کون ہے'' کا بھی مطالعہ کیا۔[۱۴] مولانا فراہی کی یہ کتاب اپنے موضوع پر انفرادیت کی حامل ہے۔ احادیث کی روشنی میں علامہ نے یہ ثابت کیا کہ ''مروہ'' ہی قربان گاہ ہے۔ توریت میں اسے ''مورہ'' کہا گیا ہے جو مناسب نہیں ہے۔ اور بالکل خانہ کعبہ کے بالمقابل ہے۔

ثم محلها الى البيت العتيق (الحج:۲۲/ ۳۳)
پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے۔

هَدياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ (المائدہ::۵/ ۹۵)
قربانی جو کہ کعبہ کے پیچھے۔

حج کے تعلق سے بال منڈوانے کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے:

مُحَلِّقِيْنَ رُؤسَكُمْ (الفتح:۴۸/ ۲۴)
''سروں کو منڈائے ہوئے''۔

حج کا ایک اہم رکن قربانی ہے، جس کا ذکر قرآن کریم اس طرح کرتا ہے:

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْم (الصفٰت (۳۷/ ۱۰۷)
حضرت ابراہیم کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی۔

یہودیوں کی روایت کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح تھے۔ جس کی تائید بعض محدثین نے بھی کی ہے۔ ذبیح اللہ کے تعلق سے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کے بعد اب ایک بیٹے اسحٰق کی اور اس کے نبی ہونے کی خوشخبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا

گیا تھا وہ اسماعیل تھے۔جو اس وقت ابراہیم کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحٰق کی ولادت ان کے بعد ہوئی۔

مفسرین کے درمیان اس کی بابت اختلاف ہے کہ ذبیح کون ہے؟ اسماعیل یا اسحاق؟ امام ابن جریر نے حضرت اسحاق کو اور ابن کثیر اور اکثر مفسرین نے حضرت اسماعیل کو ذبیح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔

امام شوکانی نے بھی اس مسئلے پر اپنی تفسیر ''فتح القدیر'' میں خاصی بحث کی ہے اور فریقین کے دلائل ذکر کیے ہیں تاہم کوئی فیصلہ کرنے میں توقف کیا ہے۔ بہر حال جمہور مفسرین اور علماء محققین نے حضرت اسماعیل کو ذبیح اللہ قرار دیا ہے اور اسی کے دلائل زیادہ واضح اور محکم بھی ہیں''۔ مولانا فراہی نے اپنی کتاب ''الرای الصحیح فیمن ھو الذبیح'' میں اٹھارہ دلائل دیتے ہوئے ثابت کردیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔[۱۵] جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے:

وَقَالَ إِنِّيْ ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ . رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ . فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيْمٍ . فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّيْ أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى (الصّٰفّٰت: ۳۷/۱۰۱)	اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں وہی میری رہنمائی کرے گا، اے پروردگار مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحوں میں سے ہو، ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے اس سے کہا. کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے۔

علامہ نے قربانی کے تعلق سے تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ نیز اس پہلو کو بھی

اٹھایا کہ مکہ معظمہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مسکن تھا اور مکہ ہی مقام ذبح تھا، متعصب عیسائی مصنّفین کا خیال ہے کہ قدیم تاریخوں میں مکہ کا نام ونشان نہیں ہے۔ مولانا نے تفصیلی بحث کرتے ہوئے اس کی تردید کی ہے، مکہ کا قدیم نام ''بکہ'' ہے[۱۶] قرآن مجید میں یہی نام ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً (عمران:۳/۹۶)	بے شک یہ سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی، یہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی ہے۔

علامہ نے اس مسئلہ پر مولانا فراہی سے بہت سے سوالات کیے، مولانا فراہی چوں کہ عبرانی زبان سے واقف تھے، اس لیے اس طرح کے مسائل پر تسلی بخش جوابات دیا کرتے تھے۔[۱۷] علامہ نے مروہ، مسئلۂ قربانی اور مکہ کی قدامت کو تسلیم نہ کرنے والے یہودیوں کی خباثت و دناءت کا پردہ چاک کیا ہے۔ جس کی طرف خود قرآن کریم نے اشارہ کردیا ہے:

يحرفون الكلم عن مواضعه (النساء:۴/۴۶)	وہ الفاظ کو ان کے مقامات سے ہٹا دیتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس کے مقاصد کو بھی قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مل کر اس کو تعمیر کیا اور اللہ کے ذکر و فکر کی تشہیر کے لیے اسی کو مرکز بنایا۔ سرسید نے خطباتِ احمدیہ میں مختلف ادوار میں خانہ کعبہ کی تعمیرات کا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے اور بہت ساری تاریخی معلومات مستند مآخذ سے فراہم کردی ہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ طوفان نوح کی ویرانی کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے کہ جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلی مسجد جو زمین پر بنائی گئی مسجد حرام ہے اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔ اور اس کی

مرکزیت تا قیامت برقرار رہے گی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ (البقرہ:۲/۱۲۷)	اور جب کہ ابراہیم اور اسماعیل خانہ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔

سورہ حج میں اس مرکز کے مقاصد کی تصویرکشی یوں کی گئی ہے:

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ. وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (الحج:۲۲/۲۷۔۲۸)	اور میرے گھر کے طواف کرنے والوں، اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس دور دراز کے مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں۔

علامہ نے وحی کے آغاز پر بھی بحث کی ہے اور اس کے آغاز سے آنحضور ﷺ پر کیا گزری اسے بھی مختلف احادیث کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ قرآن کریم کے آغاز نزول سے دعوت دین کا کام آگے بڑھا اور اللہ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ اب بانگ دہل اسلام کی تبلیغ ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں اللہ کے رسول کو حکم دیا گیا: [۱۸]

فاصدع بما تومر (الحجر:۱۵/۹۴)	اور تم کو جو کچھ حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے۔

اور یہ بھی اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (الشعراء:۲۶/۲۱۴)	''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ''

اللہ کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام معروف اور منکر کی ذمہ داریوں کو بتانے میں مشغول ہو گئے۔ معروف کا حکم اور منکر سے روکنے کو اپنا فریضہ قرار

دیا۔ عرب طرح طرح کی بداخلاقیوں اور فحاشیوں میں مبتلا تھے، قتل وغارتگری ایک معمولی مسئلہ تھا، ہر شخص افتخار واستکبار میں مبتلا تھا، قرآن کریم نے عربوں کو ان برائیوں سے گریز کرنے پر زور دیا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ. هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ. مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ. عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ. أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ (القلم: ۶۹/۱۰-۱۴)

اور ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے۔ طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظلم وزیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بداعمال ہے، جفاکار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے، اس بناء پر کہ وہ بہت مال اور اولاد رکھتا ہے۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: ۲۱/۹۸)

وہ معبود جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے وضاحت کی کہ دعوت دین کو ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی گئی اور رسول اللہ ﷺ کو ہر طرح سے ترغیبات دی گئیں تاکہ وہ اپنے مشن سے باز آسکیں، بعض روٴسا نے عربوں کی نیک نیتی کی بنیاد پر خواہش مند تھے کہ صلح وآشتی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا جائے، لیکن کسی طرح اللہ کے رسول اپنے اس فریضہ سے باز آنے کو تیار نہ تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے بھی آپ ﷺ کو ہر طرح سے رجھانے کی کوشش کی لیکن آپ ﷺ کے پائے استقلال میں کسی طرح کی لرزش نہ آسکی [۱۹] بلکہ اس کا جواب قرآن کریم میں اس طرح دیا گیا:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اے نبی ان سے کہو! میں تو ایک

يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ (حم السجدہ:۴۱/۶)

بشر ہوں تم جیسا، وحی کے ذریعہ سے بتایا گیا کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے، لہذا تم سیدھے اس کا رخ اختیار کرو اور اس سے معافی چاہو۔

قریش ہر طرح سے درپۂ آزار تھے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرامؓ جب تلاوت کرتے تھے تو دشمنانِ اسلام شور مچاتے تھے تا کہ آواز تلاوت دب جائے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ان کی ان حرکتوں کی جانب یوں اشارہ کیا گیا:

لَا تَسْمَعُوا لِهَـٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (حم السجدہ:۴۱/۲۶)

اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنا جائے تو اس میں خلل ڈالو۔ شاید کہ اس طرح تم غالب آ جاؤ۔

دشمنانِ اسلام کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ قرآن کریم کی آواز کان میں پڑتے ہی اپنا کام کر جائے گی۔ گویا کفار عرب کتاب الٰہی کی تاثیر اور فصاحت و بلاغت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کی وجہ سے دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ کفر کے اندھیروں سے انسان کو نورِ اسلام نصیب ہو جاتا ہے۔

علامہ نے سیرۃ النبی میں انصار کی تاریخ، حسب ونسب اور عقائد پر مبسوط بحث کی ہے۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام کے اخلاص اور جذبہ کی تعریف وتوصیف کی ہے، مکہ جانے والوں کے ساتھ مواخاۃ کی جو مثال قائم کی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ بہت سے صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ بہ سبب افلاس ہجرت نہ کر سکے جس کی وجہ سے انھیں دشمنانِ اسلام کی طرف سے بہت سی دشواریاں جھیلنی پڑیں۔[۲۰] ان پریشان زدہ مومنین کی تصویر کشی قرآن کریم نے اس طرح کی ہے:

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

ان بے بس مردوں، عورتوں اور

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (النساء:۴/۷۵)	بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔

مواخاۃ کا یہ حال تھا کہ ایک مہاجر اپنے انصار بھائی کی جائیداد میں حقیقی بھائی کے مانند حق دار ہوتا اور حقیقی بھائی اس کی میراث سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم میں یوں اشارہ کیا گیا:

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ وَالَّذِيْنَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَـئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ (الانفال:۸/۷۲)	جن لوگوں نے ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی در اصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کے حالات اچھے ہو گئے اور انھیں اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت نازل ہوئی:

واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض (الاحزاب:۳۳/۶)	ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

مذکورہ سطور سے عیاں ہے کہ علامہ نے سیرۃ النبی کے مباحث کو آیات کریمہ کی روشنی میں پیش کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہے، اس کتاب کے ابواب سے یہ نمایاں ہے کہ سیرتی مباحث کی بنیاد قرآن کریم پر رکھی گئی ہے۔

سیرۃ النبی کی آخری سطور میں مختلف غزوات جنگ بدر، جنگ احد، جنگ

احزاب، جنگ حنین اور جنگ تبوک کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔قرآن کریم میں ان غزوات کا ذکر کہاں کہاں آیا ہے اور ان آیات کریمہ سے کیا کیا پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں؟ ان پر علامہ نے عالمانہ انداز اختیار کیا ہے۔ یہاں قدرے جنگ بدر کی تفصیلات پیش کرنے کی سعی کی جائے گی۔ علامہ لفظ ''بدر'' کے متعلق رقم طراز ہیں:

''بدر ایک گاؤں کا نام ہے۔ جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے۔ یہ مقام اس خطہ کے قریب ہے جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔[۲۱]

جنگ بدر کے موقع پر مسلم فوج کا جہاں قیام تھا وہ زمین اس قدر ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ٹکتے نہیں تھے۔ نیز وہ مقام چشموں اور کنوؤں سے خالی تھا۔ اللہ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے بارش نازل فرما دی جس کی وجہ سے گرد جم گئی۔ اونٹوں کے چلنے میں سہولت ہو گئی اور بارش کے پانی کو روک کر حوض بنا لیے گئے تھے، جس کی وجہ سے وضو اور غسل میں سہولت ہو گئی۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہے:

ینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم به (الانفال:۸/۱۱)	اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔

جنگ کے آغاز کا بھی بڑے خوبصورت انداز میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ علامہ نے اسے یوں بیان کیا ہے:

''اب دو صفیں آمنے سامنے تھیں حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام''۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ (آل عمران:۳/۱۳)	تمہارے لیے ان دونوں گروہوں میں سے ایک نشان عبرت تھا جو (بدر) میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ

میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔

آنحضور ﷺ کے لیے یہ جنگ کی گھڑیاں نہایت دشوار ترین تھیں۔ کبھی سجدہ میں جا کر اللہ سے فرماتے "اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس وعدہ وفا کا ذکر اللہ کی کتاب میں یوں ہوا ہے:

سیھزم الجمع ویولون الدبر (القمر:۵۴/۴۵)	فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔

سرداران قریش کو ابتداء میں لشکر مصطفیٰ کے متعلق یہ خیال تھا کہ ان چند نہتے لوگوں کو شکست دینا ایک معمولی سا مسئلہ ہے۔ انھیں تو لمحات میں میدان جنگ سے غائب کیا جا سکتا ہے، لیکن سب سے پہلے اللہ کی طرف سے یہ انتظام ہوا کہ بارش کی وجہ سے ان کی اجتماعی قوت تتر بتر ہوگئی، ایسا دلدل ہوا کہ ان کا چلنا پھرنا مشکل ہوگیا افواج کا تخمینہ بھی صحیح ثابت نہیں ہوا چوں کہ اپنی تعداد سے دوگنی تعداد دیکھ رہے تھے۔ جس کو قرآن کریم نے یوں واضح کیا ہے:

یرونھم مثلیھم رای العین (آل عمران:۳/۱۳)	وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

اللہ کی اس عنایت خاص کی بنیاد پر کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی، بہت سے کفار قیدی بنائے گئے اور اسیران جنگ صحابہ کرام میں تقسیم کر دیئے گئے اور ان کے ساتھ اللہ کے رسول نے حسن سلوک کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کا خیال تھا کہ یہ اپنے ہی اعزاء و اقارب ہیں اس لیے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ کا کہنا تھا کہ سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر صحابی اپنے عزیز کو قتل کرے۔ اللہ

کے رسول نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند کیا اور فدیہ لے کر انھیں آزاد کر دیا۔ اس پر عتاب الٰہی کا یوں ظہور ہوا:

لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (الانفال:۸/۶۸)	اگر اللہ کا نوشتہ نہ لکھا جاچکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

لیکن سبب عتاب کے باب میں اختلاف پایا جاتا ہے، ایک خیال یہ ہے کہ مالِ غنیمت کے باب میں اختلاف کے رجحانات کے مدنظر یہ عتاب ظاہر ہوا لیکن اس وقت تک اس کے متعلق کوئی واضح حکم صادر نہیں ہوا تھا اس لیے انھیں معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ قرآن مجید میں عتاب کے بعد مال غنیمت کے سلسلے میں یہ فرمایا گیا کہ:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (الانفال:۸/۶۹)	تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے۔

غزوہ بدر کے تفصیل میں جاتے ہوئے علامہ نے نتیجتاً یہ کلمات تحریر کیے کہ:

"اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور ایک خاص سورہ "انفال" بدر کے احسانات ونعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقہ بدر کی توضیح کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لیے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہیں"۔ ۲۳

علامہ نے قرآن کریم کو بنیاد بنا کر غزوہ بدر اور متعلقات بدر کا نہایت عالمانہ تجزیہ کیا ہے اور آیات کریمہ اور احادیث کے تطابق وارتباط سے ایک معیاری میزان لانے کی سعیٔ مشکور ہے۔

سیرۃ النبی کے مآخذ میں قرآن کریم کو اساسی اور کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

آسمانی کتب، احادیث اور دیگر مآخذ کی تفسیر وتوضیح کے لیے یہ نقطہ نظر اپنایا گیا، علامہ نے کمزور اور موضوع احادیث کو قابل اعتماد تصور نہیں کیا، آپ کی کوشش رہی کہ حدیث کو قرآن کریم پر حکم کا درجہ نہ دیا جائے۔ علامہ نے مقدمہ میں چند اصول بتاتے ہوئے یہ صراحت کردی ہے کہ ان احوال میں روایات قابل اعتبار قرار نہ پائیں گی خواہ اس کے رواۃ معتبر ہی کیوں نہ ہوں۔[۲۴] ایک اصول یہ ہے کہ قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو، ایک دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ حدیثیں جو صریح قرآن کے خلاف ہوں مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے کیوں کہ یہ روایت اگر صحیح ہو تو ہر شخص بتادے گا کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے حالاں کہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔[۲۵] ایک تیسرا اصول یہ بھی بتایا گیا کہ بہت سی احادیث ایسی ہیں جو الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں۔ حالاں کہ یہ احادیث تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں منقول ہیں۔[۲۶]

علامہ کے مذکورہ تینوں اصولوں سے مترشح ہے کہ سیرت پاک کے سلسلے میں سب سے اولیٰ اور مقدم ماخذ قرآن کریم ہے سب سے پہلے اسی کی روشنی میں ذات اطہر کا جائزہ لیا جائے گا اور جو روایات اس ماخذ قطعی کی تائید وتشریح میں معاون ثابت ہوں گی۔ انھیں قبول کیا جائے گا۔ اور اگر کہیں بھی ذرہ برابر تصادم ہے تو اسے قابل قبول نہ گردانا جائے گا۔ گویا سیرت النبی کی ترتیب میں مولانا کے سامنے یہ اصول قائم ودائم رہا اور دونوں جلدوں میں بے شمار سیرتی واقعات کی کڑیاں تلاش کرنے میں قرآن کریم سے مدد لی گئی۔ فکر فراہی کے ترجمان جناب مرحوم خالد مسعود صاحب نے علامہ کے اسی فکر کے تتبع میں ''حیات رسول امی''[۲۷] کے عنوان سے سیرت پر ایک کتاب ترتیب دی، جس کی بنیاد صرف قرآن کریم پر ہے۔ یہ علمی کاوش دراصل دبستانِ شبلی کا ایک رنگ ہے اور دبستان شبلی ہی کی ایک ممتاز شاخ فکر فراہی ہے۔

خالد مسعود نے اپنے استاذ گرامی مولانا امین احسن اصلاحی کے حکم کو اس طرح نقل کیا ہے:

''شاید یہ ۱۹۶۷ء کا سال تھا کہ مولانا کے ایک دوست نے ان سے قرآن مجید کی روشنی میں سیرت النبی پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی اور کہا کہ اگر آپ یہ کام کر سکیں تو ایک بڑی علمی و دینی خدمت ہوگی۔ مولانا نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ ایک اچھی تجویز ہے۔ اور میں اس ضرورت کا بھی قائل ہوں لیکن میں نے تفسیر قرآن لکھنے کا جو بیڑا اٹھایا ہے یہ اس وقت تک میری ہمہ تن مشغولیت کا تقاضا کرتا ہے اور میں اس مرحلے میں اسے صرف نظر کرنا نہیں چاہتا۔ ان صاحب نے پوچھا کہ آپ نے جن طلبہ کو پڑھایا ہے کیا ان میں سے کوئی اس کام سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔ مولانا نے اس کے جواب میں میرا نام لیا۔ مولانا کے اس جواب پر دل ہی دل میں ہنسا کہ میں آنم کہ من دانم۔ مولانا میرے بارے میں کس قدر خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس طرح یہ بات آئی گئی ہوگئی اور میں نے بھی اس موضوع پر سوچا تک نہیں''۔[۲۸]

بہرکیف خداوند قدوس نے مرحوم خالد مسعود سے یہ کام لے ہی لیا جس کا اعتراف کرتے ہوئے انھوں نے تحریر کیا کہ ''یہ بات خدا ساز ہوئی۔ ورنہ جب استاذ گرامی کی زبان سے اس کام کے لیے میرا نام نکلا تھا تو میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں سیرت النبی پر کوئی کتاب تحریر کر سکتا ہوں''۔[۲۹] خالد مسعود صاحب نے قرآن کریم کی آیت کریمہ ''قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْراً . رَّسُولاً يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (الطلاق: ۶۵/ ۱۰۔۱۱) (اللہ نے تمہاری طرف ذکر اتارا ہے یعنی رسول اللہ جو اللہ کی واضح آیات تمہیں سناتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کرتے رہے ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے) گویا یہاں یہ بتایا

جارہا ہے کہ قرآن کریم اور رسول اللہ کی ذات میں فرق نہیں ہے۔ بس قرآن کریم الفاظ کی شکل میں ہے اور رسول اللہ جسم انسانی کی صورت میں۔ خالد مسعود کی کتاب کی تسوید کا یہی ماحصل ہے اور اسی ماحصل کی پہلی آواز سرسید، شبلی اور مولانا فراہی تھے۔ ۳۰؎

سیرۃ النبی میں قرآن کریم کو اولیت دینے کی وجہ سے سیرت پاک کی ایک مصفی ومجلی تصویر سامنے آتی ہے۔ جو شکوک وشبہات اور اوہام وخرافات سے پاک ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کمزور اور ضعیف روایات کی اس میں کوئی جگہ باقی نہ رہی، یہ ایک متوازن اور معتمد سیرت ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علامہ جن اصولوں کو سامنے رکھ کر اپنا کام کرنا چاہتے تھے انھیں وہ اپنی ڈیڑھ جلدوں میں برت نہ سکے۔ جس کی طرف مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ادریس احمد کاندھلوی وغیرہ نے اشارات کیے ہیں۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے بھی اپنی کتاب ''مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار'' میں علامہ شبلی کی اس حقیقت کی طرف مدلل انداز میں اشارہ کیا ہے۔ بہر نوع ان سب کے باوجود اس سیرت سے قرآن فہمی کی راہیں بھی استوار ہوئی ہیں۔ قارئین بے شمار آیات کریمہ کی شان نزول اور تاویلات سے باخبر ہوجاتے ہیں، قرآنی آیات سے جس طرح استدلال واستشہاد کیا گیا ہے اس سے یہ یقین ابھرتا ہے کہ علامہ کی قرآنیات پر گہری نظر تھی، اور قرآنی علوم پر گہرائی وگیرائی کی ایک بین مثال یہ ہے کہ قرآن کریم سے براہ راست استفادہ کیا گیا ہے۔ استدلال کی بنیاد مفسرین کی آراء پر نہیں ہے۔

سیرت نبوی کا ایک بڑا ذخیرہ اشعار عرب میں بھی موجود ہے، جس کے تمام تر محقق ہونے پر سوالیہ نشان لگا ہوا ہے، لیکن الحاق کے باوجود کلام عرب میں ایک بڑا ذخیرہ ضرور ایسا ہے جسے توضیح وتفسیر کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن چند گنتی کے اشعار کے علاوہ سیرۃ النبی میں خاطر خواہ کلام عرب سے استفادہ نہیں کیا گیا پھر بھی سیرت ابن ہشام اور دیگر سیرت سے متعلقہ تصانیف میں دیوان عرب سے کافی مدد لی گئی ہے، تمام تر اختلافات کے باوجود اس کا یہ پہلو ذکر کے لائق ہے۔

مولانا فراہی کی تفسیر نظام القرآن بالخصوص تفسیر سورہ فیل اور دیگر تصانیف

میں بے شمار ایسے اشعار نقل کیے گئے ہیں جو سیرت پاک کے سلسلے میں ممد و معاون ہیں۔[۳۱] یہی وجہ ہے کہ سیرت پاک کے بہت سے گوشوں کی توضیح کے باب میں مولانا سے وضاحت چاہی گئی۔ ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مولانا فراہی عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔ توریت، زبور اور انجیل میں سیرت پاک سے متعلق جو مباحث ہیں وہ بھی مولانا کی نظر میں تھے اس ضمن میں سرسید اردو کے پہلے سیرت نگار ہیں جنھوں نے خطبات احمدیہ اور تبیین الکلام میں صحف آسمانی سے خاصا استفادہ کیا ہے۔ یہاں یہ کہنے میں ہرگز کوئی تامل اور توقف نہیں کہ علامہ شبلی کے اندر ایک محقق سیرت پاک کی تسوید کا اشتیاق سرسید ہی نے پھونکا اور عبرانی زبان کے تعلم کا شوق بھی مولانا فراہی کے اندر سرسید ہی کی وجہ سے پیدا ہوا۔ یہ طے ہے کہ سرسید کی فکری اور تحقیقی منہاج کا فکر فراہی کی تشکیل میں ضرور ایک حصہ ہے۔ جس کا اعتراف راقم الحروف نے اپنے مقالہ ''تفسیر سرسید اور تفسیر فراہی'' میں کیا ہے۔[۳۲] اسی نکتے کو پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے بھی اپنے اداریہ میں اٹھایا ہے:

> ''مولانا فراہی کی متین اور متوازن تحریروں میں ایسی کسی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ ضرور ہے کہ قرآن فہمی کے میدان میں عہد حاضر کا یہ انقلابی فکر جسے اب بالعموم فکر فراہی کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے اور جس کے جملہ امکانات اور مضمرات ابھی پوری طرح سامنے نہیں آسکے ہیں۔ اس کی تحریک، علی گڑھ میں ہوئی اور یہیں رہتے ہوئے اس نابغۂ روزگار کے ذہن و دماغ میں اس کے اولین نقوش صورت پذیر ہوئے۔ اگر پوری صورت حال کو سامنے رکھا جائے تو شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت سے شذوذ کے باوجود سرسید کی تفسیر نے اس سلسلے میں کسی حد تک مثبت کردار ادا کیا ہوگا کیوں کہ مولانا فراہی کے فکری منہاج کے بعض اجزائے ترکیبی جو ان کی تحریروں میں اپنے منتہائے کمال تک نظر آتے ہیں

ان کے ابتدائی نقوش سرسید کی تفسیر میں موجود ہیں"۔۳۳

آخر میں یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ علامہ نے سیرت کے قرآنی مباحث کی تائید وتوثیق میں مولانا فراہی کی طرف بار بار رجوع کیا جس کی تفصیلات مکاتیب شبلی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بہرکیف سیرۃ النبی متعدد اسلوبیاتی اوصاف اور تحقیقی امتیازات کی حامل ہے اور قرآنیات سے استفادہ ان میں سے اس کا ایک قابل ذکر وصف ہے۔

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: اساطین عربی زبان وادب (ہندوستان میں) ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شعبہ عربی، اے۔ایم۔یو علی گڑھ، ۲۰۰۳ء، ص: ۴۶۔۶۷

۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الانتقاد علی التمدن الاسلامی، الشیخ الاستاذ شبلی النعمانی الہندی، مطبع آسی پریس، لکھنؤ، ۱۹۱۲ء، ص: ۸۲

۳۔ مکاتیب شبلی کے سلسلے میں دیکھیے: مولانا فراہی مکاتیب شبلی کے آئینہ میں، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، (علامہ حمیدالدین فراہی، حیات وافکار)، مقالات فراہی سمینار، دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۴۲۔۴۵۲

۴۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے علامہ کی اس کتاب اور اس میں مستعمل احادیث اور بعض واقعات پر اپنی کتاب ''مولانا شبلی بحیثیت سیرت نگار'' میں روشنی ڈالی ہے جن کی بعض آراء سے اتفاق اور بعض سے اختلاف ممکن ہے (بھارت آفسیٹ، دہلی، باراول، ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۸۔۲۳۰)

۵۔ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۹۶ء ۱/ ۲۷

۶۔ تفسیر جلالین کلاں، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۱۳۷۶ھ، ص: ۲۹۵

۷۔ واقعۂ افک کے لیے دیکھیے: تفسیر احسن البیان (تفسیر حافظ صلاح الدین یوسف، ترجمہ خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی، نظر ثانی، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، دارالسلام، ریاض، ص: ۸۳۱، یہ بات پیش نظر رہے کہ واقعہ افک کے مباحث پر غور کیا جائے تو یہ ایک fabricated واقعہ ہے۔ یہ دراصل اہل تشیع کی پیداوار ہے اس سلسلے کی احادیث پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ واقعہ صرف حضرت عائشہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے لیے گڑھا گیا، ورنہ یہ ایک بے بنیاد اور بے حقیقت واقعہ ہے۔

۸۔ سیرت النبی، ۱/ ۳۰

۹ ایضاً،ص:۱/ ۶۵، نیز دیکھیے ،ص:۸۔۷۔راقم الحروف نے اپنے مقالہ ''تحقیق، خطہ اور تحقیقی مقالہ: ترتیب وتجویز'' میں بھی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے۔دیکھیے: نذر سلیم،ارورا پرنٹرس،شاہدرہ، دہلی،۲۰۱۲ء،ص:۲۵۹۔۲۶۰

۱۰ سیرۃ النبی،ص:۱۰۰

۱۱ دیکھیے: مقالاتِ شبلی، میں ''تاریخ ترتیب قرآن'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا گیا ہے جس کے کچھ پہلوؤں سے اتفاق ممکن نہیں ہے، دیکھیے: مقالات شبلی، (باہتمام مولانا مسعود علی ندوی)، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۷۳ھ،۱۹۵۴ء،۱/ ۱، علامہ کی قرآن فہمی کے لیے دیکھیے: علامہ شبلی نعمانی کی قرآن فہمی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی، فاران اکیڈمی، علی گڑھ، ۲۰۰۵ء،ص:۱۱۱

۱۲ سیرۃ النبی،۱/ ۸۔۷۔۸۱، جاہلی شاعری سے پتہ چلتا ہے کہ عرب بت پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن ان بتوں کو اللہ تصور نہیں کرتے تھے اس کے لیے دیکھیے: عربی شاعری میں اللہ کا تصور، ابوسفیان اصلاحی، نقوش قرآن نمبر، شمارہ:۱۲۶، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۲۰۰۱ء،۴/ ۵۹۵۔۶۹۸

۱۳ سیرۃ النبی،۱/ ۸۶

۱۴ ذبیح کون ہے؟ اس موضوع سے متعلق سرسید نے خطبات احمدیہ اور تبیین الکلام میں قابل قدر گفتگو کی ہے۔

۱۵ احسن البیان،ص:۱۰۵۸، تفسیر فتح القدیر، میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔دیکھیے: فتح القدیر، محمد بن علی بن محمد الشوکانی (وفاتہ بصنعاء، ۱۲۵۰) شرکۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی ، واولادہ بمصر ،الطبعۃ الثانیۃ،۱۳۸۳ھ۔۱۹۶۴م

۱۶ وضاحت کے لیے دیکھیے: ذبیح کون ہے؟ امام حمید الدین فراہی، دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص:۱۸۳

۱۷ علامہ نے مولانا فراہی سے کن کن مسائل میں استفسار کیا اس کے لیے دیکھیے: مکاتیب شبلی، مرتبہ سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم

گڑھ،۱۳۱۹ھ،۱۹۷۱ء،ج۲،ص:۳۸۔۳۹

۱۸۔ سیرۃ النبی،ص:۱۴۹، نیز دیکھیے: مکاتیب شبلی،ج:۲،ص:۴۱

۱۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی،۱/۱۳۸۔۱۴۸

۲۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی،۱/۱۵۷۔۱۸۱

۲۱۔ سیرۃ النبی،۱/۲۱۵

۲۲۔ ایضاً،۱/۲۲۴۔۲۲۷

۲۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی،۱/۲۳۰

۲۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی،۱/۲۶۔۲۷

۲۵۔ ایضاً،۱/۲۹

۲۶۔ ایضاً،ص:۱/۳۰

۲۷۔ ''حیات رسول امی'' انچاس ابواب پر مشتمل ہے ان ابواب کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ تاریخی پس منظر، دوسرا حصہ حیات قبل از بعثت ہے، تیسرا نبوت کا مکی دور ہے اور چوتھا نبوت کا مدنی دور ہے یہ چاروں حصے ۵۹۷ صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب قرآن کو بنیاد بنا کر ترتیب دی گئی ہے، یہ حقیقت ہے کہ موضوع کے لحاظ سے یہ خدمت انفرادیت کی حامل ہے۔ اسے ''دارالتذکیر'' لاہور نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے اور اب ہندوستان سے اس کتاب کو ''البلاغ'' دہلی نے شائع کیا ہے۔وضاحت کے لیے خاکسار کا مضمون سیرت کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ترجمان ''سازحرم'' (۲۰۱۲ء) میں خالد مسعود صاحب کی کتاب ''حیاتِ نبی امی'' پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۲۸۔ حیات رسول امی،ص:۹

۲۹۔ ایضاً،ص:۹

۳۰۔ ایضاً،ص:۱۰

۳۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا حمید الدین فراہی مفسر و محقق، ڈاکٹر ابوسفیان

اصلاحی، اروراپرنٹرزاینڈ پبلشرز، ۲۰۰۸ء،ص:۱۳۲۔۲۱۵

۳۲؎ وضاحت کے لیے دیکھیے: سرسیداورفراہی کے تفسیری خیالات، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، Contribution of Sir Syed Ahmad Khan to Islamic Studies, (Edited by: Abdul Ali And Sayyid Ahsan, Institute of Islamic Studies Muslim University Aligarh (India) p. 300-339

۳۳؎ اداریہ :فکر فراہی: پس منظر اور محرکات، اشتیاق احمد ظلی ،علوم القرآن، علی گڑھ، جنوری۔ جون ۲۰۰۳ء، ذی قعدہ، ۱۴۲۳ھ، ربیع الآخر ۱۴۲۴ھ، ۱۸/۱،ص:۲۱

☆☆☆

المدیح النبوی-ایک مطالعہ

ہندوستان میں نعت گوئی پر مباحثے اور مذاکرے کا انعقاد ہوا اور بہت سی شخصیات نے نعت گوئی کو موضوع بحث بنایا۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی[1]، پروفیسر رفیع الدین[2]، ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی، ڈاکٹر صدر الدین ندوی[3] اور ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے نعت گوئی کے وجوہ واسباب کی تلاش وتتبع میں قابل ذکر خدمات انجام دیں۔ راقم الحروف نے عربی نعت گوشعراء کے ذکر محاسن میں اپنی بساط بھر قلم وقرطاس کا سہارا لیا۔ شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے عربی نعت گوئی پر سمینار کا انعقاد کیا اور اس کی روداد بھی شائع کیا۔[4] اس تقدس کی انجام دہی کے پیچھے مجلّہ ''نعت رنگ'' کی محبتیں اور بھائی محمد صبیح رحمانی کی مکرر یاددہانیاں بھی پوری طرح شامل ہیں۔ خدا کرے ہندوستان کے ارباب قلم اسی طرح سرور کائنات کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرتے رہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ''المدیح النبوی'' ہے جسے مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی اعظمی نے ترتیب دیا ہے جس میں ۱۴۰ شعراء کے نعتیہ کلام کو جمع کیا گیا ہے۔ اس مجموعے سے عربی نعت گوئی کا ایک مستند نیز مقدس خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ ماقبل نبوت اور مابعد آپ کے شخصی، عائلی اور دینی کوائف سامنے آجاتے ہیں، صحابہ کرام، تابعین عظام، اموی وعباسی شعراء کرام، جدید شعراء اور ہندوستانی نعت گوشعراء نے شمائل نبوی کو کس عقیدت اور کس خوبصورتی سے منظوم کیا ہے جسے پڑھ کر ایمان تازہ ہوجائے بلکہ ایمان کی بہار آجائے۔ غزوات میں آپ ﷺ کی کیا حصہ داریاں رہیں، کس طرح اپنے جاں نثاروں کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے رہے اور دشمنان اسلام کے ساتھ کس

طرح نباہ کیا ان تمام موضوعات کی جلوہ آفرینیاں اس مجموعے میں موجود ہیں۔

اس مجموعے میں موجودہ نعتوں کو موضوعات کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اس کا پہلا حصہ ''التحمید'' کے عنوان سے ہے جس میں خالق کائنات کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے، اس میں گیارہ شعراء کے حمدیہ جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ بالعموم دنیا کی بیش تر زبانوں میں اوصاف رسول پر توجہ مبذول کی گئی ہے۔ شعراء نے رب ذوالجلال کو بہت کم موضوع بحث بنایا ہے۔ ضرورت ہے کہ شعراء خداوند قدوس کی کرشمہ سازیوں کو منظوم کریں۔ اسی طرح ارباب نثر اور ناقدین پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حمدیہ قصائد کے تحلیل وتجزیہ کے تیئں بے اعتنائی کا ثبوت نہ دیں۔ حمدیہ صنف پر قابل قدر توجہ دینے والوں کا سالار جدید شاعر اسماعیل صبری ہے اسی طرح اردو میں اس صنف کی طرح ڈالنے والوں میں ایک نمایاں نام اسماعیل میرٹھی کا ہے۔ اسماعیلین نے عربی اور اردو حمد گوئی میں وہ خدمات انجام دی ہیں، جو ناقابل فراموش ہیں۔ خاکسار نے عربی کے حمدیہ اشعار کے تناظر میں ایک مقالہ نقوش کے قرآن نمبر (شمارہ: ۱۴۶) میں بعنوان ''عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء'' کے تحریر کیا ہے۔[۵] اس مقالہ کی طباعت کے بعد مزید سینکڑوں حمدیہ اشعار کافی جستجو کے بعد ہاتھ لگے ہیں خدا کرے یہ ایک کتاب کی شکل اختیار کر جائیں۔ خود اسمٰعیل صبری کی حمدیہ شاعری پر ایک مقالہ مجلّہ نعت رنگ میں سپرد قرطاس کر چکا ہوں۔[۶] اعظمی صاحب کی اس مرتب کتاب کے بقیہ نو عناوین نعتیہ قصائد پر مشتمل ہیں جو اس طرح ہیں: (۱) البشائر (۲) ذکری المولد (۳) المدائح والخصائص الکبری (۴) الاعتذار إلی سید الابرار (۵) رثاء الرسول (۶) دعوة الکئیب (۷) الاستبراك بالآثار (۸) الحنین الی زیارة روضة النبی الامین (۹) التسلیم علی صاحب جنات النعیم ۔ اس مضمون میں انہی عناوین کے تحت مندرجہ نعتیہ قصائد سے چند اشعار کا انتخاب کرتے ہوئے عربی نعتیہ شاعری کے کچھ رنگ وآہنگ کو حیطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اس سے قبل

کچھ حمد یہ اشعار کو نقل کرتے ہوئے مضمون کو آگے بڑھایا جائے گا پہلے ورقہ بن نوفل کے حمد یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ یہ وہی ورقہ بن نوفل ہیں جنھوں نے اعلان رسالت سے قبل آپ ﷺ کی رسالت کا اعتراف کیا۔ دورِ جاہلیت میں وہ اپنے اشعار میں اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے تھے۔ مثلاً:

مسخر کل ماتحت السماء له
لاینبغی أن ینـاوی ملکه احد

(زیر آسمان ہر شی اللہ کے دست قدرت میں ہے، کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس کی قدرت کی ہم سری کرے۔)

لاشیئ مما تریٰ تبغی بشاشته
ینبغی الا له ویؤدی المال والولد

(دنیا کی جتنی اشیاء کا تم مشاہدہ کرر ہے ہو، ان کی تروتازگی دائمی نہیں ہے، بقاء صرف اللہ کے لے ہے اور وہی اموال واولاد فراہم کرتا ہے۔)

ولاسلیمان إذ تـجری الریاح به
والإنس والجن فیما بینهم برد

(اور نہ ہی (حضرت) سلیمان علیہ السلام باقی رہے جب کہ ہوائیں ان کے اشاروں سے چلتی تھیں اور جن وانس اوران کے مابین بسنے والی تمام خلقت آپ کی پیغامبر تھی۔)

أین الملوك التی کانت لعزمتها
من کل أوب إلیهـا وافد وفد

(وہ سلاطین کہاں ہیں؟ عزم وارادہ جن کی شناخت تھی انہی عزائم کے حامل سلاطین میں سے ہر سلطان (آج دنیا سے) جا چکا ہے۔)

ابوالعتاہیہ کے دیوان کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے یہاں بھی بہت سے حمدیہ اشعار مل جائیں گے۔ مرتب نے اس کا بھی ایک قصیدہ اس عنوان کے تحت نقل کیا ہے۔ یہاں صرف دو شعر نقل کیے جا رہے ہیں:

تعالی الواحد الصمد الجلیل
وحاشیٰ ان یکون لہ عدیل

(ذات یکتا، بے نیاز اور صاحب جلالت بلند و برتر ہے اور اس کا ہم پلہ ہونا بعید از قیاس ہے۔)

ھو الملک العزیز و کل شیئ
سواہ فھو منتقص ذلیل

(اللہ تعالیٰ طاقت ور بادشاہ ہے اور اس کے علاوہ تمام اشیاء ناقص اور بے جان ہیں۔)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ لفظ ''صمد'' کی وسعت کو کسی زبان میں منتقل کرنا محال ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی نے اپنی تفسیر سورہ اخلاص میں اس لفظ کی عدیم النظیر تفسیر کی ہے۔[7] اس کے بعد اس توضیح و تفسیر سے متاثر ہو کر سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی میں اس پر عالمانہ انداز میں اظہار خیال کیا ہے[8] ان دونوں دو چیزوں کو راقم الحروف نے اپنے مضمون ''مولانا حمید الدین فراہی اور سید سلیمان ندوی'' میں پیش کیا ہے مولانا فراہی نے اس کی لغوی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

''کلمہ صمد جس کا ترجمہ باہمہ کیا گیا، اصل وضع میں بڑی چٹان کو کہتے ہیں اور چوں کہ دشمنوں کے حملہ کے وقت اس کی پناہ پکڑتے ہیں اس لیے سردار کو جو قوم کی پشت پناہ ہو اور سب لوگ اسی کی طرف متوجہ ہوں صمد کہتے ہیں۔ زبور اور دیگر کتب مقدسہ میں خدائے تعالیٰ کو اکثر چٹان، مدد کی چٹان کہا گیا ہے''۔[9]

اندلس جسے انگویزوں نے Spain بنادیا ہے۔تبشیری تحریک دراصل تنسیخی تحریک ہے۔ وہ اسلامی ناموں کو بگاڑنا چاہتے ہیں اسلامی مآثر ومفاخر کو تہہ خاک ڈالنے کے خواست گار ہیں۔لیکن صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اسلامی اندلس یوں ہی دمک رہا ہے، چمک رہا ہے۔اسی چمک کا ایک حصہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی اندلسی ہیں جن کے تین حمدیہ اشعار مرقوم ہیں:

مالی سوئ قرعی لبابك حیلة
فلئن رددت فأی باب اقرع

(اے بار الٰہا! تمہارے دروازے پر دستک دینے کے بجائے
میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے، اگر تم نے دھتکار دیا تو میں کس
دروازے کو کھٹکھٹاؤں گا۔)

مالی سوی فقری إلیك وسیلة
بالافتقار إلیك فقری ادفع

(تمہارے دربار میں رسائی کے لیے میرے فقر کے ماسوا کوئی
ذریعہ نہیں ہے۔ میں اپنے فقر کو تمہارے حضور بدستِ احتیاج
لے کر کھڑا ہوں۔)

مذکورہ چند حمدیہ اشعار کی تقدیم کے بعد اب نعتیہ اشعار پیش کیے جائیں گے۔ یہ سچ ہے کہ عرب نعت گوشعراء نے آپ ﷺ کی بڑے سچی تصویر اتاری ہے۔ بالخصوص صحابہ کرامؓ نے تو براہ راست روبرو اتاری ہے اس بلاواسطہ اتاری گئی تصاویر میں صداقت اور کس قدر حقیقت ہے۔چشمۂ نبوت ان کے سامنے تھا، وہی آبِ زلال ان کی شاعری میں رواں دواں ہے یہ چشمۂ صافی کسی اور زبان کے شاعر کو نصیب نہیں، یہ دربار نبوت کسی اور زبان کو حاصل نہیں یہی تو وجہ ہے کہ اس میں مبالغہ نہیں، قیاس آرائیوں سے پاک صاف اور ذہنی زور آزمائیوں سے دوروں دور، صحابہ کرامؓ کے جذبات آنحضور ﷺ کے تئیں کتنے پاکیزہ تھے اس پاکیزگی نے ان کی نعتیہ شاعری

کو آب حیات بنا دیا ہے۔ یہی آب حیات امت مسلمہ کی شناخت ہے اور باعث طمانیت بھی۔ آج اس ظلمت کدہ میں یہی نعتیہ شاعری ہمارے لیے مشعل حیات ہے۔ اس سراج منیر کی کچھ کرنیں آپ کے حضور لے کر حاضر ہوں۔ یہ حقیقت آشکارہ ہو چکی ہے کہ صحف آسمانی میں آپ ﷺ کی نبوت کی بشارت موجود ہے۔ جسے مستشرقین اور علماء یہود و نصاریٰ نے اسے پس پشت ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ بہر کیف سرسید نے خطبات احمدیہ[۱۰] اور تبیین الکلام[۱۱] میں اس بشارت کو منظر عام پر لانے کے لیے بڑا عالمانہ انداز اختیار کیا ہے۔ اسی تعلق سے تبان اسعد بن کلکیرب کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

شهدت على أحمد أنه
رسول من الله باری النسم

(میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ ﷺ لوگوں کو پیدا کرنے والے اللہ کی جانب سے مبعوث کیے ہوئے رسول ہیں۔)

فلومد عمری إلى عمره
لكنت وزيراً له وابن عم

(پس اگر میری عمر نے اس کی عمر تک پہنچنے میں وفا کیا تو میں اس کا اور چچا کے بیٹے کا وزیر بنوں گا۔)

آپ ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء نے بھی آپ کو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ وہی حضرت شیماء ہیں جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ ﷺ والدہ محترمہ کی چھاتی سے لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح کے دیگر نظاروں نے حضرت شیماء کے اندر حب رسول کا عمیق وسیع سمندر سرایت کر دیا۔ اس حب تقاطر کے ایک منظر سے آپ بھی محظوظ ہوں:

يا ربنا أبق لنا محمداً
حتى أراه يافعاً وأمردا

(اے پروردگار! محمد کو ہمارے لیے باقی رکھ، ہم نے نظروں کے سامنے ان کے بچپن سے بلوغ تک کو دیکھا ہے اور بے ریش جوانی کے دن بھی)

واعطه عزاً يدوم أبداً

(اور تو اسے ایسی عزت دے دے جسے دوام حاصل ہو۔)

ورقہ بن نوفل کی شخصیت کا ذکر ہمیشہ تاریخ اسلام میں ہوتا رہے گا احادیث کی تمام کتابوں میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ آپ اپنے وقت کے ایک معروف عالم تھے۔ انھیں قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کی عجیب کیفیت ہوگئی تو حضرت خدیجہ آپ ہی کے پاس گئی تھیں جہاں سے آپ کو تسلی بخش جواب ملا اور ملنے والی نبوت کے باب میں بتایا گیا کہ جلد ہی محمد ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا جائے گا۔ اور یہ وہی فرشتہ ہے جو دیگر انبیاء کرام کے پاس آتا رہا ہے۔

فخبر ناعن كل خبر بعلمه

وللحق أبواب لهن مفاتح

(پس آنحضور ﷺ نے اپنے علم کے ذریعہ ہر خیر کی اطلاع دی اور حق کے متعدد دروازے کے لیے کنجیاں ہیں۔)

كأن بن عبدالله أحمد مرسل

الى كل من ضمت عليه الأباطح

(گویا کہ ابن عبداللہ احمد وادیوں میں سکونت پذیر لوگوں کی طرف بھیجے گئے رسول ہیں۔)

وظني به أن سوف يبعث صادقاً

كما أرسل العبدان :هود وصالح

(اور احمد مرسل کی باب میں مجھے یقین ہے کہ انہیں ایک صادق

کی صورت میں پیش کیا جائے گا جس طرح حضرت ہود اور
حضرت صالح علیہما السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔)

اس کے بعد چند اشعار ''ذکری الولد'' سے نقل کیے جائیں گے۔ یہ بات روز روشن ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے نہ صرف عرب بلکہ دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا۔ ایک عجیب قسم کی بارش تھی جو اقتصادیات کے مسائل ومصائب کا حل پیش کر رہی تھی اور دنیا کی تاریکیوں کی روشنیوں میں تبدیل کر رہی تھی۔ کفر وشرک اور ظلم وتشدد کا سورج غروب ہو رہا تھا۔ سیرت نگاروں نے اپنے اپنے انداز سے ان حسین لمحات کی تصویر کشی کی ہے لیکن علامہ شبلی نعمانی نے اپنی سیرۃ النبی میں ''ظہور قدسی'' کے عنوان سے ایسا مثالی نقشہ کھینچا ہے کہ انسان انگشت بدنداں ہو جائے۔ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ ﷺ کو کعبہ کے اندر لے گئے اور اپنے جذبہ مسرت کا یوں اظہار کیا:

الحمدلله الذی أعطانی
هذا الغلام الطیب الأردان

(ہم اس پروردگار کے شکر گزار ہیں جس نے ہمیں یہ خوش رنگ
اور خوشبودار بیٹا عطا کیا۔)

قد ساد فی المهد علی الغلمان
أعیذه بالله ذی الأرکان

(یقیناً یہ بچہ گود ہی سے تمام بچوں کا سردار نظر آرہا ہے، میں اس
کے لیے اس اللہ کی امان کا خواہاں ہوں جو طاقتوں والا ہے۔)

حتی یکون بلغة الفتیان
حتی أراه بالغ البنیان

(آپ ﷺ فہم وفراست میں تمام جوانوں سے آگے تھے۔
یہاں تک کہ وہ بلند بالا عمارت کے مانند ہو گئے۔)

اسی سلسلے کے دو شعر ابو محمد عبداللہ الشقر اطی کے ملاحظہ ہوں:

ضاء ت لمولده الآفاق واتصلت

بشری الهواتف فی الاشراق والطفل

(آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے آفاق عالم روشن ہو گئے۔ اور مشرق و مغرب میں یہ صدائے بشارت عام ہو گئی۔)

وصرح كسرى تداعى من قواعده

وانقض منكر الأرجاء ذاسيل

(اور کسریٰ کی درو دیوار ڈھنے لگی، اور چہار جانب میلوں پر مشتمل یہ سلطنت زمین بوس ہونے لگی۔)

آپ ﷺ کی آمد مبارک کا ذکر شیخ امام جعفر مدنی برزنجی نے اس انداز سے کیا:

محيا كالشمس منك مضى

أسفرت عنه ليلة غراء

(مانند آفتاب آپ ﷺ کا چہرہ دمک رہا ہے آپ کی وجہ سے یہ راتیں روشن ہو گئیں۔)

ليلة المولد الذى كان للد

ين سرور بيومه وازدهاء

(ولادت باسعادت کی رات دین اسلام کے لیے باعث مسرت اور فصل بہاراں ثابت ہوئی یہ سب صرف آپ ﷺ کی آمد کے سبب تھا۔)

مولد كان منه فى طالع الكفر

وبال عليهم ووباء

(دنیائے کفر میں ظہور قدسی انجام پذیر ہوئی، کفار کے لیے وبال (جان) اور باعث عذاب تھی۔)

مشہور جدید مصری شاعر احمد شوقی نے کئی نعتیہ قصائد منظوم کر کے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ تمام قصائد ''الشوقیات'' میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ شوقی کے اندر حب رسول کا ایک تلاطم تھا، شوقی اپنے فکر اور اسلوب بیان کی بنیاد پر نعت گو شعراء میں ایک بلند مقام پر فائز ہے۔ ایرانیہ اسکالر محترمہ نسرین نزاری تلوکی نے اپنے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ: ''مكانة الفكر الديني في شعر شوقي'' میں شوقی کی مذہبیات اور عشق رسول کا قابل قدر انداز میں جائزہ لیا ہے۔ شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے محترمہ کو اس مقالے پر ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی ہے۔ یہ مقالہ ابوسفیان اصلاحی کی زیرنگرانی ترتیب دیا گیا۔ خود راقم الحروف نے شوقی کی نعتیہ شاعری پر ایک مقالہ مجلّہ نعت رنگ میں سپرد قرطاس کیا ہے۔[۱۴]
یہاں تین اشعار نقل کیے جا رہے ہیں:

وكان بيانه للهدى سبلاً
وكانت خيله للحق غابا

(آپ ﷺ کے بیانات میں رشد و ہدایت کی متعدد شکلیں تھیں
اور آپ ﷺ کے خیالات حق کے لیے نیزہ تھے۔)

بنيت لهم من الأخلاق ركنا
فخانوا الركن فانهدم إضطرابا

(آپ ﷺ نے ستونِ اخلاق کی عمارت تعمیر کی، پس دھیرے
دھیرے امت مسلمہ اس ستون کو کم کرتی گئی جس کی وجہ سے یہ
اچانک زمین پر آ گیا۔)

ولو حفظوا سبيلك كان نوراً
وكان من النحوس سحابا

(کاش کہ وہ آپ ﷺ کے طریقہ کار کے محافظ بنتے جو روشنی اور
ادبار نحوست سے تحفظ کے لیے ابر رحمت ہے)

وما للمسلمين سواك حصن
إذا ما الضر مسهم ونابا

(جب امت مسلمہ مسائل ومصائب میں گھر جائے تو آپ ﷺ کے علاوہ اس کے لیے کوئی اور جائے پناہ نہیں)

ابراہیم عزت کے چند اشعار پر یہ سلسلہ ختم کیا جارہا ہے:

صلوا عليه على من دعا الله محتسبا
ومن لساحته يهفوا المحبونا

(اس ذات اشرف پر درود سلام بھیجو جو خداوند قدوس کو اپنا محتسب سمجھ کر پکارتا ہے۔ اور یہ وہی شخص ہے جس کے دربار میں عشاق پر پھڑ پھڑاتے ہوئے حاضری دینے کے خواہش مند ہیں۔)

يا سيد الخلق فامسح غلة ظمئت
والحب من كاسكم يروى ويرضينا

(اے سردار انسانیت! میری شدید پیاس کو بجھادے یقیناً کاسہ رسول سے محبت ہی مجھے سیراب کرے گی اور کاسۂ جاں کو خوشیوں سے لبریز کردے گی۔)

يا سيد الخلق ان العجز يحرمني
من عذبة القول في الذكرى لراعينا

(اے سید خلق! نعت گوئی میں میٹھے بول بولنے سے میں عاجز ہوں اپنے چاہنے والوں کے لیے۔)

يا منة الله للدنيا ورحمة
للعالمين أتينا كم فزورونا

(اے احسان الٰہی! اس دنیا کے لیے اور اے رحمت ربانی!

سارے جہانوں کے لیے ہم آپ ﷺ کے حضور ہیں پس ہمیں
اپنا دیدار کرادیں)

اس کا ایک باب ''المدائح والخصائص الکبری'' ہے جس میں آپ ﷺ کے محاسن ومحامد کی جلوہ گری کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے عظمت ورفعت کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں کئی قصائد ہیں۔ جن سے حب رسول کے چشمے ابل رہے ہیں۔ ایمان وایقان کی کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور امت مسلمہ کی رسالت سے گہری وابستگی سرخیل کے مانند نظر آرہی ہے۔ یہی عربی نعت گوئی ہے۔ یہی اس کا مزاج اور رنگ وآہنگ ہے۔ اسی عربی نعت گوئی نے دنیا کی بے شمار زبانوں کو آداب نعت سکھائے، اور شمائل النبی کے ساتھ ہم کلامی کے ہنر عطا کیے۔ کیا دیگر زبانوں کے کوشعراء، عربی نعت گوئی کے اس بار احسان کو اتار سکتے ہیں۔ آیئے حسان بن ثابتؓ کے حب رسول سے خود کو سرشار کریں:

مثل الهلال مباركاً ذا رحمة
سمح الخليقة طيب الأعواد

(آپ ﷺ مانند ہلال مبارک ہیں، باعث رحمت ہیں۔ طبعیتاً نرم مزاج ہیں، اور مانند عود مہک رہے ہیں)

والله ربي لانفارق أمره
ما كان عيش يرتجي لمعاد

(بخدا اے میرے پروردگار! ہم آپ ﷺ کے حکم سے خود کو علاحدہ نہیں کرسکتے، میرے پاس کوئی پونجی نہیں ہے جس سے بروز قیامت امید وابستہ کرسکوں۔)

لانبتغي ربا سواه ناصراً
حتي توافي ضحوة الميعاد

(ہم نے آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو اپنا محافظ ومددگار نہیں بنایا،

یہاں تک کہ اچانک وقت معینہ کا لمحہ آ دھمکا۔)

حسان بن ثابتؓ کو شعراء الرسول میں جو اعزاز حاصل تھا وہ دیگر شعراء کو نہیں، مختلف مواقع پر سرور کائنات ﷺ نے اپنے دفاع کے لیے حسان بن ثابتؓ کو حکم کیا، سرور کائنات نے یہ بھی بتایا کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تائید حاصل ہے، دیوان حسان میں ایسی بے شمار نعتیں ہیں جن سے حب رسول کے ریلے اٹھتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آپ کا ایک شعر ایسا ہے جس میں ہندوستانیت بھی جھانکتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

فأمسى سراجاً مستنيرا وهادياً
يلوح كما لاح الصقيل المهند

(وہ ذات اقدس ایک ایسا چراغ بن گئی جس سے روشنی طلب کی جا رہی تھی، وہ ہندوستانی چمکدار تلوار کی طرح چمک رہا تھا۔)

ایک دوسرے قصیدے میں حسان بن ثابت کی محبتیں یوں اپنے وجود پر شاہد ہیں۔

فان أبي ووالده وعرضي
لعرض محمد منكم وقاء

(بیشک میرے باپ دادا اور میری عزت و آبرو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے ہیں، آپ ﷺ ہمارے لیے سامان محافظت ہیں۔)

لساني صارم لا عيب فيه
وبحري لا تكدره الدلاء

(میری زبان مانند تیغ براں ہے جو عیب سے پاک ہے۔ اور میں بحر (بے پایاں) ہوں جسے بیشمار ڈول بھی گدلا کرنے سے قاصر ہیں۔)

عبداللہ بن رواحہ نے آنحضورﷺ کی ذات اقدس کے لیے مندرجہ اسلوب اختیار کیا:

روحی الفداء لمن أخلاقه شهدت
بأنه خير مولود من البشر

(میری ذات اس ہستی پر قربان ہے جس کے اخلاق شہادت
پیش کررہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان سے (بہتر ہے)

عمت فضائله كل العباد كما
عم البرية ضوء الشمس والقمر

(اس کی کرم فرمائیاں تمام بندوں کے مابین عام ہیں، جس طرح
آفتاب وماہتاب کی ضوءفشانیوں سے پوری دنیا فیض یاب ہے۔)

لولم تكن فيه آيات مبينة
كانت بديهته تنبيك بالخبر

(اگر آیات بینات اس کے باب میں نازل نہ ہوئی ہوتیں تو خود
اس کی فراست وذہانت اس کے محاسن کا پتہ دیتی۔)

کعب بن مالک کا بھی شعراء الرسول میں شمار ہے، انھوں نے بھی متعدد قصائد عظمت رسول کی پیش کش میں منظوم کیا ہے:

فينا الرسول شهاب ثم يتبعه
نور مضى له فضل على الشهب

(رسول اللہﷺ ہمارے مابین شہاب (ثاقب) کے مانند ہیں،
روشن کرنیں آپﷺ کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں آپﷺ کو تمام
ستاروں پر فوقیت حاصل ہے۔)

الحق منطقه والعدل سيرته
فمن يجبه اليه ينج من تبب

(آپ ﷺ کی گفتگو برحق ہے اور آپ کی زندگی مبنی بر عدل ہے پس جس نے آپ ﷺ کی طرف بڑھ کر لبیک کہا وہ ہلاکت سے محفوظ ہو گیا۔)

يمضي ويذمرنا عن غير معصية
كأنه البدر لم يطبع على الكذب

(سرور کائنات ﷺ ہمیں انقیاد و اتباع پر اکساتے ہیں، گویا کہ آپ ﷺ ماہ کامل ہیں جس کی فطرت میں کذب بیانی ہے ہی نہیں۔)

بدا لنا فاتبعناه نصدقه
وكذبوه فكنا أسعد العرب

(وہ بدر منیر طلوع ہوا تو ہم نے اس کی اتباع کرتے ہوئے اس کی تصدیق کی اور کفار و مشرکین نے اس کی تکذیب کی، پس ہم عربوں میں خوش بختی کے سزاوار ہوئے۔)

بنی نضیر کی جلاوطنی کا ذکر کرتے ہوئے کعب بن مالک کہتے ہیں:

لقد خزيت بغدرتها الحبور
كذاك الدهر ذو صرف يدور

(یہودی کاہنوں کے سردار بنی نضیر کی بے وفائیوں سے رسوا ہوئے، گردش روزگار کا پانسا اسی طرح پلٹا رہتا ہے۔)

نذير صادق ادى كتاباً
وآيات مبينة تنير

(آپ ﷺ نذیر صادق ہیں، آپ ﷺ نے کتاب واضح آیات بینات پیش کیں)

فقالوا ما اتيت بأمر صدق
وأنت بمنكر مناجدير

(یہودیوں نے کہا کہ آپ ﷺ حقیقی معاملے کے ساتھ نہیں آئے، اسی بنا پر ہماری جانب سے انکار بالکل بجا تھا)

أری اللہ النبی برأی صدق
وکان اللہ یحکم لا یجور

(اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو صدق مقال سے سرفراز کیا اور اللہ کی حکمرانی جور و جفا سے پاک ہے۔)

فأیدہ وسلطہ علیھم
وکان نصیرہ نعم النصیر

(پس اللہ نے آپ ﷺ کی نصرت کی اور آپ ﷺ کا مددگار کس قدر اچھا ہے۔)

مخضرم شاعر قیس بن عبداللہ نابغہ جعدی کی اہمیت کا اعتراف کھلے دل سے کیا گیا۔ آپ دین اسلام کو قبول کرنے کے بعد دربار رسول میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کے لیے دعائیں کیں۔ آپ پہلے شاعر ہیں کہ قصیدہ رائیہ کی صورت میں نعت رسول کو منظوم کیا۔

اتیت رسول اللہ اذا جاء بالھدی
ویتلو کتاباً بالمجرۃ نیرا

(جب آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ ﷺ کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ ایک ایسی کتاب کی تلاوت کر رہے تھے جو کہکشاں کی مانند روشن تھی۔)

اصید بن سلمیٰ نے اسلام لانے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کے تئیں اپنے جذبات کا یوں اظہار کیا:

بعث الذی ما مثلہ فیما مضیٰ
یدعو لرحمتہٖ النبی محمداً

(اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی شخصیت کو مبعوث کیا جس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ اللہ کی رافت ورحمت کے لیے نبی محمد کو وہ آواز دیتا ہے۔)

ضخم الدسیعة کالغزالة وجهه
قرناً تأزر بالمکارم وارتدی

(آپ ﷺ کی ذات مجموعۂ اخلاق ہے، آپ ﷺ کا چہرہ ہرنی کی طرح خوبصورت اور مثالی ہے۔ آپ ﷺ نے خود کو بلند اوصاف کی جامہ میں لپیٹ لیا ہے۔)

فدعا العباد لدینه فتتابعوا
طوعاً و کرها مقبلین علی الهدیٰ

(آپ ﷺ نے عباد اللہ کو دعوتِ دین دیا چنانچہ طوعاً وکرہاً اتباع کے لیے دوڑ پڑے تاکہ راہ ہدایت پر آسکیں۔)

عبداللہ بن عمرہ سلمی فتح مکہ کے بعد آنحضور ﷺ کو یوں یاد کیا:

وکنا له دون الجنود بطانة
یشاورنا فی أمره ونشاوره

(فوج کے علاوہ ہم آپ ﷺ کے اصحاب خاص میں تھے۔ آپ ﷺ ہم سے اپنے معاملہ میں اور ہم بھی ان سے مشورہ کرتے۔)

دعانا فسمانا الشعار مقدماً
وکنا له عوناً علی من ینافره

(آپ ﷺ نے ہمیں آواز دی اور فوج میں ہمیں لفظ خاص ''مقدم'' سے نوازا۔ اور ہم اس وقت اس شخص کے خلاف کھڑے ہو جاتے جو آپ ﷺ سے نفرت کرتا۔)

قبیلہ کنانہ کا ایک شخص اپنی نعت نبی آنحضور ﷺ کے حضور لے کر حاضر ہے:

لك الحمد والحمد ممن شكر

سقينا بوجه النبي المطر

(اے بار الٰہا! تو لائق ستائش ہے اور ستائش ہی تو شکر خداوندی کی علامت ہے، ہمیں نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور سے سیراب کیا گیا۔)

دعا الله خالقه دعوة

إليه وأشخص منه البصر

(آپ ﷺ نے اپنے خالق کو پکارا اور مکمل طور سے اس کی جانب متوجہ ہوئے اور اسی پر ٹکٹکی لگائے ہوئے تھے۔)

به الله يسقي بصوب الغمام

ومن يكفر الله يلق الغير

(خداوند قدوس نے آپ ﷺ کی وجہ سے ہمیں موسلا دھار بادلوں سے سرفراز کیا۔ اور اللہ کے منکرین کی جھولی میں کذب و بطلان کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔)

عمر بن الفارض نے سرور کائنات ﷺ کی تعریف وتوصیف کے لیے یہ طرز اختیار کیا:

أرى كل مدح في النبي مقصرا

وإن بالغ المثني عليه واكثرا

(میں ہر نعت نبی ﷺ کو کوتاہ سمجھتا ہوں، گو کہ شاعر مبالغہ یا اس سے آگے کی حدوں کو پار ہی کیوں نہ کر گیا ہو۔)

إذا الله أثنى بالذي هو أهله

عليه فما مقدراً ما تمدح الورى

(اللہ اس کی جس بھی انداز میں تعریف کرے وہ اسی کا اہل ہے۔ مخلوق اپنی تعریفات کے توسط سے اس پر قادر نہیں ہو سکتی۔)

شیخ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری کی شخصیت دنیائے نعت میں محتاج بیان نہیں [۱۶] بوصیری کے قصیدہ بردہ کے اثرات تمام زبانوں کے شعراء نے قبول کیے، کیوں کہ مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے ہیں۔ یہ نعت نبی ﷺ کا ایسا ممتاز عنوان ہے جس کو اہل علم وادب نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ قصیدہ بردہ اپنی زبان، اپنی لفظیات اور اپنی فکر کی بنیاد پر اساسی کردار کا حامل ہے۔ اس سے حب رسول ﷺ کی شعائیں پھوٹتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ اس تاریخی قصیدے کے چند اشعار یہاں نقل کیے جا رہے ہیں۔

هو الحبيب الذی ترجى شفاعته
لكل هول من الأهوال مقتحم

(ہر قسم کی نازل ہونے والی مصیبت کے وقت اسی شفاعت کی امیدیں بندھی ہوئی ہیں۔)

دعا إلى الله فالمستمسكون به
مستمسكون بحبل غير منفصم

(اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا، پس ہم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا ہے۔ ہم ایک اٹوٹ رسی سے چمٹ گئے ہیں۔)

فاق النبيين فی خلق وفی خلق
ولم يدانوه علی علم ولا كرم

(اپنے چہرے بشرے اور اخلاقیات میں تمام انبیاء سے فائق ہے اور اس کی علم و شرافت میں وہ اس کی ہم سری نہیں کر سکتے۔)

كالزهر فی ترف والبدر فی شرف
والبحر فی كرم الدهر فی همم

(آپ ﷺ شگوفے کے مانند تروتازہ ہیں ماہ کامل کی طرح شرافت میں مکمل ہیں۔ سمندر کی طرح فیاض اور زمانے کی طرح پختہ

ارادوں کے حامل ہیں۔)

كأنما اللؤلؤ المكنون في صدف
من معدني منطق منه ومبتسم

(گویا صدف کے چھپے ہوئے موتی ہیں۔ جس کا تعلق نطق وابتسام سے ہے، یہ گویائیاں اور تبسم ریزیاں آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی سے منتسم ہیں۔)

يا أكرم الرسل مالي من الوذ به
سواك عند حلول الحادث العمم

(اے تمام رسولوں میں سب سے مکرم! حوادث روزگار کی کثرت کے وقت آپ ﷺ کے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے جس کے یہاں جاکر پناہ لوں۔)

ولن يضيق رسول الله جاهك بي
إذا الكريم تجلى باسم منتقم

(جس روز اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ انتقام کے ساتھ (بروز حشر) نمودار ہوگا اس دن آپ ﷺ کی شان شفاعت میرے لیے تنگ دامنی کا ثبوت نہ دے گی۔)

يا نفس لاتقنطي من زلة عظمت
إن الكبائر في الغفران كاللمم

(اے نفس! تو (اپنے) بڑے بڑے گناہوں کے باب میں ناامید نہ ہو، کیوں کہ گناہ کبیرہ بھی گناہ صغیرہ کی طرح معاف ہوجائیں گے۔)

لعل رحمة ربي حين يقسمها
تاتي على حسب العصيان في القسم

(امید ہے کہ میرا رب (بروز حشر) جب اپنی رحمتوں کو عام کرے گا تو (گنہگاروں کو) بھی ان کی نافرمانی کے باوجود حصہ دے گا۔)

یا رب واجعل رجائی غیر منعکس
لدیك واجعل حسابی غیر منخزم

(اے پروردگار! تو اپنے دربار میں میری امید کو میرے برعکس بنادے اور میرے حساب کتاب کو رسوائیوں سے پاک کردے۔)

سید علی رضوی نے آنحضورﷺ کا یوں خاکہ پیش کیا ہے:

فأنت رسول الله اعظم کائن
وأنت لکل الخلق بالحق مرسل

(اے اللہ کے رسولﷺ آپ کائنات کے سب سے عظیم انسان ہیں اور آپﷺ تمام مخلوق کے رسول برحق ہیں۔)

علیك مدار الخلق إذ أنت قطبه
وأنت منار الحق تعلو وتعدل

(تمام مخلوق کا انحصار آپﷺ پر ہے، کیوں کہ آپﷺ مخلوق کے قطب ہیں۔ آپ بلند اور مبنی برعدل منارہ حق ہیں۔)

فوادك بیت الله دار علومه
وباب علیه منه للحق یدخل

(آپﷺ کا دل بیت اللہ کا دارالعلوم ہے اور اسی کے ذریعہ راہ حق تک رسائی ممکن ہے۔)

ینابیع علم الله منه تفجرت
ففی کل حی منه لله منهل

(آپ ﷺ کے دل سے معرفت خداوندی کے چشمے ابل رہے ہیں، پس ہر شخص چشمہ خداوندی تک آپ ﷺ کے توسط سے پہنچ سکتا ہے۔)

جدید شاعری میں حافظ ابراہیم کا ایک نمایاں مقام ہے۔ جدید مصری شعراء میں انھیں قدرومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جدید شاعری میں ایک نئی فرہنگ اور نئی لفظیات کو رواج دینے میں حافظ ابراہیم کا حصہ رہا ہے۔ جدید ہجری سال ۱۳۲۷ھ کا آغاز ہوا تو آپ نے آپ ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا۔

وهـاجر فيه خير داع إلى الـهدىٰ
يـحــف بـه من قوة الله عسكر

(اور ہدایت کی طرف دعوت دینے والے سب سے بہتر داعی نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت اختیار کی، اور اللہ کی مرضی سے ایک جم غفیر آپ ﷺ کے اردگرد طواف کر رہا تھا۔)

يـمـاشيـه جبريل وتسعى وراء ه
مـلائـكة تـرعـى خـطـاه وتخفر

(حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ان کے پیچھے فرشتے رواں دواں تھے۔ وہ آپ ﷺ کے قدم بہ قدم کی نگرانی کر رہے تھے اور حفاظت پر مامور تھے۔)

بيسـراه بـرهـان من الله سـاطع
هـدىً وبيـمـناه الكتاب المطـهر

(آپ ﷺ کے بائیں طرف اللہ کی جانب سے ایک واضح اور روشن دلیل تھی اور دائیں سمت میں کتاب مقدس تھی۔)

فـكـان عـلـى أبواب مكـه ركـبهٗ
وفــي يثـرب انــواره تتـفـجـر

(پس مکہ مکرمہ کے دروازوں پر آپ ﷺ کے گھوڑے اور اونٹ تھے اور مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے انوار کی شعائیں بہہ رہی تھیں۔)

ابتداء میں احمد شوقی کا ذکر آچکا ہے۔ شوقیات کے تناظر میں قدرے اس کے مقام ومرتبہ پر روشنی بھی ڈالی گئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شوقی کو عالمی حیثیت حاصل ہوئی، اپنے معاصرین شعراء میں اسے کہیں زیادہ محبوبیت ومقبولیت ملی۔ اپنے معروف قصیدہ "الهمزية النبوية" [۱۸] میں یوں شان رسول میں نعت سرا ہے:

زانتك فی الخلق العظيم شمائل
يغرى بهن ويولع الكرماء

(آپ ﷺ میں موجودہ اوصاف نے آپ ﷺ کی تزئین کی، یہی اخلاق عالیہ تحریک وتشویق کا باعث ہیں اور شرفاء کے اندر جذبۂ اشتیاق پیدا کرتی ہیں۔)

وإذا سخوت بلغت بالجود المدیٰ
وفعلت مالا تفعل الأنواء

(اور جب آپ ﷺ سخاوت پر آئے تو سخاوت کی آخری حد کو پہنچے، اور حقیقت تو یہ ہے آپ ﷺ نے وہ کچھ کر دکھایا جو بارشیں بھی دکھانے سے قاصر ہیں۔)

وإذا خطبت فللمنابر هزة
تعرو الندی وللقلوب بكاء

(اور جب آپ ﷺ خطبہ دیتے تو منبر ومحراب پر ارتعاش طاری ہو جاتا۔ اور مجلس پر لرزاں چھا جاتا اور دلوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔)

سعدی عبید حمزہ حسناری نے اپنے عشق رسول کو یوں باندھا ہے:

بـمـدح رسـولٍ أنشدوا وأنثّـر
مـن الـدر شعراً بالمحاسن يعطر
(انھوں نے خوب صورت ترنم کے ساتھ مدح رسول پیش کی اور اشعار کو موتیوں کی طرح پرویا، انہی محاسن رسول ﷺ کے سبب یہ اشعار معطر ہیں۔)

نبی سمـا بـالـمكرمات وإنـه
إلـى الـبـر نبراس وعـنـه معبر
(مجد و شرافت کا حوالہ نبی کریم ﷺ ہیں اور وہ نیکیوں کا چراغ ہیں اور وہی تعبیر و تشریح بھی ہیں۔)

رحيـم، رحيـب الـصـدر، فاض سماحة
وقـلـب رقيق بـالـفـضيلة يعـمر
(آپ ﷺ رحم فرما کشادہ دل عفو و درگزر کے فیضان اور درد مند دل کے حامل ہیں، جس کی لیب فضل و کرم سے کی گئی ہے۔)

طـلـعـت عـلينا هادياً لصلاحنا
وإنك مبـعـوث وأنـت مـؤزر
(آپ ﷺ ہم پر ہماری اصلاح کے لیے کتاب ہدایت بن کر طلوع ہوئے، اور آپ ﷺ انتہائی مستحکم فرستادہ ہیں۔)

وأنـت مـنـار كـلـنـابك نهتدى
ونتـرك فيك الـلائـمين ونـهـجر
(اور آپ ﷺ منار (ہدایت) ہیں، ہم سب آپ ﷺ سے ہدایت یابی کے طالب ہیں، اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو ہم نے ترک کر دیا اور ان سے دوری اختیار کر لی۔)

عبداللہ الحاج ذیاب عکیدی نے یوں مدح رسول کا آغاز کیا:

رسول الله يا نوراً تجلى
وبدراً ضاء في جوف الظلام

(اے رسول خدا! تو نور بن کر روشن ہوا اور بدر کامل بن کر ظلمت کدے میں روشن ہوا۔)

رسول الله فيك الشعر يحلو
وفيك القلب يشفي من سقام

(اے رسول خدا! تمہارے باب میں منظوم اشعار کتنے لذیذ (کتنے رغیب اور کتنے حبیب) ہیں اور تمہارے اشتغال سے دل بیماریوں سے نجات پاتے ہیں۔)

وهذبت النفوس بكل حرص
فأعطيت الدروس على الدوام

(اور اے رسول خدا! تو نے انسان کو حرص و آز سے نکال کر مہذب بنایا، گویا آپ ﷺ نے (انسانیت کو) دائمی تعلیمات دیں۔)

وقلبي في هواكم طار شوقا
فكنتم رمز جي والهيام

(اور میرا دل آپ ﷺ کی محبت میں پھڑپھڑ تارہا ہے۔ یقیناً آپ ﷺ ہی میرے اشتیاق اور میری پیاس کا حقیقی راز ہیں۔)

اب اس کے بعد ''الاعتذار إلى اسد الأبرار'' کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے عبداللہ بن زبعری کا معذرت نامہ دیکھیے:

إني لمعتذر إليك من التي
أسديتُ إذ أنافي الضلال أهيم

(میں آپ ﷺ کے حضور نامہ اعتذار لے کر کھڑا ہوں کہ میں

پس پردہ تھا اور ضلالت و گمرہی کے اندھیروں میں بند تھا۔)

وأمد أسباب الردیٰ ویقودني
أمر الغواة وأمرهم مشئوم

(اور میں ہلاکت کے دلدل میں پھنسا ہوا ہوں، گمراہ زدوں کی مجھ پر حکومت ہے اور اس کی حکومت وقیادت کا پڑاؤ نحوست وادبار پر ہے۔)

فالیوم آمن بالنبي محمد
قلبي ومخطئ هذه محروم

(آج نبی محمد ﷺ پر ایمان لاتا ہوں، میرا دل خطا کار اور حرماں نصیبی کا شکار ہے۔)

مضت العداوة وانقضت أسبابها
وأتت أواصر بیننا وحلوم

(ایام عداوت لد گئے اور اس کے تانے بانے دم توڑ گئے اور اب ہمارے درمیان محبتیں اور صبر وسکون پنپ رہے ہیں۔)

وعلیك من سمة الملیك علامة
نور أغر وخاتم مختوم

(خداوند قدوس کی جانب سے آپ ﷺ کو علامت خاصہ سے نوازا گیا، آپ نور پر کشش اور خاتم مختوم بھی۔)

دنیائے نعت کے دو قصیدے ہمیشہ زریں حروف سے لکھے جاتے رہیں گے اور حب رسول کی دساتین حرز جاں بنائی جاتی رہیں گی، بوصیری کا قصیدہ بردہ اور کعب بن زہیر کا بانت سعاد ۱۹ ہمیشہ یوں ہی دربار رسالت کی عظمتوں کی یاد دلاتے رہیں گے۔ ان قصائد میں جہاں عقیدت مندیاں ہیں وہیں فکر وفن اور فصاحت وبلاغت کی معرکہ آرائیاں بھی۔ دونوں قصائد نے اردو نعت گو شعراء کے اذہان وقلوب کو متاثر کیا ہے۔ انھیں زاویے اور جہتیں عطا کی ہیں۔ یہاں ''بانت سعاد'' کے کچھ اشعار نقل

کیے جا رہے ہیں تا کہ ایمان افروز ہوائیں ہمارے زنگ آلود ایمان کو گرما سکیں۔

نبئت أن رسول الله أو عدني
والعفو عند رسول الله مأمول

(ہمیں خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے باب میں
(مار ڈالنے کی) دھمکی دی ہے اور جب کہ اور دربار رسالت سے
عفو و درگزر ہی کی امیدیں وابستہ ہیں۔)

فقد أتيت رسول الله معتذراً
والعذر عند رسول الله مقبول

(میں رسول اللہ کے پاس معذرت کے ساتھ حاضر ہوا، دربار
رسالت میں معذرت خواہی مقبول ہے۔)

مهلاً هداك الذى أعطاك نافلة
القرآن فيها مواعيظ وتفضيل

(ذرا سنیے، اس اللہ نے آپ ﷺ کو ہدایت بخشی، نیز عطیہ قرآن
عطا کیا جو مجموعۂ نصائح ہے اور دیگر احکام کی تفصیل بھی۔)

ان الرسول لنور يستضاء به
مهند من سيوف الله مسلول

(رسول اکرم ﷺ یقیناً ایک (مثالی) نور ہیں جس سے اکتسابِ
نور کیا جاتا ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے آپ سونتی ہوئی ہندی
تلوار ہیں۔)

وقال كل صديق كنت آملهٔ
لا ألهينك إنى عنك مشغول

(اور ہر ایک دست جس سے ہماری امیدیں وابستہ تھیں وہ مجھے
آپ ﷺ سے غافل نہیں کر سکتے میں تو یقیناً آپ ﷺ کی ذات

اقدس میں ڈوبا ہوا ہوں۔)

فقلت خلوا سبیلی لا أبالکم
فکل ما قدر الرحمن مفعول

(میں نے کہا دوستو! میرے راستے سے ہٹ جاؤ، مجھے تم لوگوں کی پرواہ نہیں، رحمٰن ورحیم کی طرف سے جو نوشتہ ہے وہ ہو کر رہے گا۔)

"رثاء الرسول" کے حوالے سے بھی کئی قصائد اس میں شامل ہیں، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی وفات گوہ گراں تھی جو امت مسلمہ پر بجلی بن کر گری، ایسا سخت ترین اور اندوہ ناک وقت مسلمانوں پر کبھی نہ آیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ یہاں تک کہہ گئے کہ اگر کوئی آپ ﷺ کی وفات کا ذکر زبان پر لائے گا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ لیکن قرآن کریم نے آپ کی اس برانگیختگی کو فرو کر دیا۔ رثاء الرسول میں انہی جذبات اور انہی آلام واحزان کو سمیٹا گیا ہے۔ آج تک مختلف زبانوں میں مختلف شعراء نے اسی رنج ودرد کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ ان قصائد کو پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ آنکھیں برسنے لگتی ہیں۔ اور دل میں الاؤ جلنے لگتا ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان تہہ خاک ہوا۔ اگر غالب کو اس بڑے انسان کا خیال ہوتا تو گنجینہائے گراں مایہ پر آنسو نہ بہاتا یا پرستار غالب رشید احمد صدیقی "گنجہائے گران مایہ" کی زحمت نہ اٹھاتے۔ آیئے دیکھیے "رثاء الرسول" میں کیا کیا سوزشیں ہیں۔ کس کس طرح سے تجلیات رسول کو سمیٹا گیا ہے اور کن کن کلمات سے شمائل النبی کی ادائیگی کی گئی ہے:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے جذبات کو یوں جامۂ الفاظ پہنایا ہے:

لما رأیت نبینا متجندلاً
ضاقت علی بعرضهن الدور

(جب میں نے اپنے نبی (کے جسد خاکی) کو پڑا ہوا دیکھا تو

ستاروں کے درمیان چاند کا ہالہ بھی مجھ پر گراں گزرنے لگا۔)

فارتاع قلبی عند ذاك لهلكه

والعظم منی ما حییت کسیر

(میرا دل آپ ﷺ کی ہلاکت کے وقت تھرتھرا رہا تھا اور میں جب تک زندہ رہوں گا یہ میری ہڈیاں یوں ہی چور چور رہیں گی۔)

أعتیق ویحك إن حبك قد ثوی

فالصبر عنك ما نعیت یسیر

(اے عتیق! یہ کس قدر بربادی ہے کہ تمہارا محبوب آسودہ خاک ہوا، جب سے آپ ﷺ کے جانے کی خبر ملی ہے پس آپ ﷺ کے باب میں صبر کرنا آسان ہے؟)

یالیتنی من قبل یهلك صاحبی

غیبت فی جدث علی صخور

(اے کاش! میں اپنے دوست کے چل چلاؤ سے قبل قبر کے سپرد کردیا جاتا اور مجھ پر چٹانیں ڈال دی جاتیں۔)

حضرت علیؓ نے اپنے رنج والم کو یوں پیش کیا ہے:

أمن بعد تكفین النبی ودفنه

بأثوابه آسیٰ علی هالك ثویٰ

(آنحضور ﷺ کی تجہیز انہی کپڑوں میں تکفین کے بعد کیا میں زیر زمین آسودہ شخص پر رنجور نہیں ہوں۔)

رزئنا رسول الله فینا فلن نری

بذاك عدیلا ما حیینا من الردی

(ہم اپنے رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے سے غم زدہ ہیں۔

سرزمین پر موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کا ہمسر نہیں ہے۔)

وکان لنا کالحصن من دون أهله

له معقل حرز حریز من العدیٰ

(آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ساتھ ہمارے لیے بھی قلعہ تھے، اور آپ ﷺ دشمنوں سے بچاؤ کے لیے پناہ گاہ تھے۔)

وکنا بمرآة نری النور و الهدی

صباح مساء راح فینا أو اغتدی

(آپ ﷺ کے حسین منظر سے صبح وشام ہم نے شعاعوں اور ہدایت کا مشاہدہ کیا، ہر شام وصبح آپ ﷺ کی ضیاء پاشیوں کا یہی حال ہوتا۔)

لقد غشیتنا ظلمة بعد موته

نهاراً فقد زادت علی ظلمة الدجیٰ

(آپ ﷺ کی وفات کے بعد دن میں ظلمتیں ہم سے چمٹ گئیں بلکہ یہ تاریکیاں مزید گھنگھور وتاریکیوں کا سبب بن گئیں۔)

وضاق فضاء الأرض عنهم یرحبه

لفقد رسول الله إذ قیل قد مضی

(جب رسول اللہ ﷺ کے جانے کی خبر دی گئی تو صحابہ کرامؓ پر یہ سطح زمین تنگ ہوگئی، جس نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔)

وفی کل وقت للصلوٰۃ یهیجه

بلال ویدعو باسمه کلما دعا

(اور ہر نماز کے وقت بلال اسے (حضرت علی) بے چین
کر دیتے ہیں اور جب جب آپ ﷺ کا نام لے کر وہ پکارتے
ہیں تو جسم میں اضطراب اٹھنے لگتا ہے۔)

ویطلب أقوام مواریث هالك
وفينا مواريث النبوة والهدىٰ

(قومیں فوت ہونے کے بعد ترکے کی طالب ہوتی ہیں اور ہم
میں نبوت اور ہدایت کے ترکے ہیں۔)

ابوسفیان بن حارث نے آنحضور ﷺ کی وفات پر بے پناہ گریہ وزاری کیا،
اپنی اندرونی جراحت اور باطنی اضطراب کو یوں منظوم کیا ہے:

أرقتُ فبات ليلي لا يزول
وليل أخي المصيبة فيه طول

(میں اشکبار تھا اور میری رات ڈھلنے کا نام نہ لے رہی تھی اور اس
دن (یوم وفات نبی ﷺ) برادر مصیبت کی رات انتہائی طویل
تھی۔)

لقد عظمت مصيبتنا وجلت
عشية قيل قد قبض الرسول

(یقیناً ہماری مصیبت عظیم ہے اور وہ شام بھی نہایت گراں تھی
جب اعلان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کر لی گئی ہے۔)

وذاك أحق ما سالت عليه
نفوس الناس أو كادت تسيل

(لوگوں نے جس قدر بھی آپ ﷺ پر آنسو بہائے ہیں وہ بالکل
برحق ہے یہ آہ وبکا اتنا شدید ہے کہ گویا اصحاب گریہ کو بہا لے
جائے گا۔)

ویهـدینـا فلا تـخشی ضـلالاً
عـلـیـنـا والـرسـول لـنـا دلـیـل

(اور آپ ﷺ ہمارے ہادی ہیں جس کی وجہ سے ہمیں اپنی گمرہی کا کوئی خوف نہیں، رسول خدا ﷺ ہمارے گائڈ ہیں۔)

أفـاطـم ان جـزعـت فذاك عذر
وإن لـم تـجـزعـی ذاك الـسبیل

(اے فاطمہ! اگر تو نے جزع وفزع کیا تو بجا ہے اور اگر تم صبر سے کام لیتیں تو وہ بھی ایک طریقہ ہے۔)

فـقـبـر أبیك سیـد کـل قبـر
وفیـه سیـد الـنـاس الـرسـول

(پس تمہاری ابو کی قبر در حقیقت شہر خموشاں کی سردار ہے، کیوں کہ اس میں سید الناس رسول اللہ ﷺ آسودہ ہیں۔)

حسان بن ثابت انصاری کا آنحضو ﷺ سے خصوصی تعلق تھا اگر یہ کہا جائے کہ وہ آپ ﷺ کے ادبی سکریٹری تھے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ کیوں کہ دشمنان اسلام کی معرکہ آرائیوں کا جواب یہی دیتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وفات رسول ﷺ کا ان پر خاصا اثر رہا۔ یہی اثر ان کے مراثی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

فبیـنـاهـم فی ذلك الـنـور إذ غـدا
إلی نورهم سهم من الموت مقصد

(آپ ﷺ کا نور عامۃ الناس میں جگمگا رہا تھا اچانک موت کا تیر ان کے نور میں جا گھسا۔)

فـأصبح مـحمود إلی الله راجعاً
یبـکیـه حق المرسلات ویحمداً

(پس محمود و محبوب اللہ کی طرف جا رہے ہیں، رسالت کی سچائیوں

نے اس پر گریہ طاری کر دیا اور وہ اس کی نعت سرائی کرتا ہے۔)

وأمست بلاد الحرم وحشا بقاعها
لغيبة ما كانت من الوحي تعهد

(وحی محمدی کے رک جانے سے ازواج مطہرات کے شہروں میں وحشت کا ڈیرا ہے۔)

ومسجده فالموحشات لفقده
خلاء له فيه مقام ومعقد

(اور آپ ﷺ کے چلے جانے کی وجہ سے مسجد میں آپ ﷺ کی جگہ خالی ہے، اب وہاں سکوت وصموت کا قیام وقعود ہے۔)

وبالجمرة الكبرى له ثم او حشت
ديار وعرصات وربع ومولد

(اور آپ ﷺ کا جمرہ کبری (سب سے بڑے شیطان کو کنکری مارنا) پر رمی جمار کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا، آج (آپ کے جانے کی وجہ سے) علاقوں، گھروں، محلوں اور آپ ﷺ کی جائے پیدائش پر وحشت برس رہی ہے۔)

فبكي رسول الله يا عين عبرة
ولا أعرفنك الدهر، دمعك يجمد

(اے آنکھ! رسول اللہ ﷺ پر آنسو بہاؤ، اور میں نے تمہیں زمانے کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیا کہ تمہاری آنسو کبھی خشک ہونے والے نہیں ہیں۔)

ومالك لاتبكين ذالنعمة التى
على الناس منها سابغ يتغمد

(اے آنکھ! تو لوگوں کے محسن پر آنسو کیوں نہیں گراتی ہو، آپ کی

کرم فرمائیوں سے آپ ﷺ کی بخشش (معاشرے) پر چھائی ہوئی تھی۔)

فجودي عليه بالدموع وأعولي
لفقد الذي لامثله الدهر يوجد

(آپ ﷺ پر آنسوؤں کی بھرمار کر دو اور چیخ چیخ کر رو ؤ اس عظیم ہستی کے چلے جانے پر جس کی مثال زمانے میں مفقود ہے۔)

وما فقد الماضون مثل محمد
ولا مثله حتى القيامة يفقد

(گزشتہ زمانے میں محمد ﷺ جیسی چیز نہیں کھوئی گئی اور نہ ہی تا قیامت کسی ایسی چیز کا مفقود ہونا ممکن ہے۔)

مع المصطفى أرجو بذاك جواره
وفي نيل ذاك اليوم أسعى وأجهد

(میں بھی اپنے مصطفیٰ کی جوار میں جانے کا خواست گار ہوں اور اس دن کی دستیابی کے لیے مستقل کوشاں ہوں۔)

سواد بن قارب کی جب آنحضور ﷺ کی وفات کی خبر ملی تو ان پر کیا گزری اسے دیکھیے:

جلت مصيبتك الغداة ، سواد
وأرى المصيبة بعدها تزداد

(اے سواد! صبح سویرے تم پر مصیبتوں کا پہاڑ گر پڑا، اور اس کے بعد تو مجھے سیل مصائب بڑھتا ہی نظر آرہا ہے۔)

أبقى لنا فقد النبي محمد
صلى الاله عليه ما يعتاد

(فقدانِ محمد ﷺ کے بعد ہمارے حصے میں بدستور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ہی باقی رہا۔)

حزناً لعمرك فی الفؤاد مخامراً
وهل لمن فقد النبی فؤاد
(سچ کہہ رہا ہوں کہ دل میں غم بسا ہوا ہے۔ کیا نبی کریم ﷺ کے
کھونے والے کے پاس دل ہے؟)

کنا نحل به جنابا ممرعاً
جف الجناب فأجدب الروّاد
(ہم آپ ﷺ کی سرسبز و شاداب بارگاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے
آج یہ بارگاہ خشک پڑی ہے جس کی وجہ سے قاصدین تشنہ لب
ہیں۔)

فبکت علیه أرضنا وسماؤنا
وتصدعت وجداً به الأکباد
(آج ہمارے ارض و سما اس پر اشکبار ہیں، اور اس کی وجہ سے
دلخراش غم لاحق ہوا۔)

یہ ہے صحابہ کرامؓ کی صورت حال کہ وفات نبی کریم ﷺ نے انھیں پاگل بنا دیا تھا۔ یہ حادثہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا کیوں کہ آنحضور ﷺ ان کی زندگی، ان کی روشنی، ان کی فکر امروز اور فکر فردا دونوں تھے۔ ان کی رضا و رغبت اور جلوت و خلوت کا دار و مدار تھے، اگر ایسا محبوب مفقود ہو جائے تو انسان کی زندگی بے کیف ہو جائے اور بے کیفی اسے آغوش ظلمت کے سپرد کر دے۔ اسی چیز نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے سے روک دیا تھا[۱۲] اور شہر یثرب ان کے لیے شہر آشوب بن گیا تھا۔

یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
(اے اکرم الناس! تمھاری ہڈیاں گوشہ (حجرہ) میں مدفون
ہیں۔ انہی کے حسن و جمال سے یہ گوشہ اور جسم اطہر کا لباس بھی

حسین وجمیل ہوگیا ہے۔)

نفسی الفداء بقبر أنت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

(میں قربان ہوں اس قبر پر جس میں آپ ﷺ سکونت پذیر ہیں،
اس میں (امراض امت کا) علاج بخشش اور کرم فرمائی ہے۔)

اس مجموعے کا ایک عنوان "دعوۃ الکئیب" ہے جس میں شعراء نے اپنی بے بسی اور لاچاری کا اظہار کیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کے حضور دست بدعا ہوکر اپنے مسائل کا حل چاہتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ اگر آپ ﷺ کے طفیل اللہ سے کچھ مانگا جائے تو وہ مل سکتا ہے۔ یہی حب رسول درد کا درماں ہے یہی اتباع رسول شدائد وشناعت کا سدباب ہے اور جاں نثارانِ رسول ﷺ کے لیے طمانیت قلب۔ آیئے دیکھیے زہیر بن صُرد جشمی کس طرح جناب رسول خدا ﷺ میں درخواست گزار ہیں:

أمنن علینا رسول اللہ فی الکرم
فإنک المرء نرجوہ وندخر

(اے رسول خدا! ہم پر کرم فرمایئے، کیوں کہ آپ ﷺ ہی ایک
ایسے انسان ہیں جن سے امید کی جاتی ہے اور آپ ﷺ کے ہی
سامنے دنیا وآخرت کی حاجات پیش کی جاتی ہیں۔)

أمنن علی بیضۃ قد عاقھا قدر
مشتت شملھا فی دھرھا غیر

(اے رسول خدا! اس شہر پر کرم فرمایئے جسے مقدر نے پیچ دیا ہے
اور آج اس کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔)

ان لم تدارکھم نعماء تنشرھا
یا أرجح الناس حلما حین یختبر

(اے ارحم الناس! اگر آپ ﷺ نے ساکنانِ شہر کا خیال نہ رکھا تو اس کی نعمتیں تتر بتر ہو جائیں گی۔ آپ ﷺ آزمائش کے وقت کھرے اترے۔)

أمنن على نسوة قد كنت ترضعها
وإذ فوك تملوه من مخضتها الدرر

(اے خدا! ان پر پر رحم فرمائیں جن کا آپ ﷺ دودھ پیا کرتے تھے اور وہ آپ ﷺ کے دہن مبارک کو اپنے زیادہ دودھ سے بھر دیتی تھیں۔)

امام اعظم ابوحنیفہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، آپ نے اپنی فقہی بصیرت سے فقہ لٹریچر میں غیر معمولی اضافہ کیا۔ اس فقہی بصیرت اور استخراجی مواہب کا معروف محقق محمد ابوزہرہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''ابوحنيفة حياته وعصره وآرائه'' ۲۲ میں تحلیل و تجزیہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معرکہ آراء کتاب ''سيرة النعمان'' ۲۳ میں امام اعظم کے احوال و کوائف کے ساتھ آپ کی فقہی خدمات اور اس کے اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ امام اعظم نے اپنی قیمتی تصنیف ''كتاب الأم'' ۲۴ کے ذریعہ علم فقہ کو آگے بڑھایا۔ بالعموم امام اعظم کو ایک فقیہ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جب کہ دنیائے شعر و ادب میں بھی آپ کا ایک بلند مقام ہے۔ اللہ نے آپ کو غیر معمولی شاعرانہ کمال سے نوازا تھا۔ مرتب نے آپ کا ایک قصیدہ ''النعمانية'' اس مجموعہ میں شامل کیا ہے۔ جسے 'الخيرات الحسان'' سے لیا گیا ہے:

يا سيد السادات جئتك قاصداً
أرجو رضاك وأحتمي بحماك

(اے سید السادات! میں ایک مقصد لے کر آپ ﷺ کے حضور حاضر ہوں۔ میں آپ ﷺ کی رضا کا طالب ہوں۔ اور آپ ﷺ

کی زیرِ نگرانی رہنے کا خواست گار ہوں۔)

والله یا خیر الخلائق إن لی
قلبا مشوقاً لا یروم سواك

(یا خیر الخلائق! بخدا میں ایک وارفتہ دل کا مالک ہوں جس کا پڑاؤ آپ ﷺ کے سوا کوئی اور نہیں۔)

وبحق جاهك اننی بك مغرم
والله یعلم أننی أهواك

(آپ ﷺ کے حقیقی جاہ وجلال کی وجہ سے میں آپ ﷺ کا شیدائی بن گیا ہوں، اور اللہ بخوبی جانتا ہے کہ میں آپ ﷺ کا تمنائی ہوں۔)

أنت الذی لولاك ماخلق إمرء
كلا ولا خلق الوریٰ لولاك

(اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو ایک ذی روح بھی سطحِ زمین پر نہ ہوتا اور یہ مخلوق بھی آپ ﷺ کے بغیر وجود میں نہ آتی۔)

أنت الذی من نورك البدر أكتسی
والشمس مشرقة بنور بهاك

(آپ ﷺ ہی کی وہ ذات گرامی کہ جس کے نور میں بدر کامل ڈھل گیا۔ اور سورج بھی آپ ﷺ ہی کے نور سے روشن ہے۔)

یا مالكی كن شافعی فی فاقتی
إنی فقیر فی الوریٰ لغناك

(اے میرے مالک! تو میری فاقہ زدگی اور محتاجی میں میری دست گیری فرما، میں مخلوق میں ضرورت مند ہوں اور آپ ﷺ کے استغناء کا خواہش مند ہوں)

أنا طامع بالجود منك ولم يكن
لأبي حنيفة في الأنام سواكا

(میں آپ ﷺ کی جود وسخا کا شیدائی ہوں، آپ ﷺ کے علاوہ
مخلوق میں ابوحنیفہ کا کون ہے؟)

فاجعل قراك شفاعة لي في غد
فعسى أرى في الحشر تحت لواكا

(کل (میدان حشر) میں آپ اپنی ضیافت کو میری شفاعت میں
تبدیل کر دیں، مجھے امید ہے کہ میدان حشر میں میں آپ ﷺ
کے جھنڈا تلے ہوں گا۔)

عبدالرحمٰن بن خلدون کو ایک مؤرخ اور ماہر عمرانیات کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ تاریخ کیسے لکھی جائے مؤرخ کے اصول وضوابط کیا ہوں اور تاریخی واقعات کا تجزیہ کس طرح کیا جائے ان تمام موضوعات پر ابن خلدون نے بڑا استدلالی انداز اختیار کیا ہے۔ اسی طرح تہذیب وتمدن کا ارتقاء کیسے ہوا اور اسلامی تہذیب وثقافت کا دنیا پر کیا اثر رہا، اسلامی خلافت کا کیا مفہوم ہے اور خلیفہ کے اندر کن کن صلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے؟ ان تمام پہلوؤں کا ابن خلدون نے بڑے سلیقے سے جائزہ لیا ہے۔ لیکن اس مؤرخ اور ماہر عمرانیات کے متعلق بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ابن خلدون ایک ادیب اور شاعر بھی تھا۔ یہاں ان کے چند اشعار حاضر ہیں:

هب لي شفاعتك التي أرجو بها
صفحاً جميلاً عن قبيح ذنوبي

(مجھے آپ ﷺ اپنی شفاعت سے سرفراز کریں جس کے لیے
میں پر امید ہوں اور میرے گناہوں کو مٹا کر مجھے ایک سندر سادہ
پنّا جیسا بنا دیں۔)

إني دعوتك واثقاً بإجابتي
يا خير مدعو وخير مجيب

(میں نے آپ ﷺ کو اس اعتماد کے ساتھ آواز دی ہے کہ میری ضرور سنی جائے، آپ ﷺ سب سے بہتر پکارنے والے ہیں اور سب سے عمدہ جواب دینے والے ہیں۔)

قصرت فی مدحی فان یك طیبا
فبما لذکرك من أریج الطیب

(میں آپ ﷺ کی مدح سرائی میں کوتاہ ہوں، پھر بھی اگر وہ خوبصورت ہے تو وہ کمال صرف آپ ﷺ کے ذکر (جمیل) کا ہے جس سے بڑی پیاری خوشبو اٹھتی ہے۔)

شیخ عبداللہ شیراوی رفاعی نے جب مدینہ منورہ کی زیارت کی تو ان کے دل میں حب رسول موجزن ہوگئی، انہی موجوں کی اس طرح قید کیا گیا ہے۔

مقلتی! قد نلتِ کل الأرب
ھذہ انوار طٰہ العربی

(اے میری آنکھیں! تم نے اپنی تمام خواہشات پوری کرلیں، یہ اب (تمہارے سامنے) طٰہٰ عربی کے انوار ہیں۔)

یا رسول اللہ! إنی مذنب
ومن الجود قبول المذنب

(اے رسول اللہ! میں گناہوں میں لت پت ہوں اور آپ ﷺ کی دہلیز عفو درگزر سے گناہ گار کو قبولیت کی امید ہے۔)

یا نبی اللہ مالی حیلة
غیر حبی لك یا خیر نبی

(اے نبی اللہ! یا خیر نبی۔ آپ ﷺ کی محبت کے سوا میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔)

ویقینی فیك یا خیر الورىٰ
أن حبی لك أقوىٰ السبب

(اے خیر الوریٰ مجھے آپ ﷺ کے تعلق سے پورا یقین ہے کہ
آپ ﷺ سے محبت کرنا ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔)

حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی کی شخصیت کے کئی زاویے ہیں۔[25] انھیں عربی اور فارسی پر قدرت حاصل تھی۔عربی کے شاعر تھے اور فارسی کے تذکرہ نویس، تذکرہ نویسی میں آپ کی ایک شناخت ہے، لیکن شاعری میں اپنی ایک شناخت بنانے سے قاصر رہے۔علامہ شبلی نعمانی نے آپ کی شاعری پر اچھا تبصرہ کیا ہے۔[26] اور بتایا گیا کہ اس پر ہندوستانیت غالب ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ایک بڑے نعت گو شاعر تھے طرح طرح سے حب رسول کی کرنوں کو قید کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کی رگ وپے میں حب رسول سرایت کرچکی تھی۔آپ کے چند شعار سے آیئے اپنے حب رسول میں مزید رنگ بھریں۔

یا سیدی یا عروتی ووسیلتی
یاعدتی یا مقصدی مولای

(اے میرے سردار، اے میری رسی، اے میرا واسطہ، اے
میرے سامان، اے میرے مقصد اور اے میرے آقا۔)

قد جئت بابك خاشعا متضرعاً
مالي وراءك كاشف الضراء

(میں آپ ﷺ کے در پر خوف زدہ اور گڑگڑاتا ہوا حاضر ہوا۔
آپ ﷺ کے علاوہ مصیبت کا ٹالنے والا کوئی نہیں ہے۔)

ولك الوسيلة والفضيلة في غد
ولأنت أقدم معشر الشفعاء

(کل کو آپ ﷺ ہی کے لیے وسیلہ اور عظمت وفضیلت ہوگی اور
آپ ﷺ ہی تمام گروہ شافعین میں سب سے مقدم ہوں
گے۔)

أحسن إلى ضيف ببابك واقف
شان الكرام ضيافة الغرباء

(آپ ﷺ مہمان پر کرم فرمائیں جو آپ ﷺ کے دروازے پر کھڑا ہے۔شرفاء کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اجنبی لوگوں کی ضیافت کریں۔)

اس میں ایک باب "الاستبراك بالآثار" ہے جس کے قصائد میں نعلین شریفین کا مخصوص انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ شعراء اپنے وجود کو نعلین شریفین کے پیچھے ڈالنے کے خواستگار ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے تسمہ بن جائیں تاکہ ان کی قسمت سنور جائے اور آنے والا دن ان کے لیے خوشگوار ثابت ہو۔ عرب شعراء نے حب رسول کو مختلف انداز دیا ہے۔ مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ عربی نعت گوئی میں تصنع اور تکلف نہیں ہے۔ ذات اکرم سے ان کی حقیقی وابستگی ہے۔ اردو شعراء کے یہاں آورد اورفنی زور آزمائیں ہیں۔ اس میں اخلاص، دلی عقیدت مندی اور ذات افضل سے دینی لگاؤ ہے۔ بالخصوص پاکستان کے حوالے سے یہ کہنا ضروری ہے کہ نعت گوئی اور نعت سرائی ایک دھندا بنتا جا رہا ہے اس دھندے سے دولت اور شہرت کمائی جا رہی ہے۔ محلات تعمیر ہو رہے ہیں اور تعیش کے سامان بٹورے جا رہے ہیں۔ نسائی نعت سرائی نے تو مردوں کو پیچھے ڈھکیل دیا ہے۔ انھیں نعت سرائی سے زیادہ اپنی جامہ زیبی، اپنی آرائش اور حنا بازی کی فکر ہوتی ہے۔ اب بتائیے اس ہجوم دوراں میں حب رسول کا کہاں اتا پتا ہے۔ بہرکیف اس باب سے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔

أذكرتني من لم يزل ذكري له
يعتاد في الأذكار والآصال

(تم نے مجھے اس شخص کی یاد دلائی جو مستقل میرے ذکر میں بسا ہوا ہے صبح و شام (اس کا ذکر کرنا) خاصہ ہے۔)

ولها المفاخر والمآثر في الدنا
والدين والأقوال والأفعال

(اور دین و دنیا اور اقوال و افعال میں آپ ﷺ کے مفاخر و مآثر حاصل ہیں۔)

لو أن خدی یحتذی نعلالها
لبلغت ومن نیل المنی آمال

(اگر میرے رخسار آپ ﷺ کے جوتے پہن لیتے تو میری امیدیں خواہشات کو پالیتیں۔)

ابوبکر احمد ابن الامام ابو محمد عبداللہ بن حسین قرطبی نے بھی نعلین شریفین کے ذکر میں ایک مخصوص رنگ چھوڑا ہے۔

ونعل خضعنا هیبة لبهائها
وإنا متی نخضع لها أبداً نعلو

(آپ ﷺ کے نعلین شریفین کے حسن و جمال کے حضور ہم جھک گئے۔ اور ہم اس کے سامنے ہمیشہ جھکیں گے تاکہ بلندی کو پاسکیں۔)

فضعها علی اعلی المفارق إنها
حقیقتها تاج وصورتها نعل

(پس تم اسے سر کی بلندی پر رکھ لو کیوں کہ حقیقتاً یہ تاج اور صورتاً جوتا ہے۔)

اس کا ایک باب "الحنین إلی زیارة روضة النبی الأمین" ہے کہ انسان جب روضہ رسول پر حاضری دیتا ہے تو اس کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ اسے ایک خاص لذت محسوس ہوتی ہے جو آنکھوں کے سہارے بہنے لگی ہے۔ اس کا اعمال نامہ نظروں میں چلنے لگا ہے وہ شفیع المذنبین کے سامنے گڑگڑاتا اور آہ و زاری کرتا ہے تاکہ اس در عظیم سے کچھ لے کر لوٹے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرے۔ یہی رقت، یہی اشکباری اور یہی شرم ساری اس طرح کے قصائد میں محسوس کی جاسکتی ہے۔ اسی

طرح کا ایک خوبصورت قصیدہ صبیح رحمانی نے بھی کہا ہے جس کا عنوان ''مواجہ'' ہے۔ اسے پڑھ کر انسان خود کو روضہ کے حضور کھڑا ہوا پاتا ہے۔ علامہ ابن جابر اندلسی نے بھی اپنے اسی طرح کے جذبات کو منظوم کیا ہے:

هناء کم یا أهل طیبة قد حقا
فبالقرب من خیر الوریٰ حزتم السبقا

(اے اہل طیبہ! تم یقیناً لائق مبارک باد ہو، تم لوگ خیر الوریٰ کی قربت اختیار کرنے میں سبقت لے گئے۔)

فلایتحرك ساکن منکم إلی
سواھاو إن جار الزمان وان شقا

(تمہارا ہر شخص روضہ رسول کے سوا کہیں اور کا قصد نہیں کرتا گرچہ زمانہ قہر برپا کرے یا منتشر کردے۔)

فکم ملك رام الوصول لمثل ما
وصلتم فلم یقدر ولو ملك الخلقا

(تم کس قدر خوش بخت ہو کہ تمہیں تمہارے رب کی توجہات حاصل ہیں۔ یہ کتنا خوب ہے کہ تم اس کے بحر عنایات میں غرق ہو۔)

ترون رسول الله فی کل ساعة
ومن یرہ فھو السعید به حقا

(تم سب ہمہ آن رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرتے رہتے ہو اور جس شخص کی یہ زیارت دستیاب ہو یقیناً وہ خوش بخت ہے۔)

متی جئتم لا یغلق الباب دونکم
وباب ذوی الإحسان لایقبل الغلقا

(تم لوگ جب بھی آؤ تمہارے لیے روضہ رسول کا دروازہ بند

نہیں ہوگا، محسنینؓ کے دروازے بند ہونا پسند نہیں کرتے۔)

اسی باب میں عبدالرحیم برعی کا قصیدہ ہے۔ دیکھیے روضۂ رسول پر اپنی حاضری کو کس طرح پیش کیا ہے:

لقد شاقني زوار قبر محمد
فشوقي مع الزوار يسري ويدلج

(محمد ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے والوں نے میرے اندر زیارت اشتیاق برپا کردیا، بس میرا اشتیاق زائرین کے ساتھ شب (وروز) چلتا رہتا ہے۔)

وأرتاح من أرواح أطياب طيبة
إذا لمسك في أرجاء ها يتأرج

(میں طیبہ کی خوشگوار ہواؤں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں، اس کے گوشے گوشے سے مشک (وعنبر) کی خوشبو آتی ہے۔)

بلادبها جبريل يسحب ريشه
وينزل من جو السماء ويعرج

(یہی وہ سرزمین ہے جہاں حضرت جبرئیل اپنے پروں کو گھسیٹتے تھے، فضاء فلک سے اترتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔)

شیخ حسین دجانی مفتی یافا نے روضہ اقدس کی زیارت کو یوں محسوس کیا:

إذا هبت الأرياح من نحو طيبة
أهاج فؤادي طيبها وهبوبها

(جب ہوائیں طیبہ سے ہوکر گزرتی ہیں، تو اس کی خوشگوار و مشک بار ہوائیں میرے دل کے اندر ہیجان برپا کردیتی ہیں۔)

فلا تعجبوا من لوعتي وصبابتي
هوى كل نفس أين حل حبيبها

(میرے سوزش (دل) عشق (بے پناہ) پر تمہیں استعجاب کیوں ہے؟ ہر انسان کا دوست جہاں بھی ہو وہ اسے اسی طرح ٹوٹ کر چاہتا ہے۔)

اس کا آخری باب "التسليم على صاحب جنات النعيم" ہے جس میں شعراء نے آنحضور ﷺ پر درود وسلام بھیجا ہے۔ شیخ جمال الدین زکریا صرصری کا احساس یوں منظوم ہوا ہے:

يا نبي الهدى عليك السلام

كلما عاقب الضياء الظلام

(اے نبی ہادی! آپ ﷺ پر سلام ہو جب جب ظلمتیں روشنی کا تعاقب کریں)

زادك الله رفعة وجلالاً

وبهاء أو عزة لا ترام

(اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی لاجواب رفعت وجلالت اور شان و شوکت میں اضافہ فرمائیں۔)

قد قطعنا إليك فجا عميقاً

بقلوب بها اليك أوام

(دور دراز، اور گہرے دروں سے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں ہم حاضر ہوئے۔)

نطلب الفضل منك يا خيرهاد

فلديك الإحسان والانعام

(اے سب سے بہتر ہادی! ہم آپ ﷺ سے فضل وکرم کے طلب گار ہیں۔ یقیناً احسانات وانعامات کا خزانہ آپ ﷺ کے ہی پاس ہے۔)

امام عبدالرحیم برعی نے اس طرح رسول خدا کو ہدیہ تسلیم ارسال کیا ہے:

سلام علی ذاك الحبيب فاننی
إليه على بعدی أحنّ وأطرب

(اس حبیب پر درود وسلام ہو جس سے دوری کے سبب میں اظہار غم کر رہا ہوں اور رنج سے نڈھال ہوں۔)

عسى يا رسول الله نظرة رحمة
إلينا وإلا دعوة ليس تحجب

(اے رسول اللہ! ہمیں آپ ﷺ سے نظر کرم کی امید ہے، بغیر کسی حجاب کے آپ ﷺ کو آواز لگانا چاہتے ہیں۔)

فثانيه في الغار الخليفة بعده
لامته نعم الحبيب المقرب

(غار حرا میں آپ ﷺ کے ثانی اثنین حضرت ابوبکر آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت کے کس قدر قریبی دوست ہیں۔)

شیخ محمد بن فرج سبتی جن کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے ہے۔ انھوں نے بھی اپنے حبیب پر درود وسلام بھیجا ہے۔

صلوٰة وتسليم ورحمیٰ بلا إنتها
على من غدا فذ الوجود وفرده

(متواتر صلوٰۃ وسلام اور کرم فرمائیاں اس ذات گرامی پر جو عدیم المثال اور منفرد ہے۔)

على العروة الوثقى، على القمر الذی
على الخلق ظل الأمن والمن مده

(درود وسلام اس مضبوط رسی پر اور اس چاند پر جس کی چاندنی امن واحسان بن کر مخلوق پر برس رہی ہیں۔)

علی منقذ الإنسان من حفر الردیٰ
ولولا سناہ کان فیھا یدھدہ

(درود وسلام اس ذات اقدس پر جو انسان کو ہلاکت کے گڑھے سے نجات دلانے والی ہے، اگر آپ ﷺ کی روشنی نہ ہوتی تو یہ انسان اس گڑھے میں جا لڑھکتا۔)

علی من لہ المجد الصمیم علی الذی
بہ شرف الرحمن آدم جدہ

(درود وسلام اس ہستی پر جسے حقیقی شرف حاصل ہے اور یہی وہ ذات ہے جس کے توسط سے ان کے باوا آدم کو اللہ تعالیٰ نے شرف عطا کیا۔)

علی مجتبیٰ قد نور اللہ قلبہ
علی مصطفی قد طہر اللہ بردہ

(درود وسلام اس چنیدہ ذات پر جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے صیقل کر دیا اور درود وسلام اس منتخب ہستی پر جس کی چادر کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا۔)

ابن معصوم نے مندرجہ کلمات کا صلوٰۃ وتسلیم کے لیے انتخاب کیا، جس سے اخلاص اور حب رسول جھلکتا ہے، اگر اندرونی حسیت اور ظاہری اقوال میں تطابق و ترابط نہ ہو تو کلمات میں وہ تنافر وتضاد پوری طرح سے نظر آتا ہے۔ ابن معصوم کی معصومیت اپنے اظہار جذبات سے ہویدا ہے۔ یہ بات علامہ شبلی نے عربی اور فارسی کا موازنہ کرتے ہوئے تحریر کی ہے کہ عرب شعراء کی شاعری درحقیقت قلبی اظہار ہے اس میں منافقت کی آمیزش نہیں، جب کہ فارسی شاعری تصنع وتکلف سے گراں بار ہے۔[۲۷] عرب شعراء کی قدیم روایت رہی ہے کہ اسی تقدیم صداقت میں انھوں نے اپنی جاں تک کا نذرانہ پیش کر دیا جب کہ فارسی شعراء چھپ کر وار کرتے ہیں اگر آمنا سامنا ہوا

تو دم دبا کر اپنا راستہ ناپتے ہیں۔ دراصل بات یوں ہے کہ عرب اور صداقت دونوں میں کلی التزام واتفاق ہے۔ حضرت ابوسفیان سے جب دربار حبشہ میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے متعلق ایک سوال یہ کیا گیا کہ کیا ان کا قائد جھوٹ بولتا ہے تو حضرت ابوسفیان اثبات میں جواب دینے جارہے تھے لیکن ان کی عربیت نے انھیں فی الفور جھنجھوڑا کہ کیا عرب بھی جھوٹ بولتا ہے؟ اسی عربیت نے انھیں مجبور کیا کہ تمام تر عداوت کے باوجود انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی صداقت کا اعتراف کیا۔ بہرکیف ابن معصوم کی معصومیت اور صداقت کو لے کر بات کچھ آگے نکل گئی۔ آیئے دیکھیے ابن معصوم نے کس طرح اللہ کے رسول ﷺ کو یاد کیا ہے:

عبیدك الوافد فی سُوحکم
یهدی سلاماً نشره أعطر

(آپ ﷺ کا غلام آپ ﷺ کے دربار میں حاضری کے لیے آنے والا ہے، ہدیہ سلام پیش کرنے والا ہے، جس کا چھڑکاؤ کس قدر عطر بیز ہے۔)

یا سید الرسل سلام علی
وجهك وهو الكوكب الانوار

(اے سید الرسل! آپ ﷺ کے چہرہ روشن پر سلام ہو جو ستارہ روشن کے مانند ہے۔)

یا صفوة الحق سلام علی
مثواك وهو الاقدس الأزهر

(اے حق حقیقی! آپ ﷺ کی تربت پر سلاموں کی بارش ہو، ایک نہایت مقدس اور تابناک ہیں۔)

یا هادی الخلق سلام علی
سوحك وهی الموطن الافخر

(اے ہادیٔ خلقت! آپ ﷺ کے دربار پر سلام بھیجتا ہوں اور
آپ ﷺ تو بڑے ہی قابل افتخار مقام پر فائز ہیں۔)

انھی اشعار پر یہ سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے کیوں کہ دس عناوین کے ایک سو چالیس نعتیہ قصائد کے ترجمے کے لیے طویل وقت درکار ہے۔ خدا کرے ان تمام نعتوں کے تراجم کا شرف کسی کو حاصل ہو۔ مرتب مجموعہ یٰسین اختر مصباحی اعظمی قابل صد افتخار اور قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اتنا خوبصورت اور علمی کام کیا، اس مجموعے میں وضاحت کی کوشش کی گئی ہے کہ دورِ جاہلی، مخضرمی، اسلامی، اندلسی اور ہندوستانی شعراء نے کس کس طرح عربی نعتیہ شاعری میں اللہ کے رسول ﷺ کی تصویر کشی کی ہے، ان قصائد میں آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ، مکی ومدنی زندگی، ازواج مطہرات، صحابہ کرام، خلفاء راشدین، مدینۂ رسول، روضۂ رسول، دشمنان رسول، اور غزوات وسرایا پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مجموعہ عربی نعت گوئی میں ایک استنادی حیثیت کا حامل ہے۔ مرتب کو اس کی ترتیب میں محنت شاقہ سے گزرنا پڑا ہوگا۔ اس محنت شاقہ سے ان کی آخرت سنور جائے گی اور یقیناً اللہ نے انہیں بڑے انعام و اکرام سے نوازے گا۔ اس کے مندرجہ مآخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب میں عالمانہ معیار کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ البخاری، الروض الانف، السیرۃ النبویۃ، مولد النبی، الفضل الموھبی، مجلہ التربیۃ الاسلامیۃ، وفاء الوفاء، مسالك الحنفاء، الاستیعاب، الحاوی، الإصابۃ، السیرۃ لابن اسحق، الخصائص الکبری، زاد المعاد، مجلۃ رابطۃ مکۃ المکرمۃ، مجلۃ ھدی الاسلام، شرح المواھب، عمدۃ القاری، تھذیب ابن عساکر، البدایۃ والنھایۃ، اسد الغابۃ، المجموعۃ النبھانیۃ، الروض المحمود، مجلۃ العالم الاسلامی، السیرۃ النبویۃ للسید احمد زینی، دیوان ابی الحسن علی بن أبی طالب، الخیرات الحسان، السبعۃ السیارۃ لکناؤ اور

الشــوقیـــات وغیرہ کی ورق گردانی کے بعد یہ مجموعہ ترتیب دیا گیا ہے۔ یقیناً ''دارالقلم'' کے روح رواں نے ایک قابل ذکر کام کیا ہے اس سے مرتب کے دینی، علمی، اور ادبی مزاج کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس مجموعے کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے راقم الحروف نے یہ مضمون ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ خدا کرے دنیائے نعت کی تزئین میں مولانا مصباحی اعظمی صاحب آئندہ بھی کوئی بڑا کام کر جائیں۔ اس چھوٹے سے مجموعہ پر دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مثال صادق آتی ہے۔ ویسے بھی جو علامہ شبلی نعمانی، قاضی اطہر مبارک پوری، اور علامہ اقبال سہیل کا ہم وطن ہوا سے اس طرح کلفت خواں طے کرنے کی عادت ہو ہی جاتی ہے۔ صاحب ترتیب یقیناً علم وفن کے شیدائی ہیں۔ خدا کرے کہ دنیائے علم وادب میں اسی طرح کے نقوش ثبت کرتے جائیں، آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور مستقلاً قلم وقرطاس سے لیس رہتے ہیں۔

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱ عبداللہ عباس ندوی کی تصنیف ''عربی میں نعتیہ کلام (بار اول، نامی پریس لکھنؤ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۸۵ء) ۱۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اس میں نعتیہ شاعری اور بعض نعت گوشعراء پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲ پروفیسر سید اشفاق رفیع الدین کی کتاب کا عنوان ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ہے۔ جو ۱۹۷۶ء میں کراچی اردو اکیڈمی پاکستان سے شائع ہوئی ہے۔ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کی کتاب ''شعراء الرسول'' (مکتبہ الفردوس، مکارم نگر، لکھنؤ) ۵۶۹، صفحات پر مشتمل ہے اس میں کعب بن مالک انصاری، حسان بن ثابت انصاری، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کو موضوع بحث بنایا گیا ہے، خاکسار نے اس کتاب کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، شعراء الرسول ایک تعارف، ابوسفیان اصلاحی، نعت رنگ، شمارہ:۹، ۲۰۰۰ء، ص:۱۳۶ـ۱۶۸

۳ محمد صدر الحسن ندوی کا یہ مقالہ بعنوان ''دراسات فی المدائح النبویۃ بالہند'' ہے۔ یہ پروفیسر عبدالباری کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ۲۰۰۷ء میں معہد الدراسات الاسلامیہ اورنگ آباد سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۴ اس سمینار کی روداد کے لیے دیکھیے: ادب السیرۃ النبویۃ العربی فی العصر الحدیث، الطبعۃ الأولی، قسم اللغۃ العربیۃ وآدابہا جامعۃ علی کراہ الاسلامیہ، الہند، نے ۲۰۱۲ء۔۲۰۱۳ء (صفحات ۲۸۰)

۵ وضاحت کے لیے دیکھیے: عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، نقوش قرآن نمبر، شمارہ: ۱۴۶، ۲۰۰۱ء، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۴/۵۸۵ـ۶۵۸

۶ ابوالعتاہیہ: ابونواس اور اسماعیل صبری کی مدحیہ شاعری، ابوسفیان اصلاحی،

مجلّہ نعت رنگ کراچی، شمارہ: ۷، اگست ۱۹۹۹ء، ص: ۱۴۳۔۱۷۴

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القرآن، علامہ حمید الدین فراہی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء، ص: ۵۳۱۔۵۳۲

۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی، علامہ سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی ۲۰۰۳ء، ۴/۳۶۶۔۳۶۸

۹۔ تفسیر نظام القرآن، ص ۵۳۱، مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا حمید الدین فراہی اور سید سلیمان ندوی، ابوسفیان اصلاحی، مجلّہ فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان، ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ/جنوری۔مارچ ۲۰۰۱ء، ۳۸/۳، ص: ۶۹۔۱۰۲

۱۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، سرسید احمد خاں، نفیس اکیڈمی، کراچی، پہلا ایڈیشن مارچ ۱۹۶۴ء، ص: ۴۱۳۔۴۹۳

۱۱۔ سرسید کی معروف کتاب ''تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام'' میں بشارت رسول پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔اور لفظ ''فارقلیط'' کی حقیقت دریافت کی گئی ہے۔

۱۲۔ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی ۲۰۰۳ء، ۱/۱۲۰

۱۳۔ یہ مقالہ بزبان عربی ہے، یہ تحقیقی مقالہ راقم الحروف کی نگرانی میں ترتیب دیا گیا ہے۔محترمہ کو علی گڑھ یونیورسٹی نے عربی زبان وادب میں پی ایچ.ڈی. کی سند عطا کی ہے۔

۱۴۔ شوقی اور اس کا قصیدہ ''الہمزیۃ النبویۃ'' ابوسفیان اصلاحی، مجلّہ نعت رنگ کراچی، شمارہ: ۱۱، مارچ ۲۰۰۱ء، ص: ۲۱۹۔۲۴۷

۱۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: شعراء الرسول، ص:۱۲۳۔۳۷۹

۱۶۔ ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی نے قصیدہ بردہ کا منظوم ترجمہ کر کے صاحبان اردو پر احسان کیا، دیکھیے فروغ نوا، رئیس احمد نعمانی، مجلس مطالعات فارسی، علی گڑھ، شاعت اول۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء، ص:۹۷۔۱۳۹

۱۷۔ حافظ ابراہیم کے انتقال پر شوقی نے ایک مرثیہ کہا جس میں ان کی شاعرانہ حیثیت کا بھی ذکر ہے۔ دیکھیے: الشوقیات، شوقی بک، مطبعۃ الاستقامہ، قاہرہ، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء، ۳/۲۲۔۲۴

۱۸۔ پورے قصیدے کے لیے دیکھیے: الشوقیات، شوقی بک، مطبعۃ الاستقامہ، قاہرہ، ۱۹۵۳ء، ۱/۳۶۔۴۳

۱۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: شعراء الرسول، ص:۵۹۷۔۵۱۳، ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی نے قصیدہ ''بانت سعاد'' کا خوبصورت منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ ایک بڑی خدمت ہے۔ اسی کے ساتھ اختصار کے ساتھ کعب بن زہیر کا اچھا تعارف بھی پیش کیا ہے۔ دیکھیے: چراغ نوا، رئیس احمد نعمانی، اشاعت اول، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ص:۴۰۔۵۴

۲۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے شعراء الرسول، ص:۱۲۳۔۳۷۹

۲۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: داعی السماء، بلال بن رباح ''مؤذن الرسول'' عباس محمود العقاد، دار سعد، مصر، ۱۹۴۵ء، ص:۱۷۵۔۱۷۸

۲۲۔ یہ کتاب اپنی جامعیت میں مثالی ہے۔ ۴۷۶صفحات پر مشتمل ہے اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۵ء میں دار الفکر العربی سے شائع ہوا ہے۔

۲۳۔ ''سیرۃ النعمان'' مکتبہ برہان دہلی سے جمادی الاول ۱۳۷۶ھ/دسمبر ۱۹۵۶ء، میں شائع ہوئی ہے۔ ۲۲۲صفحات پر مشتمل ہے اس کی سطور ۱۵دسمبر ۱۸۹۳ء کو علی گڑھ میں پائے تکمیل کو پہنچی تھیں۔

۲۴۔ امام شافعی کی یہ کتاب 'المطبعۃ الکبری الأمیریہ ببولاق مصر

المحمیة' سے شائع ہوئی۔ اس کا پہلا حصہ ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۵۔ آزاد بلگرامی کے حیات و آثار کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ (زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور) ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء، ۱/۱۰۴۔۱۱۰، مزید دیکھیے: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (تالیف: السید غلام علی آزاد بلگرامی) تحقیق: الدکتور محمد فضل الرحمٰن الندوی السیوانی معہد الدراسات الاسلامیۃ، جامعہ علی گرہ الاسلامیہ، علی گرہ (الہند، الطبعۃ الاولی ۱۹۷۶ء، (Introduction۹۹۔۰۱۔۹)

۲۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مقالات شبلی، (مرتب مولوی مسعود علی ندوی)، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۵۴ھ، ۵/ ۱۱۸۔۱۳۵

۲۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: موازنہ انیس و بیر، علامہ شبلی نعمانی، دار المصنّفین، شبلی اکیڈمی، اپریل ۲۰۰۴ء، ص: ۵۔۸

☆☆☆

دراسات فی المدائح النبویۃ بالہند... تحلیل وتجزیہ

سرزمین ہندوستان سے عربی اور عربی زبان وادب کا رشتہ بہت قدیم ہے۔ یہاں کی معاشرت ومعیشت میں عربی ثقافت کی جڑیں بڑی گہری ہیں۔ اسی طرح ہندوستانیوں کی تہذیب وتمدن کی بہت سی علامتیں عربوں میں بہت واضح انداز میں موجود ہیں۔ عربوں اور ہندوستانیوں کے تجارتی تعلقات بہت پرانے ہیں۔ مختلف احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضورﷺ ہند اور اہل ہند سے بخوبی واقف تھے۔ بعثت رسول سے قبل ہندوستانی تجار کی بڑی بڑی منڈیاں سرزمین عرب پر موجود تھیں، اسی تجارتی سلسلے کی بنیاد پر اسلام ہندوستان تک آیا اور یہاں آکر اپنے تارو پود ایسے پھیلائے کہ اسلام کا اس سرزمین سے رشتہ دائمی ہوگیا۔ سندھ کیرالا اور گجرات کے چپے چپے پر عربوں کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ انھیں مٹایا نہیں جاسکتا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی معرکہ آراء تصنیف ''عرب وہند کے تعلقات'' میں اس موضوع پر نہایت مقتدر ومستند گفتگو کی ہے۔ اسی طرح معروف محقق قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی مثالی تصنیف میں بھی اس موضوع پر شرح وبسط سے روشنی ڈالی ہے۔ عربی زبان وادب کے فروغ کے لیے غیر معمولی کوششیں ہوئی۔ عربی مدارس قائم ہوئے اور بہت سے عربی مراکز کی بنیادیں پڑیں۔ دن بدن اسلام اور عشق رسول کے شیدائیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ جس طرح دین اسلام کے بہت سے موضوعات پر تصانیف منظر عام پر آئیں اسی طرح سرور کائناتﷺ کی عظیم شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کو ادباء اور شعراء نے موضوع بحث بنایا۔ جاحظ کے قول کے مطابق ہندوستان میں عربی شاعری کا آغاز پہلی صدی ہجری سے ہو چکا تھا[1] اور پہلے ہندوستانی عربی شاعر کی حیثیت سے ہارون بن

موسی ملتانی کا نام لیا جاتا ہے۔[۲] اسی طرح ہندوستانی عربی نعت گوئی کا آغاز آٹھویں صدی ہجری سے پہلے ہو چکا تھا۔ ویسے پہلے ہندوستانی عربی نعت گو شاعر کا وجود آٹھویں صدی میں ملتا ہے۔ جنھیں دنیا قاضی مقتدر بن قاضی رکن الدین شریحی کندی اور دہلوی ((۷۰۳۔۷۹۱ء) کے نام سے جانتی ہے۔ جن کے دو شعر بطور مثال پیش ہیں۔

لـه الـمـزايـا بلا نقض ولا شبـه

لـه الـعـطـايا بلا منٍ ولا بـدل

(آپؐ کی صفات بے عیب اور بے مثال تھیں اور آپؐ کی نوازشیں احسان اور بدل سے پرے تھیں)

له المكارم أبهى من نجوم دجى

له العزائم أمضى من قنا البطل

(آپؐ کے محاسن تاریکیوں کے تاروں سے زیادہ روشن ہیں اور آپؐ کے عزائم بہادروں کے نیزوں سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔)

لـه الـفـضـائل أجدى من عصا كسرت

لـه الـشـمـائـل أحلى من حبى العسل

(آپؐ کے فضائل و مکارم سخت ترین ڈنڈے سے کہیں مستحکم تھے اور آپؐ کے عادات و اطوار میرے پسندیدہ شہد سے کہیں زیادہ مرغوب تھے۔)

اس طرح آٹھویں صدی سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ دراز سے دراز تک ہوتا رہا اور انشاء اللہ تا قیامت یہ محفلِ نعت یونہی قائم و دوائم رہے گی۔ اور مستقلاً سرورِ کائنات ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا رہے گا۔ آٹھویں صدی سے قبل سے جاری رہنے والا یہ حسین سلسلہ عاشقین رسول کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ استاذ محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالباری کو فکر ہوئی کہ یہ قیمتی ذخیرہ اہل علم اور اہل ذوق کے سامنے آنا چاہیے۔ چنانچہ اس کے لیے آپ نے شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ”دراسات في المدائح النبوية بالهند باللغة العربية مع جمع

وتحقیق للقصائد'' کا عنوان منظور کروایا۔ استاذ محترم نے اس پر کام کرنے کے لیے ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی کا انتخاب کیا۔ انھوں نے بڑی لگن اور ریاضت سے اپنے کام کو پائے تکمیل تک پہنچایا اور مسلم یونیورسٹی کی جانب سے اس پر انھیں ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی گئی۔ یہ غیر مطبوعہ مقالہ ایک ہزار اکتالیس صفحات پر مشتمل ہے اور بزبان عربی ہے۔ مقالہ کی ترتیب وتسوید کے سلسلے میں مقالہ نگار نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ کی خاک چھانی ہے۔ پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں عربی نعت گوئی کا قدرے تعارف کرانے کے بعد اختصار کے ساتھ سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں نعت گوئی کے اہم مصادر قرآن کریم، احادیث نبویہ اور تصانیف سیرت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ انھیں تینوں مصادر کی روشنی میں سیرت پاک کا مکمل خاکہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ تیسرے باب میں عربی نعت گوئی کے عناصر کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ نعت گو سیرت رسول سے پوری طرح واقف ہو، دوسرے یہ کہ سرور کائنات ﷺ کا جو مرتبہ ہے اس کا پاس ولحاظ ہو، ذات مقدسہ ﷺ کو ان صفات سے ہرگز وابستہ نہ کیا جائے۔ جن کا سلسلہ شرک سے جاملتا ہو تیسرے یہ کہ نعتیہ مضامین کے سلسلے میں وضاحت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اگر ان سطور کا مطلب یہ ہے کہ نعت گو مسلم ہو اور اسلامی شعائر سے مزین ہو تو یہ بات کچھ قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ بہت سے ایسے غیر مسلم شعراء ہیں جنھوں نے مسلم اور متدین شعراء سے مختلف زبانوں میں اچھی نعتیں کہی ہیں، خود اردو زبان میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ نعتیہ شرائط کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شاعر ایسے اسالیب کا انتخاب کرے جو آنحضور ﷺ کی شایان شان ہو۔ جن سے آپ ﷺ کی قدرومنزلت کا بخوبی اظہار ہو رہا ہو۔

چوتھے باب میں عربی نعت گوئی کے عوامل سے بحث کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا کہ ہندوستانی نعت گو شعراء کے یہاں نبوت پر پختہ ایمان جھلکتا ہے۔ اور ان نعتیہ قصائد سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ان شعراء کا آپ ﷺ سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ نیز

یہ پہلو بھی نمایاں ہے کہ آپ ﷺ سے اپنی دوری اور بعد کا احساس انھیں شدت سے ہے۔ ان قصائد کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ ہندوستانی عربی نعت گوئی پر تصوف کے گہرے اثرات ہیں۔ اس باب کے آخر میں یہ صراحت کی گئی کہ ہندی عربی نعتوں پر عربی اور فارسی نعتوں کے خاصے اثرات ہیں۔ کیوں کہ آج سے پچاس سال قبل تمام شعراء اور دانشوروں کو عربی، فارسی اور اردو یکساں طور پر آتی تھی۔ اس لیے یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ ہندوستانی عربی نعت گو شعراء نے عربی اور فارسی نعتیہ قصائد کے مضامین ومحتویات کے اثرات نہ صرف قبول کیے بلکہ انھیں اپنے قصائد میں برتا بھی۔ مقالہ نگار نے متعدد مثالیں دیتے ہوئے اپنی بات کو مدلل انداز میں پیش کیا۔

پانچویں باب میں عالمی ادب کے اندر پائے جانے والے مدحیہ ادب سے بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں قدیم مصری، قدیم چینی، قدیم ہندوستانی (مہابھارت یارامائن) قدیم فارسی اور قدیم یونانی ادب میں پائے جانے والے مدحیہ سرمایوں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مختلف قدیم زبانوں کے ادب میں کسی شخصیت، اوتار، لیڈر اور بہادر کی کس انداز سے تعریف کی گئی تھی۔ اور انھوں نے اپنے اپنے ممدوحین کو کس کس رنگ وآہنگ میں پیش کیا ہے اسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ نقطۂ نظر بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی کہ قدیم عربی ادب اور اسلامی ادب میں مختلف میدانوں سے متعلقہ شخصیات کی کس انداز سے مدح سرائی کی جاتی تھی۔ دور جاہلی میں عرب شعراء اپنے سرداروں، اپنے قائدین اپنے آباء واجداد، اپنے قبائل اور اپنے محبوب وغیرہ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ مقالہ نگار نے اس سے متعلق متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ ایک شاعر کے کئی کئی اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ اگر ایک ایک شاعر کے بطور مثال دو دو، تین تین، چار چار اشعار نقل کیے جاتے تو بہت سے دیگر شعراء کے متنوع اشعار بھی نقل کیے جاسکتے تھے۔

آگے چل کر ان مختلف شعراء کے اشعار نقل بھی کیے گئے ہیں جنھوں نے بعثت رسول کے بعد حضور اقدس ﷺ کی شان میں اپنے نذرانے عقیدت پیش کیے

اس تعلق سے سب سے پہلے أعشٰی کا قصیدہ پیش کیا گیا، جسے تمام عربی نعتیہ قصائد میں اولیت حاصل ہے۔

فآلیت لا أرثی لها من کلالة
ولا من حفی حتی تلاقی محمداً

(میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ تھکن اور کثرت سفر کی وجہ سے اس پر ہرگز ترس نہ کھاؤں گا یہاں تک کہ محمد کے حضور حاضر ہو جائے۔)

متی ماتناخی عند باب ابن هاشم
تریحی وتلقی من فواضله ندی

(جب تک تم اپنے اونٹ کو ابن ہاشم کے دروازے پر بٹھائے رہو گے وہ سکون میں رہے گا اور تم اس کی نعمتوں کے فضل سے سرفراز ہو گے۔)

اسی طرح آنحضور ﷺ نے جب مدینہ کی ہجرت فرمائی تو بنو نجار نے جو اشعار پڑھتے ہوئے آپ کا استقبال کیا تھا اس کی دو شعر نقل کیے جا رہے ہیں:

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع

(مقام وداع کی گھاٹیوں سے ماہ کامل ہم لوگوں پر طلوع ہوا)

وجب الشکر علینا
مادعا الله داع

(جب داعی (آنحضورؐ) نے اللہ کی آواز لگائی تو ہم پر شکر واجب ہو گیا۔)

کعب بن زہیر کے مشہور قصیدہ بردہ کے بعض اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں جو اشعار پیش کیے ان کا بھی قدیم ترین نعتیہ اشعار میں شمار ہوتا ہے۔ ایک شعر پیش ہے:

وان فخرت یوما فان محمداً
هو المصطفی من سرها وکریمها

(اور اگر تم اب نازاں ہو تو کوئی شک نہیں کہ محمدؐ اپنی خاندانی شرافت وکرامت کی وجہ سے مصطفیٰ ومختار ہیں۔)

اسی طرح حضرت ابوطالب کا ایک دوسرا طویل قصیدہ آپؐ کی شان میں موجود ہے۔ جس میں آپ ﷺ کی مختلف صفات کو بڑی صداقت سے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ دو شعر ملاحظہ کریں۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامی عصمۃ للأرامل

(اور آپؐ کے چہرہ انور سے بارش کے لیے سوال کیا جاتا ہے۔ آج یتیموں کے فریادرس ہیں اور بیواؤں کی پناہ گاہ)

کذبتم وبیت اللہ نترک مکۃ
وتظعن الا امرکم فی بلابل

(تم سبھوں نے کذب بیانی سے کام لیا، اور خانہ کعبہ کے حوالے سے کہہ رہا ہوں کہ ہم مکہ سے جارہے ہیں اور تم تو جا رہے ہیں لیکن تمہارے معاملات کو مسائل درپیش ہیں۔)

اس کے بعد حسان بن ثابت کے متعدد اشعار نقل کیے گئے ہیں، لیکن یہاں ان اشعار سے پہلو تہی برتی جائے گی کیوں کہ حسان بن ثابت کی نعتیہ شاعری پوری طرح سے معروف ہے۔ آپ کی شخصیت، آپ کی شاعری اور شعری امتیازات سے پوری ادبی دنیا واقف ہے، آپ دربار نبوت کے ممتاز دافع تھے، عرب شعراء کی یاوہ گوئیوں اور شان نبوت میں گستاخیوں کا آپ نے مستند اور مدلل جوابات دیئے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ شعراء کفار کا جواب دینے کے لیے اکساتے تھے۔ شعراء الرسول میں آپ جس مرتبت پر فائز تھے اس کی ہمسری کا شرف کسی شاعر کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح مقالہ نگار نے عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ کے متعدد اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ یہاں صرف دو شعر قارئین کے لیے حاضر ہیں۔

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت
بأنه خیر مولود من البشر
(میری جان اس عظیم شخصیت پر قربان ہے جس کے اخلاق شاہد ہیں کہ انسانوں میں سب سے بہتر ہے۔)

عمت فضائله كل العباد كما
عم البرية ضوء الشمس والقمر
(اس شخصیت کے فضائل بندوں میں عام ہیں جس طرح کہ شمس وقمر کی روشنیاں پوری مخلوق میں عام ہیں۔)

عبداللہ بن زبعری کے پانچ اشعار نقل کیے گئے، جس میں آنحضورﷺ کی تعریف وتوصیف کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی حقانیت بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جئتنا باليقين والبر والصد
ق وفي الصدق واليقين سرور
(آپؐ ہم لوگوں کے مابین یقین، نیکی اور سچائی کے ساتھ تشریف لائے اور صدق ویقین ہی میں لطف وسرور ہے۔)

أذهب الله ضلة الجهل عنا
وأتانا الرخاء والميسور
(اللہ تعالیٰ نے ہماری جہالت کو ختم کر دیا، اور ہمیں کشادگی اور سہولت سے نوازا۔)

کعب بن مالک اور عباس بن مرداس کے اشعار نقل کرتے ہوئے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تک آتے ہیں۔ ابوسفیان بن حارث نے بھی اپنی جذبات کو بڑے ادب واحترام کے ساتھ دربار رسول میں پیش کیا ہے۔

فلم نری مثله في الناس حياً
وليس له من الموتى عديل

(زندہ لوگوں میں ہمیں آپ ﷺ کی مثال نہیں مل رہی ہے۔ اور اسی طرح مرحومین میں بھی کوئی آپؐ کے برابر نہیں ہے۔)

صلوۃ اللہ من رب رحیم
علیہ لا تحول ولا تزول

(رب رحیم کی جانب سے آپؐ پر نہ ختم ہونے والا اور نہ زائل ہونے والا اسلام ہے۔)

اسی طرح محمد بن سعید بوصیری بھی شان رسول ﷺ میں اس انداز سے نعت سراہیں:

فان النبیین فی خَلق وفی خُلق
ولم یدانوہ فی علوم ولا کرم

(صورت اور سیرت دونوں ہی آپؐ تمام انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں اور وہ علم اور نوازش میں آپؐ کے برابری نہیں کر سکتے۔)

اسی مفہوم کو عبدالرحیم بن احمد بن علی برعی یمانی نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

رسول اللہ أعلی الناس قدراً
وأکرمھم وارجبھم فناء

(رتبے کے لحاظ سے اللہ کے رسول ﷺ لوگوں میں برتر ہیں اور کرم فرمائی اور کشادہ دلی میں بھی آپؐ تمام لوگوں سے افضل ہیں۔)

آگے چل کر جمال الدین محمد بن ابن نبانہ مصری، شہاب الدین محمد حلبی ابوحفص عمر بن علی اور شیخ جمال الدین ابوزکریا یحییٰ بن یوسف صرصری کے اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ شیخ جمال الدین کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

شھدت بالرسالۃ المصحف الاولی
لہ والنعوت والأسماء

(سابق آسمانی صحیفے (ماضی میں آپؐ کی) تعریفیں اور (آپ ﷺ کے آنے سے قبل آپ کی مختلف مذکورہ) صفتیں آپؐ کی رسالت پر گواہ ہیں۔)

فأتاهم من ربه بكتاب
هو للناس رحمة وشفاء

(آپؐ لوگوں کے پاس اللہ کی جانب سے کتاب لے کر آئے، جو لوگوں کے لیے باعث رحمت اور باعث شفاء ہے۔)

ابن خلدون نے بھی دربار رسالت میں حاضری سے اس انداز میں اپنی زبان کو سرفراز کیا ہے۔ عام طور سے ابن خلدون کو ماہر عمرانیات کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس کا یہ پہلو نظروں سے بالکل اوجھل ہے۔ مقالہ نگار کی یہ کاوش قابل ستائش ہے کہ انھوں نے اس طرح کے بہت سے تاریک گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ یہاں پر نقل کردہ اشعار سے ابن خلدون کی اعلیٰ شعری صلاحیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

يا سيد الرسل الكرام! ضراعة
تفضي مُنى نفسي وتذهب حولي

(اے تمام رسولوں کے سردار! ضعف دامنگیر ہے یعنی میرے نفس کی خواہشات کشادہ ہو رہی ہیں اور میری عمر ڈھل رہی ہے۔)

عاقت ذنوبي عن جنابك والمنى
فيها تعللني بكل كذوب

(میرے گناہ نے آپؐ کے حضور حاضری سے روک دیا ہے اور ان میں خواہشات مجھے ہر طرح کے جھوٹ بولنے پر آمادہ کر رہی ہے۔)

هب لي شفاعتك التي أرجوبها
صفحا جميلاً عن قبح ذنوبي

(آپؐ مجھے اپنی اس شفاعت سے نوازیے جس کو اپنے بدترین گناہوں کے سلسلے میں ایک خوبصورت درگزر کا راستہ تصور کرتا ہوں۔)

أني دعوتك واثقا باجابتي
ياخير مدعو وخير مجيب

(اے پکاری جانے والی شخصیت اور اے بہترین جواب دینے والی ذات! میں نے تمہیں آواز دی ہے اور مجھے تمہارے جواب آنے پر پورا اعتماد ہے۔)

ابن ہجر عسقلانی کو بھی مدح رسول کا شرف حاصل ہے۔ مقالہ نگار نے ان کے ایک قصیدہ سے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ آپ کے دو شعر سے آپ بھی لطف اندوز ہوں اور درود وسلام کے ثواب سے سرفراز ہوں۔

کریم بالحیاء من راحتیه
یجود وفی المحیا بالحیاء

(آپؐ حیا کے اعتبار سے حد درجہ شریف ہیں اپنی دونوں ہتھیلیوں سے لٹاتے ہیں اور آپؐ کے چہرے سے حیا آشکارہ ہے۔)

بقربك لی المسرة فی صباحی
وبعدك لی المساءة فی مسائی

(آپ ﷺ کی قربت کے سبب میری صبح مسرتوں سے لبریز ہے۔ اور آپؐ کے بعد میری دوپہر کا سلسلہ ہے، جس کی انتہا شام ہے۔)

مقالہ نگار نے شیخ عبداللہ شیراوی، شیخ حسین دجانی اور شیخ عبدالمغنی کے بھی اشعار اس سلسلے میں شامل کیے ہیں یہ اشعار نعت گوئی کے تعلق سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مذکورہ عربی نعت گو شعراء کا تعلق مختلف ادوار سے ہے۔ اس سے ایک طرف یہ معلوم ہوا کہ عرب شعراء نے ہر دور میں آنحضور ﷺ کی تعریف وتوصیف سے اپنی زبانوں کو تر رکھا نیز اپنے عقبیٰ کی تزئین سے غافل نہ رہے اور دوسری طرف عرب اس طرز تحقیق سے شعراء کی نعت گوئی کے ارتقاء کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

چھٹے باب میں ہندوستان کے اندر عربی زبان وادب میں خاتم المرسلین ﷺ کی شخصیت پر جو گلہائے عقیدت نچھاور کیے گئے ہیں اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اصل موضوع پر آنے سے قبل ہندوستان میں اسلام کی آمد اور اس کی دعوت واحیاء پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ کس قدر جلد یہاں کے لوگوں کے دلوں میں اسلام جاگزیں ہو گیا۔

اور یہاں کے علماء کرام نے عربی زبان وادب کی خدمات میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مقالہ نگار نے بہت سے علماء کرام کی تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن اس ضمن میں مولانا حمید الدین فراہی کی قرآنی، ادبی، علمی اور شعری خدمات سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ ہندوستان میں جن لوگوں نے عربی زبان وادب کے ارتقاء میں نمایاں رول ادا کیا ہے ان میں مولانا فراہی کا نام ضرور شامل ہوگا۔ نظم قرآن اور نظریہ بلاغت کے متعلق مولانا کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ مولانا کی تصانیف قرآنیات اور ادبیات سے مملو ہیں، مفردات القرآن اور اسالیب القرآن مولانا کی دو ایسی کتابیں ہیں جن کی مثال عربی دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مقدمہ نظام القرآن، تفسیر نظام القرآن اور تعلیقات (حواشی قرآن) میں بے شمار شعری مباحث اور ادبی گوشے پھیلے ہوئے ہیں۔ قدیم قرآنی مصادر اور عربی شاعری پر مولانا کی گہری گرفت تھی۔ مقالہ نگار کی یہ فروگزاشت حد درجہ قابل تاسف ہے۔

مقالہ نگار نے سیرت پاک پر لکھی جانے والی تصانیف کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ جو موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے حد درجہ مفید ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ شاعر کے باب میں اسلام کا کیا نقطہ نظر ہے باب کے آخر میں نعت گوئی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

ساتواں باب کتاب کا آخری باب ہے۔ یہی باب اس مقالہ کا حاصل اور نتیجہ بحث ہے۔ اس میں مقالہ نگار نے پانچ فصلیں قائم کی ہیں اور نہایت سلیقے سے شعراء کی زمانی ترتیب کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں آٹھویں صدی ہجری سے بارھویں صدی تک کے شعراء کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ ہندوستان کے سب سے قدیم نعت گو شعراء ہیں۔ یعنی یہ وہ شعراء ہیں جنھوں نے اس صنف کی تعمیر وتاسیس میں حصہ لیا اور اس کے استحکام واستقلال میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ فصل اول میں گیارہ شعراء شامل ہیں۔ دوسری فصل کا آغاز تیرھویں صدی کے ابتداء سے ہوکر اسی کے انتہا پر ختم ہوا ہے اس میں نو شعراء شامل ہیں۔ تیسری فصل میں چودھویں صدی کے

نصف کے اکیس شعراء زیر بحث ہیں۔ چوتھی فصل میں جدید شعراء شامل ہیں جس کی ابتداء چودھویں صدی کے نصف آخر سے ہوکر اسی کے انتہا پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں بائیس شعراء پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس باب کی آخری فصل معاصر شعراء پر مشتمل ہے۔ جس میں سات شعراء کا کلام شامل ہے۔ اس طرح اس باب میں ستر ہندوستانی عربی نعت گو شعراء کے کلام کے ساتھ ساتھ ان کی حیات وخدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالہ نگار ڈاکٹر ندوی کا خیال ہے کہ یہ تحقیقی مقالہ ہندوستان میں عربی نعت گوئی پر تنہا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ یہ کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد اور پہلا ہے۔ اب تک اتنے اہتمام، اتنی تفصیل وتوضیح اور تحلیل وتجزیہ کے اعتبار سے کوئی دوسرا تحقیقی مقالہ اس موضوع پر نہیں ملتا۔ اس کی تیاری کے سلسلے میں مقالہ نگار نے اپنی ذاتی مصارف سے ہندوستان کے ان تمام شہروں کے پھیرے لگائے جہاں انھیں اپنے موضوع سے متعلق مواد ملنے کی امید تھی۔ مختلف لائبریریوں، متعدد اداروں اور بے شمار ذاتی کتب خانوں سے ایک ایک تنکا چن چن کر ایک مقدس نشیمن کی تعمیر کر ڈالی۔ یقیناً مقالہ نگار ستائش کے مستحق ہیں کہ انھوں نے شعراء کے کلام اور ان کے احوال وکوائف کے جمع کرنے میں بڑی جانفشانیوں کا سامنا کیا ہے۔ شعراء کے کلام پر بڑا اچھا تلا تبصرہ بھی کیا ہے۔ جس سے مقالہ نگار کی تنقیدی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اتنے بڑے اور مقدس کام کی تکمیل کی توفیق انھیں اس لیے نصیب ہوئی کہ وہ ایک سچے عاشق رسول ہیں۔ اور ان کا یہ عشق شرک سے منزہ ہے۔ انھیں اپنے حبیب سے غیر معمولی تعلق ہے۔ اسی سودائے جنوں نے انھیں ایسا عزم صمیم اور بلند حوصلہ عطا کیا کہ اس قدر ان کے اجتہاد وانہماک نے انھیں منزل مقصود تک پہنچایا۔ یہ ایسا اضطراب، ایسا اشتیاق اور ایسی تحریک وتشویق ہے کہ جسے انتہا ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ دینی اور علمی و ادبی حیثیت سے یہ کام ہمیشہ قابل ذکر رہے گا اور مقالہ نگار کے لیے توشہ عقبی بھی ثابت ہوگا۔ مقالہ میں مذکورہ شعراء کے دو دو اشعار تراجم کے ساتھ دیئے جارہے ہیں تا کہ ہمارے اردو قارئین بھی عربی نعت گو شعراء کے کلام سے محفوظ ہوسکیں۔

لــه الـمـكــارم أبهــى مــن نجوم دجى
لــه الــعــزائـم أمـضـى مـن قنـاالبطل

(آپؐ کے اخلاق تاریکیوں کے تاروں سے بھی زیادہ روشن ہیں اور آپؐ کے عزائم بہادروں کے نیزوں سے زیادہ چمکدار ہیں۔)

أردت مــدح نبــي الـلـــه مـجتهـداً
حتـى عـجـزت فـقـال الـعـقـل لي فقل

(اللہ کے نبی ﷺ کی مدح سرائی کی میں نے ہر ممکن کوشش کی۔ یہاں تک کہ عاجز آ گیا تو عقل نے مجھ سے کہا کہ بس کہتے رہو۔)

(قاضی عبدالقادر الکندی الدہلوی: ۷۰۳۔۷۹۱ھ)

بـالـعـلـم مـكـتـنـف بـالـحـلـم متصف
بـالـلـطف مـلـتـحـف بـالبـر متسـد

(آپ ﷺ علم سے آراستہ، بردباری سے متصف، نرمی سے وابستہ اور نیکی سے متسم تھے۔)

بـالـخـلـق مـشـتـمـل بـالرفق مكتمل
بـالـحـق مـتـصـل بـالـصـدق مـنـفـرد

(آپ ﷺ اعلیٰ کردار کے حامل تھے، آپؐ کی ذات سے نرمی عیاں تھی، آپ ﷺ حق سے متصل اور سچائی میں منفرد تھے۔)

(احمد بن محمد التھانیسری: ۷۳۲۔۸۲۰ھ)

رســـول كـــريـــم نبــي نبيـــه
رفيــع شــفيــع عـــزيـــز وجيـــه

(آپ ﷺ صاحب کرامت رسول اور صاحب شرافت نبی ہیں، صاحب مرتبت، صاحب شفاعت اور صاحب قوت ہیں، اور بہت خوبصورت ہیں۔)

نــطــق الـــحــجــر لــجـلالــه
صــلـــوا عـــلـيـــه وســلـــمـــو!

(آپ ؐ کی جلالتِ شان کے باب میں پتھر بھی گویا ہوا، مستقلاً آپ ﷺ پر درود بھیجتے رہو۔)

(شیخ عبدالحق دہلوی: ۹۵۸۔۱۰۵۲ھ)

یــا رســول الـلـه حبـانـي بـالـلـقـاء
إن تـغـب عـنـي فـقـد جـاء الـقـضـاء

(اے اللہ کے رسول! آپ ؐ مجھے (اپنی) ملاقات سے سرفراز کریں، اگر آپ ﷺ مجھ سے مستقل غائب رہے تو موت آجائے گی۔)

یـا سـحـاب الـجـود یـا بـحـر العطاء
مـرحـبـا یـا نـور عـیـنـي مـرحـبـا

(اے بخششوں کے بادل! اے عطیات کے سمندر! میں آپ کا استقبال کرتا ہوں، اے میری آنکھوں کے نور میں مرحبا کے لیے کھڑا ہوں۔)

(شیخ حسن دہلوی: ۱۰۱۸۔۱۱۰۳ھ)

یـا شـفـیـع الـوریٰ سـلام عـلـیـك
یـا نـبـي الـهـدی سـلام عـلـیـك

(اے مخلوق کی شفاعت کرنے والے تجھ پر سلام ہو، اے ہدایت کے نبی تجھ پر سلام ہو۔)

طـلـع مـنـك کـوکـب الـعـرفـان
انـت شـمـس الـضـحیٰ سلام علیك

(آپ ﷺ کی وجہ سے علم ومعرفت کے ستارے جھلملانے لگے، آپ ﷺ تو شمس الضحیٰ ہیں، آپ ﷺ پر درود وسلام ہو۔)

(سید برکت اللہ عشقی مارہروی: ۱۰۷۰۔۱۱۴۲ھ)

فـمـن شـاء فـلـیـذکـر جـمـال بثینة
فـمـن شـاء فـلـیـغـزل لـحـب الـمـزیـانـب

(جو چاہے بثینہ کے حسن و جمال کا چرچا کرے اور جو چاہے معشوقین کی محبت میں غزل سرا رہے۔)

سأذكر حبي للحبيب محمد
اذا وصف العشاق حب الحبائب

(عنقریب (اپنے) حبیب محمد ﷺ سے اپنی محبت کا ذکر چھیڑوں گا، جس وقت عاشقین محبوباؤں کی محبت کا ذکر کریں گے۔)

(شاہ ولی اللہ دہلوی: ۱۱۱۴ـ۱۱۷۶ھ)

هو الرسول أضاء العالمين به
رسم الضلالة والبدعات منهدم

(وہ ایسا رسول ہے جس نے اپنی ذات سے جہانوں کو روشن کردیا، ضلالت کی رسم اور بدعات منہدم ہوگئیں۔)

ذاك الذي أشرقت أرض الزمان به
شمس المراتب بحر الجود محترم

(یہ وہی شخصیت تھی جس کے ذریعہ زمین نے زمانے کو روشن کردیا، یہ شخصیت مراتب میں سورج کے مانند اور سخاوت میں دریا کے مثل تھی اور نہایت قابل احترام ہے۔)

(عبدالسلام ہزاروی: ۰۰۰ـ۱۱۷۷ھ)

غبار نعليه كحل في بصائرنا
جنابه مستطاب منتهى الطلب

(آپ ﷺ کے نعلین شریفین کی گرد ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ آپؐ کے جناب حاضری حد درجہ طیب ہے اور یہی آخری خواہش ہے۔)

مدينة المصطفى دامت بمكرمة
كم من كرام بها من مدركي الصحب

(حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مدینہ ہمیشہ محترم رہے گا۔ اس کے بہت سے شرفاء کو صحابہ کرامؓ کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔)

(غلام علی آزاد بلگرامی: ۱۱۱۶۔۱۲۰۰ھ)

صـارت بـحـبـل متيـن لا انـفـصـام لـه

خيـام أخبـاره مـمـدودة الـطـنـب

(وہ ذات عالیہ مضبوط رسی کے مانند ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے، اور اس کی خبروں کے خیمے ہر تباہی سے محفوظ ہیں۔)

أزل يـاطبيـب الـروح والـجـسـم علتي

أقـل يـا شـفيـع الأنـس والحق عثرتي

(اے طبیب! میرے روحانی اور جسمانی مرض کو ختم کردے، اے جن وانس کی شفاعت کرنے والے! میری کٹھنائیوں کو دور کردے۔)

(سید باقر مرتضٰی شافعی دیلوری مدراسی: ۱۱۵۸۔۱۲۲۰ھ)

يـا احـمـد الـمـخـتـار بازيـن الـورى

يـا خـاتـمـاً لـلـرسـل مـاأعـلاكـا

(اے احمد مختار، اے مخلوق کی زینت! اور اے خاتم الرسل! کس چیز نے تمہاری ذات کو بلند کردیا؟)

واسـتـمـسـك الـروح الأمـيـن ركـابـه

فـي سيـرة واسـتـخـدم الاملاكـا

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے وقت روح امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو تھامے ہوئے تھے، اور ملوک وسلاطین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام بن گئے۔)

(شاہ رفیع الدین دہلوی: ۱۱۶۳۔۱۲۳۳ھ)

فـمـدحـك رقيـتـي وشـفـاء دائـي

اذا مـا خـضـت فـي لَـجَـجِ الـسـقـام

(جب میں ہجوم امراض میں ہوتا ہوں تو آپ ﷺ کی مدح سرائی میرا تعویذ اور میری بیماری کی شفا بن جاتی ہے۔)

مواهبك التي لا نقص فيها
بها ربيت من قبل الفطام

(آپ ﷺ کے عطیات میں کوئی نقص نہیں ہے۔ عہد شیر خواری سے قبل اس سے سیراب ہوا۔)

(شاہ عبدالعزیز دہلوی: ۱۱۵۹۔۱۲۳۰ھ)

يا شفيع العباد خذبيدي
أنت في الاضطرار معتمدي

(اے بندوں کے شفیع! آپؐ میرے دست گیر بن جائیں، آپؐ ہی تو پریشانیوں میں میرا سہارا ہیں۔)

ليس لي سواك اغث
مسني الضر، سيدي سندي

(آپ ﷺ کے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے، جسے مصیبت میں پکاروں، اے میرے آقا! آپ ہی میرا ٹھکانہ ہیں۔)

(مفتی الٰہی بخش کاندھلوی: ۱۱۶۳۔۱۱۴۵ھ)

وسلمت الانعام والطيور والحصى
عليه كذا الاشجار والحجر الصلد

(حیوانات، چڑیوں اور کنکریوں نے آپ ﷺ پر سلام بھیجا، اسی طرح درختوں اور چٹانوں نے بھی آپ ﷺ پر سلام بھیجا۔)

دعاه اله الخلق يطلب قربه
دنا منه شوقاً والسرادق متقد

(خدائے خلق نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی قربت کے لیے بلایا، آپؐ محبت

میں اللہ سے قریب ہوئے درآں حالیکہ شامیانہ سایہ دار درخت کے مانند چمک رہا تھا۔)

(شیخ ضیاء الدین مدراسی: ۰۰۰-۱۲۵۱ھ)

سبحـــان ربـی قـد وصـلـت بـطـيـبـه

بـعـــد اشـتـيـــاقـــي أن أزور بتـــربة

(میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ میں آپ ﷺ کی وادی طیبہ میں موجود ہوں، شوق کی تکمیل کے بعد اولاً آپ ﷺ کی تربت کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔)

لأحـمـد الـمـخـتـار أرسـل خـاتـمـا

لـلأنبيـــاء نـحـــو البـريـة كـــافة

(احمد مختار ﷺ کو تمام امت کے لیے آخری نبی کی حیثیت سے بھیجا گیا۔)

(شیخ امین الدین کاکوروی: ۱۱۶۳-۱۲۵۳ھ)

لـــه قـلـب كـمـصبـاح مـنـيـر

ولـلـقـرآن سيـرتـه مـعـانـي

(آپ ﷺ کا دل روشن چراغ کے مانند ہے اور آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ قرآن کریم کے لیے مفاہیم کا درجہ رکھتی ہے۔)

عـزيـز ذو الـمـكـارم والـمـعـالـي

رفيـع الـقـدر مـرتـفـع الـمـكـان

(آپ ﷺ نہایت مضبوط ،اعلیٰ اخلاق واقدار، عظیم الشان منزلت اور گرانقدر حیثیت کے مالک ہیں۔)

شیخ نصیر الدین دہلوی: ۰۰۰-۱۲۶۶ھ)

ملك الورىٰ بكماله وهب الهدى لرجاله

سمح العلى لعياله قد ر الندى بنواله

(آپ ﷺ اپنے کمال سے مخلوق پر چھا گئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو ہدایت سے نوازا، اپنے گھرانے کو بلندی عطا کیا اور آپ ﷺ کی نوازشوں سے شبنم کا

تقاطر ہوا۔)

برع العوالم كلها ملك المكارم

جمع المحاسن جمعها بجماله وجلاله

(علم وفضل اور حسن کے اعتبار سے آپ ﷺ کو تمام عالم پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ اخلاق کریمانہ کے مالک، اور مجموعۂ محاسن ہیں، یہ تمام صفات حسنہ آپ ﷺ کے اندر آپ ﷺ کے جمال وجلال کے سبب ہے۔)

(شیخ فیض احمد بدایونی: ۱۲۲۳۔۱۲۷۴ھ)

علا زفيري ودفع العين ينحدر

وبلني الدمع، والاحشاء تستعر

(میری آہ بلند ہوئی، اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور آنسوؤں میں ڈوب گیا اور پسلیاں (شعلوں) کی طرح بھڑک رہی ہیں۔)

كان ليلى يوم الفصل متصل

فماله دونه صبح ولا سحر

(میری رات روز جزاء سے متصل ہے اور جس کی صبح نمودار ہونے والی نہیں ہے۔)

(شیخ فضل حق خیر آبادی: ۱۲۱۲۔۱۲۷۸ھ)

فبحبه أرجوا النعيم بجنة

وخطيت في الدنيا بعيش أرغد

(آپ ﷺ سے محبت کے عوض میں جنت میں آسودہ حالی کا خواستگار ہوں اور اسی کے سبب دنیا میں نہایت خوشگوار زندگی بسر کی۔)

في فرحة من حبه ومسرة

لازلت مذادعى باسم محمد

(اسم محمد سے وابستگی اور اس سے محبت کی وجہ سے مستقلا میں فرحاں وشاداں رہا۔)

(محمد یعقوب نانوتوی: ۱۲۴۹۔۱۳۰۲ھ)

هو الجود كل الجود لاجود دونه
فطوبى لمن يرجوه من هالك رد

(تمام سخاوتیں آپ ﷺ سے وابستہ ہیں اور ہر سخاوت آپ ﷺ کے حضور بے معنی ہے۔ چنانچہ فنا ہونے والی مخلوق میں سے وہ شخص لائق مبارک باد ہے جس نے آپ ﷺ سے امید وابستہ کی۔)

هو الغيث كل الغيث لاغيث مثله
فيروى لمن يدعوه من ظمي صد

(آپ ﷺ تمام فیاضیوں میں پیش پیش ہیں آپ ﷺ کی فیاضی بے مثال ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان رو کے ہوئے پیاسوں کو سیراب کیا جس نے آپ کو آواز دی۔)

(فیض الحسن سہارنپوری: ۱۲۲۸ـ۱۳۰۴ھ)

لــه خـلـق كـريـم المسك فـاحـا
وأن الـلـه أعـطـاه كـفـاحـا

(آپ ﷺ کی صفات ستودہ مشک کی ایسی خوشبوؤں میں بسی ہوئی ہیں جو پورے معاشرے کو معطر کررہی ہے اور اللہ نے آپ ﷺ کو قوتِ دفاع سے نوازا تھا۔)

هـو الـداعـي عـلـيـه الـلـه صلى
هـو الهـادي ومـن عـاداه ضـلا

(آپ ﷺ ایک ایسے داعی ہیں جس پر اللہ نے سلامتی بھیجی اور آپ ﷺ ایسے ہادی ہیں کہ آپ ﷺ سے عداوت رکھنے والا گمراہ ہے۔)

(مفتی عباس لکھنوی: ۱۲۲۴ـ۱۳۰۶ھ)

قـلـبـي يـطـيـر الـى طيـور مـروجـهـا
والــى جــوار ريــاضـهـا الــغـنـاء

(میرا دل سرزمین حجاز کی چراگاہوں کی چڑیوں کی طرف پرواز کررہا ہے، اور وہ اس کے گھنے اور شاداب باغات کے دامن میں سکونت کا خواستگار ہے۔)

لیس البلوغ بأرضها فی قدرتی
شتان بین الهند والزوراء

(سرزمین حجاز تک رسائی میری قسمت میں نہیں ہے ہندوستان اور اس دور دراز علاقہ کے مابین ایک طویل مسافت ہے۔)

ان بات جسمی نازحاً عن أرضها
فالقلب فیها عمدة الوکلاء

(اگر میرا جسم سرزمین حجاز سے مستقل دور رہا، تو دل وہاں کے باب میں (میرا) سب سے اچھا ترجمان ہے۔)

(نواب صدیق حسن خاں قنوجی: ۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ)

ثم الصلوة علی خیر البریة من
آیاته ظهرت فی الشمس والقمر

(پھر اس اشرف المخلوقات پر درود وسلام ہو جس کی بعض نشانیاں سورج اور چاند میں ہویدا ہوئیں۔)

أزکی صلوة نفوق المسك فی أرج
وتنشط الروح من أضوائها العطر

(آپ ﷺ پر ایسے نہایت پاکیزہ سلاموں کی بارش ہو جس سے مشک کی خوشبو پھیلتی ہی اور اس کی معطر روشنیوں سے روح بھڑک اٹھتی ہے۔)

(قاضی ملا محمد پشاوری: ۰۰۰۰۔۱۳۱۰ھ)

نطق السماء بعظمته لمع الضیاء بقدرته
شهد الحجاز بوحدته لما رأی متعاته

(فلک آپ ﷺ کی عظمت کا قائل ہے۔ آپ ﷺ ہی کے سبب ماحول

روشن ہو گیا، سرزمین حجاز نے آپ ﷺ کی خصوصیات کو دیکھ کر آپ ﷺ کی انفرادیت کی شہادت پیش کی۔)

احمد محمد اسمه خلق عظيم وسمعه
صلوات ربي قسمه مع فضل تسليماته

(آپ ﷺ کا نام نامی احمد محمد ہے، آپ کی علامت عادت حسنہ ہے، آپ ﷺ کی قسمت میں اللہ کی جانب سے آپ ﷺ پر سلام ہی سلام ہے اور یہ سلام آپ ﷺ پر کثرت سی ہوتا ہے۔)

(شیخ احمد گجراتی: ۱۲۵۶۔۱۳۱۵ھ)

فلا حيـــاة لقـلـب لـم يـحـــن لـه
والـجـذع حنّ لـه كـالـمدنف السقم

(جس دل میں آپ ﷺ کا عشق نہ ہو وہ دل مردہ ہے اور درخت کا تنا تو آپ ﷺ کی محبت میں (سرشار) رٹ لگائے ہوئے ہے جس طرح قریب المرگ مریض بیماری سے مستقل کراہتا رہتا ہے۔)

وفـاض مـن اصبعيـه الـمـاء منهمرا
حيـاة كـل صدفي القفر مقتحم

(اور آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے سوتے ابل پڑے۔ بربادل کی زندگی بے آب وگیاہ بیابان (سرزمین عرب) سے جڑی ہوئی ہے۔)

(احمد عبدالقادر کوکنی: ۱۲۷۲۔۱۳۲۰ھ)

يـا رب صـلـي عـلى الـحبيب وآلـه
أنـــا فـــأنـــا دائـمـــاً كـمـنـوالـه

(اے میرے رب! دوست اور دوست کے اہل وعیال پر اپنا سلام نازل فرما، میں تو ہمیشہ آپ ﷺ کے طرز حیات کا متبع رہا۔)

لا شـــان لـــي قسـمـــاً بشـــان جـمـــالـه
غيـــر الـهيـــام بـــذكـــر وخيـــالـــه

(بخدا آپ ﷺ کی شان جمال کے سامنے میری حیثیت غیر عاشقین کی سی نہیں ہے۔ میں آپ ﷺ کے ذکر وخیال میں ڈوبا ہوا ہوں۔)

(یعقوب قادری دہلوی: ۰۰۰۔۱۳۲۴)

فالخلق والخلق کل منه ذو طرف

کالنور فی شقف والنور فی أنف

(پس آپ ﷺ کی جسمانی ساخت اور عادات سب کی سب ٹھیکروں پر پڑنے والی مختلف الاطراف روشنی کے مانند ہے، اور محفوظ چراگاہ پر پڑنے والی روشنی کے مانند ہے۔)

والدر فی صدف والورد فی عرف

کالزھر فی ترف والبدرفی شرف

(اور آپ ﷺ صدف کے گہر کے مانند ہیں اور بلند مقام پر موجودہ گلاب کے پھول کے مانند ہیں۔ پر شباب پھول کے مانند ہیں اور بلند مقام پر پہنچنے والے چاند کی طرح ہیں۔)

والبحر فی کرم والدھر فی ھمم

(اور آپ ﷺ مثل بحر لطف وکرم ہیں اور عزم وارادہ میں زمانے جیسے ہیں۔)

(سید علی تستری حیدر آبادی: ۱۲۵۲۔۱۳۲۴ھ)

نبی نور عین الأنبیاء

نبی مونس للاتقیاء

(ہمارے نبی ﷺ انبیاء کرام کی آنکھوں کے نور ہیں، اور ہمارے نبی ﷺ متقی حضرات کے چاہنے والے ہیں۔)

ھو السباح فی بحر المعانی

ھو الانسان فی عین الرضاء

(آپ ﷺ حکم ومعانی کے سمندر کے تیراک ہیں، اور آپ ﷺ ہر دلعزیز انسان ہیں)

(عبدالحفیظ کاکوری: ۰۰۰-۱۳۲۴ھ)

یــا عیـن فیـض الـلــه والعـرفـان
یسـعـی الیك الـخـلق کـالـظـمـآن

(اے آنکھ! اللہ کا فیض وعرفان جاری ہے، آپ ﷺ کی جانب تمام مخلوق پیاسے کے مانند بھاگی جارہی ہے۔)

قــوم رأوك وأمــه قــد اخبــرت
مــن ذاك البــدر الـذی أصبــائـی

(قوم نے آپ ﷺ کا مشاہدہ کیا اور امت محمدی نے اس چاند کے طلوع ہونے کی خبر دی جس نے مجھے روشنی بخشی۔)

(مرزا غلام احمد قادیانی: ۱۲۵۶-۱۳۲۶ھ)

إلـی مـا أری یـا طیب منك التراخیا
وقـد حـل وحـط الشیب بالرأس ثاویا

(ای وادئ طیبہ! تمہاری جانب سے کب تک تاخیر کا سامنا کرتا رہوں گا، جب کہ بڑھاپا سر میں داخل ہو کر اپنی جگہ بنا چکا ہے۔)

وعـض عـلـی مـافـات مـنـك أنـا ملا
وفـجـر مـن الـعیـن الـدمـوع الهوامیا

(تمہاری جانب سے آنے والی جن چیزوں کو کھو چکا ہوں اس پر انگلی کاٹ رہا ہوں اور آنکھ سے اشک رواں جاری ہے۔)

(عبدالحیؒ کفلیتوی: ۱۲۸۳ء-۱۳۳۱ھ)

فـإنك شـمـس یستـضـاء بـنـورهـا
ومـا کـل شیئ یـقبـس الضوء صافیا

(پس آپ ﷺ تو سورج کے مثل ہیں جس کے نور سے اکتساب کیا جاتا

ہے، اور ہر ہر شی ڈھلی ہوئی چاندی کو سمیٹ رہی ہے۔)

أتيتك أرجو من نوالك رشحه
وما خاب مستسق أتى البحر صاديا

(میں آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کی بخشش سے امید لگائے ہوئے آیا کہ وہ لٹائی جائے گی، شدید پیاس سے دوچار پانی نگینے والا سمندر کے پاس آکر مایوس نہیں ہوا۔)

(عبدالمنعم چاٹگامی: ۱۲۶۵۔۱۳۳۳ھ)

الٰهي يا مجيب المستهام
سألتك بالنبي فخر الأنام

(اے میرے پروردگار! تو مریض لاغر کا جواب دینے والا ہے، اے رب العزت! میں نے تم کو نبی کریم کے حوالے سے پکارا ہے جو فخر انام ہے۔)

حبيبك مصطفى الصدر المعلى
رسولك سيد الرسل العظام

(آپ ﷺ کے حبیب مصطفیٰ کا سینہ بلند ہے اور آپ کے رسول عظیم ترین رسولوں کے سردار ہیں۔)

(عبدالنبی گجراتی: ۰۰۰۔۱۳۳۶ھ)

لا أختشى من باسهم
يدناصري أقوى يد

(میں لوگوں (دشمنان اسلام) کی قوت سے نہیں ڈرتا ہوں، میرے ناصر ومددگار کا ہاتھ مضبوط ترین ہاتھ ہے۔)

إن زاد آدم قدراً عند مولده
فكم اب يعتلى قدأ بمولود

(آنحضور ﷺ کی ولادت باسعادت سے حضرت آدم کے رتبے میں اضافہ ہوا کتنے ہی والد اپنے بیٹوں کی وجہ سے بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔)

(مفتی احمد رضا خاں بریلوی: ۱۲۷۲ـ۱۳۴۰ھ)

ولولاك ما انهلت على الخدر أدمعى
لتذكار ما الروحاء تحويه من احوى

(اور اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو تنہائی میں اشکبار نہ ہوتا، اس کے اس بیشمار اخلاق کا بار بار ذکر کر کے جو اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔)

فأنت الحبيب الواجب الحب والذى
سريرة قلبى دائماً عنه لاتطوى

(پس آپ ﷺ تو ایسے حبیب ہیں جو واجب الاحترام ہیں اور جن کے لیے میرے دل کی چارپائی ہر وقت بچھی رہتی ہے۔)

(حبیب ابوبکر بن شباب علوی حیدر آبادی: ۱۲۶۲ـ۱۳۴۱ھ)

أنظر الى أفضاله يعطى بكل مناله
يسقى الامم بزلاله يمينه وشماله

(آپ ﷺ فیاضیوں کی طرف نگاہ اٹھاؤ، آپؐ ہر شی لٹانے کے لیے تیار ہیں۔ اپنے آبِ زلال سے اپنے گردونواح کے لوگوں کو سنہرا کر رہا ہے۔)

الزم دوام خياله مافى الورى بمثاله
هو فى الأزل كهلاله بدر نهاية حاله

(اس کے خیالوں میں بس جاؤ جس کی مخلوق میں کوئی مثال نہیں ہے، وہ ازل میں پہلی کی چاند کی طرح تھے جو اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔)

(محمد خلیل الرحمان برہان پوری: ۱۲۵۴ـ۱۳۴۲ھ)

كالورد زهرته والمسك نكهته
والبدر طلعته والدر منطقه

(آپ ﷺ کا گل مثل گلاب ہے اور اس کی خوشبو مشک جیسی، آپ ﷺ کا نزول طلوع بدر کامل ہے اور گفتگو موتیوں کے مانند ہے۔)

ولــــولا رواح ريـــحـــان لــديـــه
مــــراح لـيـــس يـبـــرح وارتيـــاح

(اور آپ ﷺ کے پاس لوگوں کے لیے بہترین خوشبو ہے۔ یہ مقام عالی اور اس کی سلامتی غیر معدوم ہے۔)

(محمد وحید الدین حیدر آبادی: ۱۲۸۸۔۱۳۴۴ھ)

ولــكــن ان خــلـطــت بــه زمــانـا
نــضــرت بــحـبـــه فــي الانتهـــاء

(اور اگر کچھ وقت میں آپ ﷺ شخصیت سے وابستہ تو آپؐ کی محبت کے عوض میں اخیر تک خوشحالیوں میں گزارا۔)

لــــم يسـلـك طــريــقــا قــط الا
ومسك مــنـــه ينتشــر فــي الـهـواء

(اور وہ جس کسی راستے کو طے کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے ہوا مشکبار ہوجاتی ہے۔)
(عبدالرزاق گوپا موی: ۱۲۷۳۔۱۳۴۸ھ)

واجــود مــن ريـح الـغـداة اذا حـرت
نسيـمـاً يـفـوح الـمسك مـنـهـا تضوعاً

(اور وہ تو صبح سویرے چلنے والی اس باد نسیم سے بھی زیادہ لطیف وکریم ہے جس کی وجہ سے فضا مشک کی خوشبو بکھیرتی ہے۔)

وجـهــه كــالـبـدر أو شـمـس الضحى
صـــدره مشـــكـوة انـوار الـــرسل

(آپ ﷺ کا چہرہ بدر کامل کے مانند ہے یا شمس الضحیٰ کے طرح، اس کا سینہ رسولوں کی روشنیوں کا طاق ہے۔)

(حبیب الرحمان عثمانی: ۰۰۰۰۔۱۳۴۸ھ)

هـو الـمـصـطـفـى بين النوادي بحكمة
هـو الـمـجـتـبى فـي العلم بين المجامع

(وہ مجلسوں میں اپنی حکمت کے پیش نظر مصطفیٰ بنا ہوا ہے اور اکیڈمیوں میں اپنے علم وفضل کی وجہ سے مجتبیٰ بنا ہوا ہے۔)

إذا جاء بالنطق الفصيح كأنه
بليغ عريب بارع في المصاقع

(جب آپ ﷺ اپنی فصیح گفتگو کے ساتھ آئے تو اندازہ ہوا کہ آپ ؐ بلغاء میں ایک نادر اور منفرد قسم کی بلیغ ہیں۔)

(سید اشرف شمسی حیدر آبادی: ۱۲۸۰۔۱۳۴۹ھ)

للمومنين جناح الرفق يخفضه
مثل الأب البر بالاولاد قد رفقا

(مومنین کے لیے آپ ﷺ نے اپنے نرم بازو کو جھکا دیا۔ جس طرح ٹھیک باپ نے اولاد کے ساتھ نرمی برتی۔)

زينب مثل عروس كل أرملة
كان الرداء عليها الصوف والخرقا

(آپ ﷺ نے ہر بیوہ کو دلہن کی طرح آراستہ کیا، جس کے جسم پر پرانے دھرانے کپڑے تھے۔)

(سید محمد حسینی کابوی: ۱۲۷۹۔۱۲۵۱ھ)

وبوجهه تستنزل البركات من
فوق السماء فأيده بأياد

(آپ ﷺ کی وجہ سے آسمان سے برکات کا نزول ہو رہا ہے، اور اللہ نے آپ ﷺ کی (غیبی) ہاتھوں سے مدد کی۔)

وبه النجاة وعصمة من أزمة
وبه حياة طيبة لبلاد

(اور آپ ﷺ کے سبب بحران سے تحفظ اور نجات ملی ہوئی ہے، اور آپ کی

بناء پر شہروں میں خوشگوار ماحول ہے۔)

(علامہ انور شاہ کشمیری: ۱۸۷۵ـ۱۹۳۳ء)

صلاتـــه دومـــا عـلـــى
خيـــر الانـــام مـــحـــمـــد

(خیر الوری محمد ﷺ پر مستقلاً اس کی برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔)

والآل والاصـــحـــاب هـــم
مـــاوای عـــنـــد شـــدائـــد

(اور اہل بیت اور صحابہ کرامؓ پر مستقل درود وسلام ہو، آپ ﷺ مصائب میں میری پناہ گاہ ہیں۔)

(احمد حسین رسولپوری: ۱۲۸۸ـ۱۳۵۹ھ)

فـضـلـك لا يـحـد و لا يـحـصـى
خـــاتـم الانبيـــاء سـلام عـليك

(آپ ﷺ کا فضل غیر محدود اور لاتعداد ہے۔اے خاتم الانبیاء تم پر سلام و درود ہو۔)

(سید محمد مخدوم حسینی قادری: ۱۲۹۸ـ۱۳۶۴ھ)

والـنـفـس فـي رهـق والروح في رمق
والـقـلـب فـي قـلـق والـعـين في سـهـد

(او جان گناہ میں ہے، روح عذاب میں ہے، دل اضطراب میں ہے اور آنکھ کم خوابی کی مرض میں ہے۔)

زديـا غـلـيـلـى فـزدو اشتديا ظمأى
مـن إشـتـدادك لا اشـكـوالـى احـد

(اے میرے مرض تو اپنا سلسلہ دراز کر اور اے میری پیاس تو سخت سے سخت ہو جا، لیکن تمہاری شدت کی شکایت کسی سے نہیں کروں گا۔)

الا الـى مـن سـقـت جيشـاً لصابعه
وكـان الـفـا ونـصـف الالف فـى العدد

(مگر ایک ایسے شخص سے جس کی انگلیوں نے پوری ایک فوج کو سیراب کیا، اور جو فوج ڈیڑھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔)

(عبدالرحمٰن امروہی: ۰۰۰۰۔۱۳۶۷ھ)

ثم الصلوٰة على الذي قد جاء نا
بشريعة غراء ذات أمان

(پھر درود وسلام اس شخصیت پر جو ہمارے لیے روشن شریعت لے کر آیا جو امن وسکون کی داعی تھی۔)

بيضاء صافية نقي لونها
عن عصمة التحريف والنقصان

(یہ ایک صاف شفاف شریعت ہے اور اس کا رنگ بے داغ ہے اور وہ تحریف اور نقص سے پاک ہے۔)

(مفتی کفایت اللہ دہلوی: ۱۲۹۲۔۱۳۷۲ھ)

رسول الله خذ بيدي فاني
جريح لا لجرحته التئام

(اے اللہ کے رسول! میرا ہاتھ تھام لیں، کیوں کہ زخم خوردہ ہوں اور اس زخم کے اچھے ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔)

رسول الله فارحمني فاني
غريب هائم ولي الهيام

(اے اللہ کے رسول! مجھ پر رحم فرما، کیوں کہ میں درماندہ اور پیاسا ہوں اور میری پیاس نہایت شدید ہے۔)

(شیخ محمد اعزاز علی امروہی دیوبندی: ۱۳۰۰۔۱۳۷۲ھ)

سلام طيب مثل الغواني
سات متغردات في الجنان

(پاکیزہ درودوسلام (آپ ﷺ کی ذات اقدس پر) باغ میں مستقل چہچہاتی ہوئی چڑیوں کی طرح۔)

علی من قد ترقی حضرة اللہ
دنی ثم تدلی بالدھان

(اس ذات عظیم پر جواللہ کی جناب میں حاضر ہوا، قریب ہوا۔)

(قاضی عبدالرحمٰن گجراتی: ۰۰۰۔۱۳۷۳ھ)

ومن فی الناس افصح منك لفظاً
وابلغ منك معنی یستضاء

(اورلوگوں میں لفظی اعتبار سے کون آپ ﷺ سے زیادہ فصیح تھا اورمعنوی اعتبار سے کون آپ ﷺ سے زیادہ بلیغ تھا کہ جس سے استفادہ کیا جائے۔)

شمائل تستمیل بھا قلوبا
فتأنس بالخطاب منھا تضاء

(آپ ﷺ کے کردار سے دل مائل ہوتے تھے اور خطاب سے مانوس ہوتے تھے اور اسی سے روشنی ملتی تھی۔)

(اصغرعلی روحی: ۱۲۸۶۔۱۳۷۴ھ)

وما ھو الا المصطفی سید الوری
محمدن الھادی النبی المبجل

(اور آپ ﷺ ہی مصطفیٰ اور سید الوریٰ ہیں محمد ﷺ ہادی اور خوش کرنے والے نہیں ہیں۔)

وکان نبیاحین آدم لم یکن
لہ فی عروق الطین والماء ھیکل

(اور آپ ﷺ تو اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدمؑ کا (سرزمین پر) وجود بھی نہیں تھا۔)

(سید ابراہیم رضوی: ۱۲۹۵۔۱۳۷۷ھ)

لـمـا استنارت نجوم الدين بازغة
وضـاء انـوارهـا للسهل والجبل

(جب دین اسلام کے ستارے طلوع ہوکر روشن ہوئے تو آپ ﷺ نے اس کی کرنوں کو وادی اور پہاڑ میں عام کردی۔)

يـارب صـلـى وسـلـم دائـمـاً ابـداً
عـلـى نبيك هـادى الـخـلـق للسبل

(اے میرے رب تو اپنے نبی پر مستقلاً درود وسلام نازل فرما جو مخلوق کے راستوں کے ہادی ہیں۔)

(فیوض الرحمان دیوبندی: ۰۰۰۔۱۳۷۸)

الـلـه عـاصـمـه، جبريـل خـادمـه
دانـت لـه الـرسـل الأمـجـاد والأمـم

(اللہ آپ ﷺ کا محافظ ہے جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے خادم ہیں، اور تمام پیغمبران عظام اور ملتیں آپ ﷺ کی فرمانبردار بن گئیں۔)

الشـمـس غـرتـه والـلـيـل طـرتـه
تبـدو نـجـوم الـلـيـل حـيـن يبتسم

(سورج آپ ﷺ کی پیشانی اور رات نقش ونگار ہے۔ جس وقت وہ مسکراتا ہے تو رات کے تارے نمودار ہوتے ہیں۔)

(عبدالقادر حیدر آبادی: ۱۲۸۸۔۱۳۸۱ھ)

هـو افـصـح بـمـقـالـه
هـو اكـمـل بـنـوالـه

(آپ ﷺ اپنی گفتگو میں غیر معمولی فصیح ہیں اور اپنی سخاوت میں انتہائی آگے ہیں۔)

هـــو اعـــظـــم بـــجـــلالـــــه
هـــو افـــقـــد بـــمـــقـــالـــــه

(وہ اپنے جلال میں حددرجہ عظیم ہے اور اپنی خطابت میں مکمل فقید المثال ہے۔)

(حامد حسن قادری: ۰۰۰۰۔۱۳۸۱ھ)

سـراج مـنـيـر فـي الـظـلام بـنـوره
أضيئت لـهـدى المنكرين المشاعل

(وہ اپنے نور کے سبب تاریکیوں میں روشن چراغ ہے منکرین کی ہدایت کے لیے تاریکیوں میں چراغ روشن کیے گئے۔)

وقـد جـاهـد الـكـفـار ذبّـا لـديـنـه
واصـحـابـه فـيـه الأسـود الـبـواسـل

(اور آپ ﷺ نے اپنے دین کے لیے کفار سے جنگلی سانڈ کی طرح جہاد کیا اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام دین اسلام میں غضبناک کالے شیروں کے مانند تھے۔)

(عبدالباسط حیدرآبادی: ۱۳۰۵۔۱۳۸۵ھ)

شـرعـه عـذب فـرات مـاء ه
شـربـه غـيـر مـشـوب بـالـكـدر

(آپ ﷺ کی شریعت دریائے فرات کے پانی کی طرح میٹھی تھی اور اسے پیتے ہوئے محسوس ہوتا کہ وہ گندگی سے پاک ہے۔)

يـارسـول الـلـه يـا مـولـى الـورىٰ
يـا نـبـي الـلـه يـا نـعـم الـوزر

(اے اللہ کے رسول! اے مخلوق کے آقا! اے اللہ کے نبی! اور اے بہترین بوجھ اٹھانے والے!)

(محمد طاہر سیف الدین: ۱۳۰۵۔۱۳۸۵ھ)

خـتـام الـسـلام كـمـسـك الـخـتـام
لـخـتـم الـكـرام نـبـي خـتـيـم

(سلام پر خاتمہ مسک ختام کی مانند ہے، شرفاء نے ....)

واصحابه الأصفياء الكرام

مدى الدهر مادام يجري النسيم

(اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ پاکباز اور پاک طینت ہیں جب تک یہ دنیا قائم ہے اور بادنسیم جاری ہے۔)

(محمد ادریس کاندھلوی: ۱۹۰۰ـ۱۹۷۲ء)

واهـا لسيرته فاقت شمائله

ياحسن سيرته تشتاتها المقل

(آپ ﷺ کی سیرت باعث حیرت، آپ ﷺ کے عادات واخلاق بلند ترین ہیں۔)

لـه جمال اذا ما زاره احد

يقول سبحان ربي هل له بدل

(جب کبھی کوئی آپ ﷺ کی زیارت کرے گا تو آپ ﷺ کے حسن کا مشاہدہ کرے گا اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے کہے گا کہ کیا آپ ﷺ کا کوئی بدل ہے؟)

(عبدالمنان دہلوی: ۰۰۰۰ـ۱۳۹۴ھ)

أتانا بنور لن ترى العين مثله

ولم ترحقا مثله من مخبر

(آپ ﷺ اپنے ساتھ ایک ایسا نور لے کر آئے جس کا آنکھ نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا تھا اور اسی طرح کسی مخبر کی طرف سے آپ ﷺ جیسے حق کی مثال نہیں ملتی۔)

أتانا ببرهان من العلم والهدى

فياخير مورود يا خير مصدر

(اے بے مثال گھاٹ اور اے لاجواب منبع ومصدر کے مالک، آپ ﷺ

علم اور ہدایت کی دلیل کے ساتھ ہمارے یہاں تشریف لائے۔)

(ظفر احمد تھانوی: ۱۳۱۰ـ۱۳۹۵)

حسبي شفاعته حسبي وسيلته
لكل هول من الأهوال أخشاها

(آپ ﷺ کی شفاعت اور آپ ﷺ کا وسیلہ میرے لیے ان تمام خطرات کے سلسلے میں کافی ہے جن سے خوف کھاتا ہوں۔)

واها لطيبة لازالت منورة
طابت مشارقها من طيب رياها

(مجھے وادئ طیبہ کی خوبصورتی پر حیرت ہے جو ہمیشہ منور رہنے والی ہے، جس کے اطراف واکناف اپنے حسین مناظر کی وجہ سے پر کشش ہیں۔)

(مفتی محمد شفیع دیوبندی: ۱۸۹۶ـ۱۹۷۶ء)

طاف الخيال من الحبيب فزارا
فاهتز قلب المستهام وطارا

(حبیب خدا ﷺ کا تصور بار بار آرہا ہے چنانچہ تصور نے (آپ کی) زیارت کی۔ اور زیارت کرتے ہی تصور کا دل باغ باغ ہو گیا اور اڑنے لگا۔)

قر العيون بشيمة من برقة
فله الجمال يعجب الأبصارا

(عاملِ پر کشش عادات کی زیارت سے آنکھوں کو قرار ملا، اسے ایک ایسا حسن میسر ہے جس سے نگاہیں متحیر ہو جاتی ہیں۔)

(مولانا یوسف بنوری: ۱۹۰۸ـ۱۹۷۷ء)

يوم تقشع ظلمة ظلماء
وتألق الانوار والأضواء

(آپ ﷺ کے آتے ہی، دل کی تمام سیاہیاں چھنٹ گئیں اور (ہر طرف)

انوار ہی انوار کی چمک دمک ہے۔)

مثل الضحی للفجر منه ضیاء
فتلألأ الآفاق والأرجاء

(آپ ﷺ ضحیٰ کے مانند ہیں، جن سے فجر اکتساب نور کرتی ہے، بس آفاق اور دنیا کے تمام گوشے جھلملانے لگتے ہیں۔)

(مفتی جمیل احمد تھانوی: ۱۳۱۸۔۱۹۰۰ء)

أضاءت طليعة وجه النبي
دياجي كون ضرير دجي

(نبی ﷺ کے چہرے کی ابتدائی کرنوں نے دنیا کے تاریک شدہ وادیوں کی تاریکیوں کو روشنیوں میں بدل دیا۔)

تفور ماحول أم القرى
ببدر منير نقي وضي

(ام القری کے اردگرد کی تمام وادیاں روشن، منزہ اور چمکدار چاند کی بدولت مشک کی خوشبوؤں میں بس گئیں۔)

(امین احمد بن فضل اللہ مدراسی: ۱۳۴۵۔۱۹۲۷ء)

له شكرا على أن قد هدانا
بنور قد جلا منه الفضاء

(ہم اس ذات عظیم کی حد درجہ مشکور ہیں جس نے ہمیں ایک ایسی روشنی کے ذریعہ ہدایت بخشی جس سے پوری فضا دمک اٹھی۔)

لكل من نبي أو رسول
مراتب دونه وله العلاء

(تمام انبیاء ورسل کے مراتب آپ ﷺ سے کم ہیں اور آپ ﷺ کے لیے بلندی ہے۔)

يفوح الهواء بعطر فريد
بذكر الحبيب المطاع المجيد

(اس دوست کے ذکر سے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور جو برتر ہے، ہوا ایک مثالی اور منفرد عطر کی خوشبو فضا میں بکھیر رہی ہے۔)

هو المنور احمد علا قدره
وفي كل سفر أتى ذكره

(آپ ﷺ روشنی ہیں، احمد ہیں اور آپ ﷺ کی منزلت بلند ہے اور ہر کتاب آپ ﷺ کے ذکر سے آباد ہے۔)

(محمد سعید محمد یعقوب مجددی: ۱۳۵۶ھ۔۱۹۳۸ء)

باوصافه الحسنى تطيب قلوبنا
وتهتز شوقا والركائب تطرب

(آپ ﷺ کے اوصاف حسنیٰ کے سبب دل مطمئن ہیں اور وفور شوق میں متحرک ہیں اور سواریاں جھوم رہی ہیں۔)

بمدحك أرجو الله يغفرزلتي
ولو كنت عبداً طول عمري أذنب

(مجھے اللہ سے امید ہے کہ نعتِ رسول ﷺ کے سبب وہ میری گناہوں کو معاف کر دے گا، گو کہ میں طویل العمر اور بہت زیادہ گنہ گار ہی کیوں نہ ہوں۔)

(محمد خواجہ شریف حیدر آبادی: ۱۳۵۹ھ۔۱۹۴۰ء)

ياخاتم المرسل الكرام حبيبنا
فبغير حبك مؤمن لا يكمل

(اے ہمارے حبیب ﷺ! آپؐ خاتم الرسل ہیں، چنانچہ آپؐ کی محبت کی بغیر مومن کامل نہیں ہوتا۔)

معه اللواء والمرسلون جميعهم
يوم القيامة تحته هو حامل

(قیامت کے روز آپ ﷺ جھنڈے کو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور تمام رسول آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔)

(محمد مجیب خاں حیدرآباد: ۱۳۹۰ھ۔۱۹۷۰ء)

فی الحشر یاتیك الوریٰ مستقیا
أنت الذی یسقی بکأس تشبع

(تمام مخلوق پانی کی تلاش میں آپ ﷺ کے پاس آئے گی، آپ ﷺ ایک ایسے گلاس سے پانی پلائیں گے جو آسودہ کردے گا۔)

یاسیدی جمت ذنوبی کثرۃ
أرجو شفاعتك التی ھی أوسع

(اے میرے آقا ﷺ! میرے گناہ بہت زیادہ ہو چلے ہیں، میں آپ ﷺ کی اس شفاعت کا امیدوار ہوں جو بہت وسیع ہے۔)

(سید ضیاء الدین حیدرآبادی: ۱۳۹۲ھ۔۱۹۷۲ء)

پہلی جلد کا اسی پر اختتام ہوا ہے۔ مقالہ نگار کی علمی ریاضت، ادبی کوہ کنی اور تحقیقی جانفشانی کا اندازہ مذکورہ شعراء کرام کے ناموں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ انھیں کن کن عوارض وموانع سے سابقہ پڑا ہوگا۔ مقالہ نگار کی غیر معمولی کاوشوں کا وہی اندازہ لگا سکتا ہے جو خود تحقیق کے دشوار مراحل سے گزرا ہو۔ شعراء کے احوال، ان کے کلام اور ان سے متعلقہ مصادر وماخذ کی تلاش میں کتنے ہفت خواں طے کیے ہوں گے۔ اس نوعیت کا تفصیلی کام ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ ہندوستان کی عربی نعتیہ شاعری کا اتنا قدیم اور اتنا وقیع سرمایہ اب تک علمی دنیا کی نظروں سے پرے تھا۔ مقالہ نگار حد درجہ شکریے کے مستحق ہیں کہ نہ صرف انھوں نے اس پر کام کیا بلکہ اپنی بساط کی حد تک آٹھویں صدی سے ہونے والی عربی نعتیہ شاعری کو ایک دوسری جلد میں جمع کر دیا۔ سچ پوچھیے تو اسے انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ نعتوں کا یہ مجموعہ ۵۰۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آٹھویں صدی ہجری سے اب تک کے ۶۶ شعراء کا

کلام شامل ہے۔ اس جلد کے مطالعے سے ایک بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ ہندوستانی شعراء بھی اس صنف میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ شعراء کے خیالات میں کافی حد تک ہم آہنگی ہے۔ بیشتر شعراء کی تشبیہات میں تشابہ ہے نیز لفظیات، معانی اور تشبیہات وتعبیرات میں دوراول کے عرب شعراء کی اقتداء کی گئی ہے جس کا مقالہ نگار نے خود بھی تذکرہ کیا ہے۔ عرب شعراء کی نعتیہ شاعری سے موازنہ کیا جائے تو یہ کہنے میں مضائقہ نہیں کہ زبان وبیان کی سطح سے یہ شاعری قابل اعتناء نہیں ہے ہندوستان میں اچھے عربی نثر نگار اور محقق تو پیدا ہوئے لیکن اچھے شاعر پیدا نہیں ہوئے۔

عربی نعتوں کے اس مجموعہ کے پڑھنے سے یہ مترشح ہوا کہ ان پر قرآن کریم اور احادیث کے گہرے اثرات ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں آپ ﷺ کے مذکورہ شمائل کا کثرت سے ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے کئی معجزات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں آپ ﷺ کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان کا بھی ذکر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان نعتیہ قصائد میں یہ اشعار بھی ملتے ہیں۔ ایک خاص امتیاز ان نعتوں کا یہ ہے کہ ابونواس کی طرح ان میں بار بار اپنی کوتاہیوں، گناہوں، نقائص اور ملی انحطاط وادبار اور بے راہ روی کا تذکرہ آیا ہے کہ اے اللہ! اپنے محبوب ﷺ کے صدقے میں ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور قوم جو ذلت ونکبت کی حصار میں گھری ہوئی ہے اسے اس سے باہر نکال دے۔ یہ بھی شعراء کا بار بار اعتراف ہے کہ ہم گناہوں سے بوجھل ہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ شفاعت محمد ﷺ سے اللہ ہمیں جہنم سے ضرور بری کردے گا۔ دوسری جلد میں مقالہ نگار کی جانب سے اگر ان نعتوں پر ایک تجزیہ ہوتا تو کیا ہی بہتر ہوتا، تحقیق کا تقاضا تو یہ تھا کہ مقالہ نگار محترم ان نعتیہ اشعار پر تبصرہ کرتے، ان کی ادبی وشعری قدرومنزلت پر بحث کرتے، ان کے مضامین، رجحانات کو موضوع بحث بناتے ان کے رنگ وآہنگ، زبان وبیان اور بہت سے دیگر امتیازات پر اظہار خیال کرتے نیز ہندوستانیت کی نقاب کشائی کرتے، پر افسوس کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگر ریسرچ تھیسس میں تجزیاتی نکات، تنقیدی خیالات اور تحقیقی

احساسات اور تبصراتی کلمات نہ ہوں تو یہ محض تاثراتی عمل ہوگا۔ جامعاتی تحقیقات آج کل اسی دور سے گزر رہی ہے۔ ہماری نگراں حضرات کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ بہت کم ایسے نگراں حضرات ہوں گے جو مقالات کو پڑھتے ہیں۔ اصلاحات کی زحمت کرتے ہیں اور مقالات کو بہتر بنانے کی راہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ کاش یہ ہم سوچتے کہ اس طرح کی تمام کمائی حرام ہے۔ یقیناً ایسے اساتذہ کرام رہزن سے بھی بدتر ہیں۔ بہرکیف مقالہ نگار صدرالحسن ندوی ہزار ہا شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک بڑا کام کر دیا۔ دوسری جلد میں شامل شدہ نعتوں کے حوالے تو ہیں لیکن نامکمل ہیں۔

سابقہ سطور میں یہ بات متعدد بار آچکی ہے کہ جمع وتدوین کے اعتبار سے اس کی ایک اہمیت ہے۔ اور تحقیق کے لحاظ سے یہ کام انفرادیت کا ہرگز حامل نہیں ہے نیز موضوع کے لحاظ سے اسے اولیت حاصل ہے۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر طباعت کے وقت اس کا خیال کر لیا جائے تو اس کی افادیت واہمیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ ایک تو یہ کہ موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے یہاں پر سیرت مبارکہ کے ذکر کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی دوسرے سیرت پاک سے متعلقہ نثری تصانیف کا ذکر بھی بے جوڑ سا نظر آتا ہے۔ اسی طرح چھٹے باب کے بہت سے مباحث مثلاً ہندوستان میں اسلام کی اشاعت، ہندوستانی مصنّفین کی تصانیف، اور شاعری کے باب میں اسلام کا نقطہ نظر کی کوئی ضرورت نہیں تھی، ہندوستانی عربی شناس علماء کے سلسلے میں مولانا فراہیؒ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جب کہ عربی ادب، تفسیر اور عربی تصانیف کی تیاری سے متعلق آپ کی غیر معمولی خدمات ہیں۔ تقریباً چالیس کتابیں ہندوستان اور عرب سے شائع ہو چکی ہیں۔ صاحب دیوان عربی شاعر ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ عثمانیہ کے باب میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ صرف ایک کتاب ''تفسیر سورہ اخلاص'' کے علاوہ آپ کی تمام تصانیف عربی میں ہیں۔ فلسفہ نظم قرآن کا ایک نظریہ کی شکل دینے میں آپ کو اولیت حاصل ہے۔ ''مقدمہ نظام القرآن'' ایک گراں قدر تصنیف ہے۔ علامہ شبلی نے آپ کے نظریہ نظم قرآن پر مجلہ ''الندوہ''

میں اظہار خیال کیا۔ رشید رضا مصری نے مجلّہ ''المنار'' میں مولانا فراہی کی تفسیری عظمت پر روشنی ڈالی ہے۔ یقیناً مقالہ نگار کی یہ بے اعتنائی مقام تاسف کے مترادف ہے۔

مقالہ نگار کو اس چیز پر شدید توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ صرف انہی اقتباسات کو باقی رکھا جائے جو بہت ہی ضروری ہوں، بقیہ اقتباسات کے مفاہیم کو اختصار کے ساتھ اپنے لفظوں میں بیان کر دیا جائے۔ مقالے میں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ چند شعراء جن کا کلام نہیں مل سکا ہے ان کا صرف مقدمہ میں ذکر کر دینا ہی کافی ہوگا۔ کیوں کہ ابواب میں ان کا ذکر کرنا باعثِ افادیت نہیں ہے۔ سوانحی خاکہ کے باب میں قدرے اختصار سے کام لیا جائے، مقالہ میں شعراء کرام کے صرف نعتیہ اشعار ہی نقل کیے جائیں۔ اس کے علاوہ بہت سے غیر متعلقہ اشعار کو نکال دینے پر جامعیت میں اضافہ ہو جائے گا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے فن تک ہی بات کو محدود رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہے چہ جائے کہ قادیانیت کو موضوع بحث بنایا جائے۔ چوں کہ یہ تحقیقی مقالہ ہے اس لیے مقالہ نگار کا تمام تر ارتکاز و اشتغال صرف موضوع پر ہو۔ پڑھتے ہوئے بہ شدت یہ احساس رہا کہ بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کا بار بار اعادہ ہوا ہے۔ مثلاً مبرزین، تولی، مطبوع، عثرنا علی، بارع، منذنعومة أظفاره، متعلقین، عویصه اور ضریبة الحب وغیرہ۔ مقالہ کی ضخامت کے پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات تو ممکن ہے کہ ایک لفظ دو چار پانچ بار آ جائے لیکن اس سے زیادہ آنے پر قاری کو گرانی محسوس ہونے لگتی ہے اور رعنائی وحسن متاثر ہونے لگتی ہے۔ سنین ہجری کا عیسوی میں ذکر ہو جائے تو بہتر ہوتا، یا دونوں دیئے تو انسب ہوتا جن شعراء کے صرف چند اشعار ملتے ہیں ان کا بھی ذکر صرف پیش لفظ میں ہی کر دیا جائے۔ پہلی جلد میں متعدد ایسے شعراء ہیں جن کے اشعار بغیر حوالے کے نقل کیے گئے ہیں مثال کے طور پر ۳۷۴، ۳۸۳، ۳۹۴، ۴۱۱، ۴۱۹، ۴۳۷، ۴۷۵، اور ۴۸۵ صفحات دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس مقالہ کی تیاری میں مقالہ نگار نے عربی کی ۱۴۶، اردو کی ۸۰، فارسی کی

۱۴اور انگریزی کی دو کتابوں[۳] سے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح عربی کے بارہ مجلّات وجرائد اور اردو کے گیارہ مجلّات وجرائد سے مقالہ کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔ یہ کتابیں ہندوستان کے مختلف شہروں کی مختلف لائبریریوں میں موجود تھیں۔ مصادر و مآخذ کی تلاش میں مقالہ نگار کو نہ جانے کتنے ہفت خواں طے کرنے پڑے۔ مقالہ نگار کی یہ مثالی خدمت رہتی دنیا تک قدر ومنزلت کی نظروں سے دیکھی جائے گی۔ کاش کہ انتقادی انداز اپنایا جاتا اور شعراء کے امتیازات واختصاصات کو موضوع بحث بنایا جاتا۔ جامعاتی مقالات میں اگر ناقدانہ اسلوب نہیں ہے تو گویا مقالہ نگار جامعات اور کالجز کے فرق سے واقف نہیں ہے۔ اس مقالہ کی خوبیوں کے پیچھے استاذ محترم پروفیسر عبدالباری صاحب کی دعائیں، اخلاص اور مشورے بھی شامل ہیں۔ یہ کام موضوع کے لحاظ سے متقاضی ہے کہ حکومت ہند یا کسی ادارے کو چاہیے کہ جلد از جلد اسے شائع کرکے عربوں اور اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچایا جائے تاکہ اتنے قیمتی ذخیرہ سے استفادہ کو آسان بنایا جاسکے۔ عرب دنیا میں یہ کام ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور مقالہ نگار کو اہل علم کے مابین اعتماد واستناد حاصل ہوگا۔ اس مقالہ پر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے مقالہ نگار کو ۱۹۹۹ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔ آخر میں دعا ہے کہ صاحب مقالہ کو اللہ مزید علمی اور دینی کاموں کے کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ اختتاماً یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اب یہ مقالہ شائع ہو چکا ہے۔

☆☆☆

خطباتِ احمدیہ - تحلیل و تجزیہ

سرسید کے تجدیدی کارناموں کی روشنی میں انھیں مجدد اور مفکر کے القاب سے یاد کیا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ بعض موضوعات ایسے ہیں جن میں سرسید کو تاسیسی درجہ حاصل ہے۔ اس کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے صرف اتنا اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ انھوں نے ہندوستانی مصنّفین اور اسلامی محققین سے متانت ومعروضیت کا مطالبہ کیا، سیرت مقدسہ کے تعلق سے مطالعۂ استشراق پر زور دیا اور تقابل ادیان میں خشتِ اول کا کردار ادا کیا نیز تفسیر قرآن کے لیے آسمانی صحیفوں سے استفادہ، اسرائیلیات سے عدم اعتناء اور ضعیف وموضوع روایات کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا۔ سرسید نے ایک علمی انقلاب برپا کیا، تعقل پسندی پر اتنا زور دیا کہ کہیں کہیں جادۂ اعتدال سے ہٹ بھی گئے۔ احادیث سے استدلال کے حوالے سے ہمارے یہاں بڑی بے احتیاطیاں تھیں، اس باب میں سرسید کے یہاں مفید چیزیں ملتی ہیں لیکن جب ان کے نظریۂ قانونِ فطرت کا مسئلہ درپیش ہو تو صحیح اور حسن احادیث کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

مذکورہ سطور سے سرسید کی عبقریت وعقلیت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس مضمون میں سرسید کی معروف کتاب ''خطباتِ احمدیہ'' کی قدر ومنزلت کا تجزیہ کیا جائے گا۔ اس کا جائزہ لینے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ سرسید کی رگ وپے میں حب رسول اللہ ﷺ موجزن تھی۔ سب سے پہلے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار اپنے مولودنامہ ''جلاء القلوب بذکر المحبوب'' سے کیا۔ اس کتاب کی ترتیب کا مقصد یہ تھا کہ میلاد کے نام پر جو بہت سارے واقعات اور ضعیف روایات نقل کی جاتی جارہی ہیں یا محافل میلاد میں

پڑھی جاتی رہی ہیں ان سے قطع نظر ایک صاف ستھری اور حقائق پر مبنی سیرت پاک پیش کی جائے۔ اس میلاد نامے میں سرسید نے بہت سی ایسی چیزیں نقل کی تھیں جن سے آگے چل کر سرسید کو خود بھی اتفاق نہ رہا۔ بہر کیف سرسید نے اسے ترتیب دے کر میلاد ناموں کی دنیا میں ایک نئی روایت کی بنیاد ڈالی۔[۱] اس کے علاوہ سرسید کے حب رسول کو ان کی مختلف تحریروں، تصانیف، تفسیر، تبیین الکلام اور مقالات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مقالات سرسید میں ایسے بہت سے مقالات مل جائیں گے جن کی سیرت کے باب میں ایک مستند نمائندگی ہے۔[۲]

سیرت نگاری کے تعلق سے سرسید کا سب سے بڑا، منفرد اور ممتاز کارنامہ ”خطبات احمدیہ“ ہے۔ یہ دراصل "Life of Mohammad" کا جواب ہے جسے ایک معروف انگریز، آگرہ اور اودھ کے لیفٹیننٹ گورنر سر ولیم میور (Sir William Muir) (۱۸۱۹ء۔۱۹۰۵ء) نے ترتیب دیا ہے جو ۱۸۶۵ء میں حکومت برطانیہ کے معتمد محکمہ خارجہ تھے اور ۱۸۶۸ء میں ہندوستان میں لیفٹیننٹ گورنر متعین کیے گئے۔ اپنی منصبی مصروفیات کے ساتھ ساتھ عربی، عبرانی اور فارسی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ نیز تاریخ اسلام کا مطالعہ بھی کیا، انگریزی کے علاوہ بعض دیگر یوروپین زبانوں سے بھی واقف تھے۔ چھ سات کتب کے مصنف ہیں وہ ایک باعمل عیسائی تھے۔[۳]

جہاں پادری سی۔ جی۔ پی فانڈر (۱۸۶۵ء۔۱۸۰۳ء) نے انہیں ایک تنقیدی سیرت پاک لکھنے کا مشورہ دیا۔[۴] لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تنقیدی اور تجزیاتی سیرت پاک کا ڈانڈا تخفیف و تنقیص سے مرتبط ہے۔ اس تنقیدی سیرت نگاری میں کچھ مقامات پر شعوری اور کچھ مقامات پر غیر شعوری طور پر غلطیاں کی گئی ہیں۔ ولیم میور اور بہت سے دیگر مستشرقین نے سرور کائنات ﷺ کی عظمت کو گھٹانے اور ہمہ گیریت کو سمیٹنے کی کوششیں کی ہیں مگر یہ سب رائیگاں گئیں اور دنیا کے سو بڑے لوگوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے مائیکل ہاٹ نے آپ کو سرفہرست رکھا۔ آج سے بہت پہلے قرآن کریم نے ”ورفعنالك ذكرك“ [اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا] کہہ کر یہ واضح کر دیا تھا کہ دنیا

کے گوشے گوشے کو آپ کے ذکر، آپ کی ثنا خوانی اور آپ کے اوصاف و امتیازات سے آباد کیا جائے گا، خود قرآن کریم نے آباد کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ انھی تمام وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے صراحت کردی کہ:

''وإنك لعلى خلق عظيم'' (القلم:۶۸/۴)	اور تو بے شک بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے۔

اس کتاب کو دیکھنے اور اس کے مضامین کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد انھیں شدید دھچکا لگا اور ان کے ذہن میں ولیم میور کی صاف شفاف تصویر غبار آلود ہوگئی۔ کیوں کہ انھوں نے بہت سے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ دوسرے انھوں نے غیر مستند مآخذ پر انحصار کیا ہے اور تیسرے بہت سے ایسے واقعات نقل کیے جو تحقیقی اعتبار سے بہت لچر ہیں، اس طرح کی بے احتیاطیاں مسلم علماء اور مستشرقین دونوں کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ سرسید رقم طراز ہیں:

''آنحضرت کی زندگی کے حالات جن کو مسلمان سیر اور انگریز لائف کہتے ہیں۔ صرف دین دار مسلمان عالموں ہی نے نہیں لکھے بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مؤرخین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ دونوں افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ پہلوں کی آنکھوں میں تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آگئی اور پچھلوں کی آنکھیں بجلی کی چمک سے بند ہوگئیں۔ پہلے تو شراب محبت کی سرشاری میں بات سے بھٹک گئے اور پچھلے اس راستہ کی ناواقفیت سے منزل تک نہ پہنچے۔ پہلے تو یہ بھولے کہ وہ کس کا بیان کرتے ہیں اور پچھلوں نے اسی کو نہ جانا جس کا وہ ذکر کرتے ہیں''۔ ۵

آنحضور ﷺ سے سرسید کی دینی، ذہنی، اور فکری وابستگی تھی، اور یہ حب رسالت صرف عقیدت پر مبنی نہیں بلکہ مستدل سوچ پر منحصر تھی۔ اسی لیے انھیں ولیم میور کی تبشیریت اور غیر علمی انداز پر رونا آیا اور یہ طے کیا کہ ولیم میور کی استشراقی عیاریوں کا

دلائل کی روشنی میں جواب دیا جائے۔ چنانچہ جواب دینے کے لیے اس کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔٦ اور ۱۸۶۹ء میں انگلستان کا سفر کیا اور اپنے سوا سال کے قیام میں برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری سے خاصا استفادہ کیا۔ کیوں کہ بہت سے ایسے مصادر اور مراجع تھے جو ہندوستان میں دستیاب نہیں تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی مآخذ کے باب میں یوں لکھتے ہیں:

> ''انھوں نے انڈیا آفس کے کتب خانہ سے کتابیں بہم پہنچائیں۔ برٹش میوزیم کی لائبریری سے بہت سی اطلاعات حاصل کیں، سیر کی عربی کتابیں جو مصر و فرانس اور جرمنی میں چھپی تھیں وہاں سے منگوائیں اور چند لیٹن اور انگریزی کی پرانی کتابیں جو نایاب تھیں بہت گراں قیمت پر لندن کے بازار سے خریدیں اور شب و روز کی لگاتار محنت سے بارہ ایسے خطبے یا مضمون لکھ کر ایک لائق انگریز سے انگریزی میں ترجمہ کرائے اور لندن ہی میں ''خطبات احمدیہ'' کے نام سے اس کو چھاپ کر مشتہر کیا''۔٧

سرسید نے پہلے اس کا جواب اردو میں تحریر کیا۔ اس کے بعد اسے انگریزی میں منتقل کروایا۔ لیکن اردو ایڈیشن انگریزی ایڈیشن کے سترہ سال بعد ۱۸۸۷ء میں منظر عام پر آیا۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ انگلستان کا سفر، وہاں کا قیام، مآخذ کے تراجم اور خطبات احمدیہ کی تسوید اور اس کے انگریزی ورژن کی طباعت ایسے مسائل تھے جو سرسید کے لیے انتہائی پریشان کن تھے کیوں کہ وہ معاشی بدحالیوں کا شکار تھے۔ سرسید کے نہایت عزیز دوست نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں رقم طراز ہیں:

> ''جب سید احمد خاں لندن جانے کو تھے تو مالی مشکلات اس قسم کی تھیں کہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس ارادے کو پورا نہ کرسکتا مگر انھوں نے اپنا نہایت قیمتی کتب خانہ فروخت کر ڈالا۔ اپنے گھر اور کوٹھی کو رہن رکھ دیا اور لندن کے سفر کی تیاری کی''۔٨

جب اس سے بھی ان کا مقصد پورا نہ ہوتا ہوا دکھائی دیا تھا تو دوستوں سے قرض لیا تا کہ اس کی طباعت میں کسی طرح کی تاخیر نہ ہو۔ اپنے اسی تکمیل عشق رسول کے لیے سود پر بھی قرض لینا گوارا کیا۔ اسی سلسلے میں اپنے دوست محسن الملک کو تحریر کیا:

''چاہے میں محتاج، فقیر، بھیک مانگنے کے قابل ہو جاؤں، مگر کتاب ضرور چھپواؤں گا۔ تا کہ جب قیامت کے دن میرا نام پکارا جائے تو خدا فرمائے کہ سید احمد کو بلاؤ جو اپنے نانا کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا''۔[9]

ایک خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ: ''اگر میری یہ کتاب تیار ہو گئی تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر سمجھوں گا۔ خدا قبول کرے''۔

ماخذ کے تعلق سے سر سید کا ایک خط اور نقل کیا جا رہا ہے جس میں سر سید کی ان اندرونی کیفیت کو بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ انھیں اس کتاب کے آنے سے کس قدر دلی رنج ہے۔

''ان دنوں ذرا قدرے دل کو سازش ہے، ولیم صاحب نے جو کتاب آنحضرت کے حال میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں اس نے دل کو جلا دیا اور اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کی سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا۔ کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے، قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاوے گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد ﷺ کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو، ار انغمہ شاہنشاہی بس است۔ میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب سیر منگانی شروع کر دی ہیں۔ چھٹیات روانہ ہو گئیں۔ سیرت ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خرید لیں۔ ایک آدمی

مقرر کرلیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے''۔[۱۰]

ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنے کے لیے سر سید جنونی ہو گئے تھے۔ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار تھے پر انھیں کسی طرح گوارا نہ تھا کہ سرورِ کونین ﷺ پر بے بنیاد الزامات لگائے جائیں۔ انھوں نے مولوی سید مہدی علی خاں کو خط لکھتے ہوئے اپنے جذبات کو ان لفظوں میں قلم بند کیا:

''آپ اس خط کے پہنچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے اور میری یہ درخواست ہے دونوں صاحب مل کر کسی مہاجن سے میرے لیے ہزار روپے قرض لیجیے، سود اور روپیہ میں ادا کروں گا، ہزار روپیہ بھیجنے کے لیے دلی لکھا ہے اور میں نے لکھا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ ظروف مسی تک فروخت کر کر ہزار روپیہ بھیج دو...... کیا کہیے اس کتاب کے پیچھے خواب وخور حرام ہو گیا ہے۔ خدا مدد کرے''۔[۱۱]

ایک دوسرے خط میں مزید لکھتے ہیں:

''میں روز و شب تحریر کتاب سیر مصطفوی ﷺ (یعنی خطباتِ احمدیہ) میں مصروف ہوں۔ سب کام چھوڑ دیا ہے، لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے''۔[۱۲]

ولیم میور کی گستاخیوں سے سر سید ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے، وہ یہاں تک لکھ گئے کہ ''آئندہ ڈاک میں فہرست لاگت کتاب بھیجوں گا جس سے معلوم ہوگا کہ کس قدر خرچ ہوا۔ آپ نے اور تمام دوستوں نے جس قدر مدد کی وہ نہایت ہی عمدہ اور بہت ہی غنیمت تھی ورنہ زہر کھا کر مر جانے کے سوا اور کچھ چارہ نہ تھا''۔[۱۳]

سر سید کی اس عظیم دینی اور علمی خدمات کا اعتراف شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے بڑے بھلے انداز میں اس طرح کیا ہے:

''اس وقت مسلمانوں میں آج کل جیسا قحط الرجال نہ تھا بلکہ بڑے بڑے فاضل اور جید علماء موجود تھے جن کی ساری عمر قال اللہ اور قال الرسول میں گزری تھی۔

جنھوں نے مختلف فیہ مسائل پر سینکڑوں کتابیں لکھی تھیں اور لکھ رہے تھے مگر پورے ملک میں ایک عالم کے بھی کان پر جوں نہ رینگی اور کسی کو بھی احساس نہ ہوا کہ یہ اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کتنا بڑا اہم بم پھینکا گیا ہے اور اسے پڑھ کر کتنا سادہ لوح اور ناواقف انگریزی خواں مسلم نوجوان ذات نبوی سے بدظن ہوکر عیسائیت کی آغوش میں چلے جائیں گے اس ملک کے مسلمانوں میں سے، بلکہ صحیح طور پر یوں کہیے کہ ایرانی وترکستانی، عرب وعراق، شام ومصر، تونس وطرابلس، الجیریا ومراکش غرض تمام دنیائے اسلام میں سے صرف سرسید ایسا پیدا ہوا جو اگرچہ انگریزی نہیں جانتا مگر اس نے اس کتاب کو منگوایا اور اس کا ترجمہ کرواکے اس کے مضامین کو پڑھا اس کا دل جل کر کوئلہ ہوگیا''۔[۱۴]

مذکورہ سطور سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ولیم میور کی علمی بددیانتیوں سے سرسید کو کس درجہ قلق اور صدمہ تھا وہ اس کی تردید کے لیے بہر حال تیار تھے۔ جب مختلف موانع ومشکلات سے گزرتے ہوئے یہ کتاب طباعت کے مرحلے سے گزر گئی تو اس پر آپ نے اپنی انتہائی خوشی کا اظہار مندرجہ الفاظ میں کیا:

''میری کتاب خطباتِ احمدیہ ایک مسلمان متبحر نے پڑھی جو قسطنطنیہ سے یہاں آیا ہے جو الفاظ کہ اس نے کہے اور مجھے لکھے اور جس طرح میرے ہاتھ چومے اس کی لذت میں جانتا ہوں، کتاب جلد بندی سے تیار ہوگئی۔ اور کتب فروش کی دکان میں فروخت کو رکھی گئی۔[۱۵]

خطبات احمدیہ کے انگریزی ترجمہ پر سرسید کو شرح صدر حاصل تھا۔ آپ کی خواہش تھی کہ زبان وبیان کے اعتبار سے یہ کتاب اعلیٰ مرتبت پر فائز ہو، کیوں کہ یہ انگریزوں کے لیے لکھی گئی تھی۔ انہیں کے سامنے حقائق کو پیش کرنا تھا۔ سیرت مطہرہ کے تعلق سے ان کے علماء کرام نے جو بدگمانیاں پیدا کرڈالی تھیں ان کا تسلی بخش اور مدلل جواب دینا، اگر زبان میں سقم ہوا اور انداز غیر موثر رہا تو اپنی تمام تر معنوی صلابت کے باوجود انھیں متاثر نہ کرسکے گی۔ اسی لیے سرسید شستہ اور شگفتہ علمی زبان میں اسے پیش

کرنے کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی اس خواہش کو پار لگایا۔ محسن الملک کو لکھتے ہیں:

''میری دانست میں نہایت خیر خواہی اسلام کی اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ کتاب انگریزی زبان میں چھاپی جاوے۔ اس لیے انگریزی چھاپنا شروع کر دیا اور اردو ابھی ملتوی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے انگریزی عبارت لکھنے والے عمدہ اور کم قیمت پر یعنی بہ نسبت ہندوستان یہاں ملے ہیں ہندوستان میں ممکن نہ تھا جو شخص کی میری کتاب انگریزی میں لکھتا ہے اس کی لیاقت کا کوئی انگریز ہندوستان میں نہیں ہے پس ایسا شخص ہندوستان میں کہاں ملتا۔ اگر میری یہ کتاب طیار ہو گئی جس میں دس باب ہیں تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر اور باعث اپنی نجات کا سمجھوں گا خدا قبول کرے۔ آمین''۔[۱۶]

قارئین کو یہ اندازہ لگانے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہوگا کہ ولیم میور کی یہ کتاب سرسید پر کوہ الم بن کر ٹوٹی۔ یہی وجہ ہے کہ اس رنج والم سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور سچے محب رسول کی یہی شناخت ہے۔ ایک طرف مالی دشواریاں اگر زنجیر پا بنی ہوئی تھیں تو دوسری طرف حکومتِ برطانیہ کی عداوت مول لینی بھی ان کے لیے آسان نہ تھی۔ کیوں کہ ان کے ذہن میں بہت سی ملی مسائل اٹھ رہے تھے۔ مدرسۃ العلوم کی تاسیس ان کے دماغ میں پرورش پا رہی تھی۔ بنفس نفیس حکومتِ برطانیہ کے ملازم تھے اور انہی ایام میں بیٹے سید محمود کو حکومتِ برطانیہ کی جانب سے اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جانے کے لیے ایک وظیفہ بھی ملا تھا۔ اب ایسے میں ایک موثر لیفٹیننٹ گورنر ولیم میور کے لیے تیغ بے نیام ہونا آسان نہ تھا۔ لیکن ان تمام تحفظات اور نزاکتوں کو بالائے طاقت رکھتے ہوئے دریائے آگ میں کود پڑے جوان کے لیے بردوسلام بن گئی۔ شیخ اسماعیل پانی پتی نے سرسید کے آہنی عزم اور حب رسول

کا تجزیہ یوں کیا ہے:

''دنیا میں ڈرپوک، بزدل اور خوشامد پسند لوگ بھی بکثرت ہوتے ہیں اور ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، چنانچہ جب اس بات کی عام شہرت ہوئی کہ سید احمد خاں ولایت جا کر سر ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنا چاہتے ہیں تو سر سید کے بعض ملنے والوں نے ان کو اس ارادے سے بہت سختی کے ساتھ روکنا چاہا اور طرح طرح سے فضاء کی غیر موزونیت کو سمجھانا چاہا کہ موقع، وقت اور مصلحت ہرگز ایسی نہیں کہ ایسا اقدام کیا جائے۔ خواہ مخواہ اپنی جان کو مصیبت میں کیوں ڈالتے ہو، نوکری سے بھی جاؤ گے اور آزادی سے بھی۔ نہ صرف تمہیں قید ہوگی بلکہ بہت ممکن ہے کہ پھانسی کا بھی حکم ہو جائے۔ غدر ابھی ہو چکا ہے اور انگریز کا غصہ ابھی کم نہیں ہوا۔ اس غصہ کی آگ میں تم بھسم ہو کر رہ جاؤ گے، پہلے ہی مرتے مرتے بچے ہو۔ جب تم نے ''اسباب بغاوت ہند'' لکھ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا تھا، ویسی ہی بیوقوفی پھر کرنے لگے ہو۔ اور نئی کتاب لکھ کر اپنے سر پر نئی مصیبت لانا چاہتے ہو''۔[۱۷]

خطبات احمدیہ سرسید کا ایسا کارنامہ ہے جس نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ سرسید کے نزدیک مستشرقین یا معاندین کی تحریروں پر واویلا مچانا، چیخ و پکار کرنا اور تحریروں میں لعن طعن کرنا غیر سنجیدہ عمل ہے۔ نکتہ سنجی اور بصیرت کا تقاضا ہے کہ ان تحریروں کا علمی و تحقیقی جواب دیا جائے۔ خطبات احمدیہ اس طرح کا ایک مدلل و مبرہن جواب ہے۔ اس جواب کے آنے سے عیسائیت میں ایک کھلبلی مچی۔ جس کا ذکر سرسید نے یوں کیا ہے:

''۱۸۷۰ء میں جبکہ خطبات احمدیہ چھپ کر شائع ہوئی تو اس پر لندن کے ایک اخبار میں انگریز نے لکھا تھا کہ عیسائیوں کو ہوشیار

ہونا چاہیے کہ ہندوستان کے ایک مسلمان نے انھیں کے ملک
میں بیٹھ کر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے دکھایا ہے کہ
اسلام ان تمام داغوں اور دھبوں سے پاک ہے جو عیسائی اس کے
خوشنما چہرے پر لگاتے ہیں''۔[۱۸]

عیسائیوں کے ایک طبقہ کی یہ ایک غیر دانش مندانہ وغیر منصفانہ سوچ تھی لیکن ایسا بھی نہیں کہ تمام تر عیسائیت اس تعصب اور غیر عادلانہ نہج کی شکار ہے۔ چنانچہ ایک معروف عیسائی محقق، عالم اور آثار الصنادید کا مترجم گارسی دتاساں کا خیال ہے کہ سرسید نے جس طرح توریت، زبور اور انجیل کی تفسیر وتشریح کی ہے وہ انداز ہمارے عیسائی محققین کے یہاں نہیں ملتا۔ اس نے بڑے کھلے دل سے یہ اعتراف کیا ہے کہ توریت اور زبور کی آیات کریمہ پر سرسید کی گہری نظر ہے۔[۱۹] اسی طرح خطبات احمدیہ اور تبیین الکلام میں بے شمار عبرانی مفردات پر تجزیاتی تبصرہ موجود ہے اس کا بھی ان کے یہاں فقدان ہے۔ اسی طرح بہت سے علم دوست اور انصاف پسند عیسائی علماء نے بھی سرسید کی علمی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ سرسید کے سیرت نگار کرنل گریہم (Colonel G.F.I. Graham) خطباتِ احمدیہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

''اس خطبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا غیر معمولی تعمق نظر،
دیگر مذاہب کے ساتھ حد درجہ رواداری اور اصلی عیسائیت کے
سچے اصول کا حد درجہ احترام کرتے''۔[۲۰]

اسی طرح سرسید نے امت مسلمہ سے اپیل کی ہے کہ بالعموم انگریزوں کے نزدیک اسلام ایک متہم اور غیر معقول دین ہے، اسے ایک روحانی وجسمانی آفت قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک یہ ایک تلوار کا مذہب ہے اور اس کی بنیادوں میں تعصب ہے۔ خطبات احمدیہ میں انھیں اتہامات کا جواب دیا گیا ہے۔ میری یہ کتاب ان لوگوں کے لیے نسخۂ شفا ہے جو اسلام کے تئیں تذبذب کا شکار ہیں۔[۲۱]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سرسید پہلے شخص ہیں جنھوں نے مطالعۂ

استشراق میں تفکر وتدبر پر زور دیا اور اس تناظر میں جذباتیت اور سب وشتم کو ناپسند کیا۔ وہ کتاب کا جواب کتاب سے دینے کے متمنی تھے۔ ولیم میور نے سیرت کے تعلق سے بہت سے مسائل اٹھائے ہیں اور ان مسائل کی روشنی میں آنحضورﷺ کی شخصیت اور اسلام کی حقانیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ولیم میور کی ان بے بنیاد نکات کا خطباتِ احمدیہ میں دانشورانہ جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مضمون میں سرسید کے انہیں جوابات اور مباحث کو پیش کرنے کی سعی کی جائے گی۔ سیرت طیبہ کا دوسرا بنیادی ماخذ احادیث ہیں۔ انھیں کو بنیاد بناتے ہوئے سیرت طیبہ کا Structure تیار کیا گیا ہے جس کی تیاری میں سیرت نگاروں کے یہاں بڑی بے احتیاطی پائی گئی ہے۔ بے شمار موضوع اور ضعیف روایات کا سہارا لیتے ہوئے سیرت نگاروں نے سیرت نگاری کو آگے بڑھایا ہے۔ مجموعہ ہائے احادیث میں ایسی بے شمار روایات ہیں جن کی وجہ سے سیرت مقدسہ پر حرف آتا ہے۔ انہی موضوع روایات نے مستشرقین کو مصالحہ فراہم کیا یہی افراط وتفریط مسلم سیرت نگاروں کے یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ شمائل ترمذی کے علاوہ محدثین نے ایسا کوئی مخصوص مجموعہ تیار نہیں کیا جس میں سیرت مقدسہ سے متعلق روایات ہوں۔ احادیث کے مختلف مجموعوں میں شمائل النبی سے متعلق روایات ملتی ہیں۔ سرسید کا کہنا ہے کہ ان احادیث کو آنکھیں بند کر کے تسلیم نہیں کریں گے۔ بلکہ چھان پھٹک کر ایک معتبر سیرت مقدسہ ترتیب دیں گے۔ [۲۲] سرسید نے اپنی تفسیر، مقالات اور تصانیف میں جابجا حدیث کی صحت وسقم پر اظہار خیال کیا ہے۔ اگر ان بکھرے ہوئے مباحث کو یکجا کیا جائے۔ تو حدیث لٹریچر میں کارآمد اضافہ ہوسکتا ہے۔ نیز سرسید نے اپنے نظریۂ قانونِ فطرت کے پیش نظر جہاں حدیث کے تئیں غیر ذمہ دارانہ موقف اختیار کیا ہے اس پر تنقید بھی کی جاسکتی ہے۔ تہذیب الاخلاق میں سرسید نے حدیث کی صحت وسقم پر مضامین تحریر کیے ہیں، جن سے محدثین کی غیر ذمہ داریوں کو سمجھا جاسکتا ہے۔ [۲۳] اسی ضمن میں سرسید نے واقدی کی [۲] بے احتیاطیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی انہی کوتاہیوں سے مستشرقین نے فائدہ اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر

(Springer)اور ولیم میور دونوں نے واقدی سے استفادہ کیا۔ سرسید نے ''مواہب لدنیہ'' کی شرح کی روشنی میں بتایا کہ واقدی ایک غیر معتبر شخص ہے۔[۲۴] جیسا کہ شرح میں ''میزان'' کے حوالے سے کہا گیا:

''الواقدی محمد بن عمر بن الواقدی الاسلمی المدنی الذی استقراء الاجماع علی وھنہ [۲۵]	واقدی محمد بن عمر واقدی، اسلمی، مدنی کے ضعف پر اجماع کلی ہے۔

سرسید نے اپنی اس کتاب میں بہت سے مستشرقین کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ منجملہ کو ہدف تنقید بنایا ہو، انصاف پسند مستشرقین کی مدح سرائی بھی ہے۔ ان کے یہاں تسوید و تحقیق کبھی بھی عدل وانصاف سے علاحدہ ہو کر نہیں چل سکتی۔ ڈینیل (Delone)، لوتھر، ملائک تین، سیپال ہیم، اور دی ھری لات کی تصانیف میری نظر سے نہیں گزری ہیں، لیکن دیگر مآخذ میں ان کے جو مضامین دیکھے جا سکے ہیں، اس سے یہی ترشح ابھرتا ہے کہ ان میں بجز سخت کلامی اور بدزبانی کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح دین پر بدی اور ہانجر گیگیزری لنداوکلی نے بھی سیرت پاک پر کتابیں لکھی ہیں اور ان کے ورق در ورق سے عداوت چھلکتی ہے۔ ایک طرف متعصب مستشرقین کا خطبات احمدیہ میں ذکر کیا گیا تو دوسری طرف انصاف پسند مستشرقین کی توصیف بھی کی گئی مثلاً گرتھہ، اماری، تالدائک اور دواری کی تصانیف سے سیرت طیبہ کی حقیقی تصویر ابھرتی ہے۔

کواٹرلی ریویو کے ایک مقالہ کا ذکر کرتے ہوئے سرسید نے بتایا کہ:

> ''ان مؤرخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلا دی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تروتازہ چیز ہے اور ہزاروں ثمر اور جوہروں سے بھرپور ہے اور محمد (ﷺ) کی خصلت کو کیسا ہی سمجھا جاوے، انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لیے جگہ حاصل کی ہے''۔[۲۶]

اسلام اور اللہ کے رسول ﷺ کے تئیں جن متعصبین نے طعنہ و تشنیع کا بیڑا

اٹھار کھا ہے اس میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر اسپرنگر کا ہے جس کی انگریزی کتاب ۱۸۵۱ء میں الٰہ آباد سے چھپی۔ یہ کتاب بھی بغض وعناد کا پلندہ ہے۔ اس کی اصلیت اور مصنف کی دریدہ دہنی کا ذکر سرسید نے مندرجہ لفظوں میں کیا ہے:

''مگر وہ کتاب بسبب غلطیوں کے جو اس کے مضمون کی صحت میں ہیں کچھ اعتبار کے لائق نہیں ہے، علاوہ اس کے ایک اور خرابی انھوں نے اس کتاب میں یہ کی ہے کہ اس کا طرزِ بیان نہایت مبالغہ آمیز اختیار کیا ہے۔ ان کی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصّبات اور یک طرفہ رائے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے جو کسی قسم کے مصنف کو اور بالتخصیص ایک مؤرخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہے۔ اپنے اس کلام کی تصدیق کے لیے ان کی کتاب میں سے ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے ان کے تعصب کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس فن میں انھوں نے کتاب لکھی ہے اس سے بھی ماشاء اللہ وہ بہت ہی خوب واقف تھے'' ۲۷

لکھتے ہیں:

''اسلام محمد ﷺ'' کا ایجاد نہیں ہے، وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہوسکتا، مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مکار نے اپنی بد اخلاقی اور طبیعت کی برائی سے اس کو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اس میں قابل اعتراض ہیں وہ اسی کی ایجاد ہیں'' نعوذبالله من هذه الاقاويل۔ كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا۔ ۲۸

ڈاکٹر اسپرنگر کی ایک کتاب چھ جلدوں میں بزبان جرمن ہے۔ سرسید نے فرمایا کہ جرمن زبان سے ناواقفیت کی بناء پر میں استفادہ کرنے سے قاصر ہوں لیکن میرے ایک جرمن دوست نے بتایا کہ یہ کتاب ابن اسحٰق اور واقدی پر مبنی ہے اس لیے

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس نوعیت کی کتاب ہے۔ یقیناً دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی تعصّبات کا مجموعہ ہے۔ اس کا تحقیق و تجزیہ سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ یہ صحیح، غلط، مشتبہ اور لغو روایات کا ذخیرہ ہے۔[۲۹]

مستشرقین کا اختصار سے جائزہ لیتے ہوئے سرسید نے بتایا کہ ولیم میور کی کتاب کی اصل بنیاد واقدی پر ہے جس کا مسلمانوں کے یہاں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی صاف و شفاف تصویر کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اسلام کی حقانیت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ پی فندر نے ولیم میور کو مستند مآخذ کی روشنی میں سیرت طیبہ کو ترتیب دینے کے لیے کہا تھا لیکن اس کے برعکس تعصب کو بنیاد بنایا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پی فندر اور ولیم میور دونوں اسلام دشمنی کا شکار تھے۔ سرسید نے اس دشمنی کا ذکر یوں کیا ہے:

> ”لیکن میں نہایت افسوس سے یہ بات کہتا ہوں کہ باوجودیکہ سرولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ہیں۔ اس پر ان کی طبیعت پر اس غرض اور منشاء کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی ایسا اثر پیدا ہوا جیسا کہ ایسی حالت میں اوروں کی طبیعت پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہے اور اس سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی ان کو بری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہ اثر ان کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اس کے سبب سے ان کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں ان کی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے۔ لیکن جیسا اکثر ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس میں بھی ہوا کہ اس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے سرولیم میور صاحب سے اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی بلکہ برعکس اس کے یہ نتیجہ ہوا کہ جس شخص کو پی فندر نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا“۔[۳۰]

خطباتِ احمدیہ کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ عربوں کے حسب ونسب اور ان کے عادات واطوار کا نہایت مستند خاکہ پیش کیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ عربوں کی رسومات کا جائزہ لینے کے لیے کلام عرب کو بنیاد بنایا گیا، کیوں کہ یہ سبھی کو معلوم ہے کہ "الشعر دیوان العرب" یعنی عربوں کی وضع قطع کی سچی تصویر ان کے اشعار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اسی لیے سرسید نے مختلف اشعار نقل کرتے ہوئے ان کی حرکات وسکنات کو پیش کیا ہے۔ جس کا اردو سیرت نگاروں کے یہاں فقدان ہے۔ عرب کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے محقق کا کردار ادا کیا ہے۔ سرسید اسلامیات کے بنیادی مآخذ سے واقف تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر لکھتے ہوئے عبرانی مآخذ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ اردو سیرت نگاروں میں ایک بھی ایسا سیرت نگار نہیں ہے جو عبرانی زبان سے واقف ہو۔ چنانچہ جزیرۃ العرب کے متعلق سرسید نے تحریر کیا 'کتاب توریہ مثنی باب (۱)، ورس (۷)، اور باب (۲) ورس (۸) میں لفظ عربہ پایا جاتا ہے۔ وجہ تسمیہ کے موضوع پر طویل گفتگو کی گئی ہے۔ لفظ عربہ کے معنی وادی اور بیابان کے ہیں۔ چوں کہ عرب کا ایک بڑا حصہ وادیوں اور بیابان پر مشتمل ہے اس لیے اسے عرب کہا جاتا ہے۔ ہر قصبہ کے نام کے پہلے "عربہ" لگایا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرے کے ایک حصہ کو "عربات" کہا جاتا ہے۔ سرسید نے اپنی یہ توجیہہ "کتاب توریہ" کے حوالے سے پیش کی ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ تہامہ کے پاس ایک گاؤں کا نام "عربہ" تھا۔ اسی کی وجہ سے پورے جزیرے کو جزیرۃ العرب سے موسوم کیا گیا۔ جس سے سرسید کو اتفاق نہیں ہے۔ چوں کہ سرسید عبرانی اور عربی سے بخوبی واقف تھے اس لیے انہیں قیاس آرائیوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ خطبات احمدیہ میں اس تعلق سے مزید مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ لیکن خوف طوالت سے اسے یہاں قلم انداز کیا جارہا ہے۔[۱۳]

سرسید نے عربوں پر بحث کرتے ہوئے قوم عاد کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق بہت سی روایات ایسی ہیں جنہیں میزان عقل وفہم میں نہیں رکھا جاسکتا، مثلاً "بعض

کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم عاد کے ہر شخص کا قد بارہ ارش لمبا تھا یعنی اس زمانہ کے جو لوگ ہیں اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو سیدھا پھیلا دیں تو ان کی لمبائی سے بارہ گنا زیادہ لمبا قد قوم عاد کا تھا۔ بعض کتابوں میں ان کے قد کے لمبان کا اس سے بھی زیادہ مبالغہ کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی قوت کا یہ حال تھا کہ چلنے میں ان کے پاؤں زانوں تک زمین میں دھنس جاتے تھے''۔۳۲؎

قوم عاد کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین نے ''باغ ارم'' کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کی تصویر کشی میں انتہائی مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کی سرزمین پر لعل اور یاقوت بچھے ہوئے تھے اور اس کی دیواریں سونے اور چاندی کی تھیں۔ درخت زمرد، یاقوت، نیلم اور قسم قسم کے جواہرات سے بنائے گئے تھے۔ اور زعفران بجائے گھاس اور عنبر بجائے مٹی کے تھا۔ تاریخ میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیان کے زمانۂ خلافت میں ایک آدمی وہاں جا کر بے شمار جواہرات سے اپنی جھولی بھر لایا جب خلیفہ نے وہاں جانے کا قصد کیا تو ہزاروں جتن کے باوجود بھی وہاں تک رسائی نہ ہوسکی۔ حضرت علی کے حوالے سے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ باغ ارم آسمان پر اٹھالیا گیا اور قیامت کے دن دیگر بہشتوں کے ساتھ یہ باغ ارم بھی ایک بہشت کی حیثیت سے نمودار ہوگا۔ سرسید نے مذکورہ تمام خیالات کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔۳۳؎ سرسید نے لفظ ''ارم'' پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ قوم عاد کے اجداد میں کسی کا نام ''ارم'' تھا۔ جس کی طرف قوم عاد کا انتساب تھا۔ اسی کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ. إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ. الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (الفجر: ۸۹/۶۔۸)	کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا، ستونوں والوں ارم کے ساتھ، جس کے مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی۔

اس آیت کریمہ میں ذات العماد سے قوم عاد کا قد آور اور قوی ہونا مراد ہے جس کا ذکر دوسری آیت کریمہ میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ	اور عاد بے حد تیز وتند ہوا سے
صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا	غارت کردیئے گئے جسے ان پر
عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ	لگاتار سات رات آٹھ دن تک
أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ	(اللہ نے) مسلط رکھا پس تم دیکھتے
فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ	ہو کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح
أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ	گر گئے جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے
(الحاقہ: ۶۹/ ۷)	تنے ہوں۔

اس آیت کریمہ میں انھیں "كأنه أعجاز نخل خاويه" سے تشبیہ دینا بھی علامت ہے کہ قد کے اعتبار سے قوم عاد ایک عدیم النظیر قوم تھی۔ ان کے قد کی مثال دیگر اقوام میں نہیں ملتی ہے۔ سر سید نے مزید فرمایا کہ ارم سے مراد بنی ارم ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم سے منسوب کیے جاتے تھے اب اگر کوئی انہیں عجب الخلقت قرار دے یا انسانوں سے علاحدہ کرکے انھیں نئے نئے امتیازات سے جوڑنا شروع کردے تو مناسب نہیں۔[۳۴]

سر سید نے عربوں کے حسب ونسب اور تاریخی سلاسل کو موضوع بحث بناتے ہوئے بہت سے قیمتی مباحث پر بھی اظہار خیال کیا۔ مثلاً قوم ثمود، عرب العاربہ اور عرب المستعرِ ة پر لکھتے ہوئے اہم نکات اٹھائے ہیں۔ ان نکات کی تلاش میں صحف آسمانی، قرآن کریم، روایات اور مستشرقین کے خیالات سے معاونت حاصل کی ہے۔ اسی طرح اس میں حضرت ابراہیم علیہم السلام کے بیٹے کی قربانی کا مسئلہ بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اور اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ اشارہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف ہے یا حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرف؟ سر سید نے توریت مقدس، قرآن کریم اور حدیث کا ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ ان کی کوئی ایسی صراحت

نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ ذبیح اللہ کون ہے؟ سر سید کا یہ نقطہ نظر بے بنیاد ہے۔۳۵؎ اس مسئلے کو مولانا فراہی نے اپنی کتاب "الرای الصحیح فیمن هو الذبیح" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ صحف آسمانی، قرآن کریم اور احادیث سے دلائل دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی زبان میں اب تک ایسی مدلل کتاب نہیں لکھی گئی۔۳۶؎ یہی بازگشت علامہ شبلی کی سیرۃ النبی میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔۳۷؎ اپنے اس نقطہ نظر کو مدلل بنانے کے لیے علامہ نے اپنے شاگرد مولانا حمید الدین فراہی سے استفسار کیا، جس کی شہادت مکاتیبِ شبلی میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔۳۸؎

اس کتاب میں سر سید نے عربوں کے مراسم اور عادات پر بھی روشنی ڈالی ہے عربوں کے عادات واطوار کی واضح تصویر دو چیزوں کلام عرب اور قرآن کریم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہی دونوں حقیقی مصادر و مراجع ہیں۔ عربوں کے مراسم کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تجارت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے دور دراز کے اسفار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ عربوں کے یہاں کفایت شعاری ایک مستحسن عمل تھی جس کا ذکر باہلی نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں اس طرح کیا ہے:

تكفيه فلذة لحم إن الم بها
من الشواء ويكفى شربه الغمر ۳۹؎

معتدل نیند بھی ان کے یہاں ایک نعمت سے کم نہ تھی۔ ہذلی نے اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے:

قليل غرار النوم اكبر همه
دم الثار أو يلقى كميا مسفعا ۳۹؎/ا

(وہ نیند کا کچا ہے اس کا مطمح نظر اور مقصودیت کا خون حاصل کرنا ہے یا ہتھیار بند بہادر شخص سے ٹکرانا ہے۔)

علی الصباح اٹھنا بھی عربوں کے یہاں اچھی عادت میں شمار تھا۔ جیسا کہ امر

القیس اسے ایک قابل ذکر چیز سمجھ کر یوں اظہار کرتا ہے

وقد اغتدی والطیر فی وکناتھا [۴۰]

(میں صبح دم نکل کھڑا ہوتا تھا اس حال میں کہ پرندے اپنے
گھونسلے میں ہوتے تھے۔)

عربوں کے یہاں مہمان نوازی، سخاوت اور ایثار کا ذکر خاصہ ملتا ہے۔ مہمان نوازی ان کی خصوصیات کا جزء لاینفک تھی۔ ضیافت میں وہ کیا کیا کر بیٹھیں اور اپنے کتنے جانوروں کو ذبح کر دیں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اس طرح کی داستانوں سے ان کی تاریخ مملو ہے۔ سفراء کی تکریم کو اپنا فریضہ تصور کرتے۔ اس اکرام واعزاز سے کسی کے یہاں غفلت پائی جاتی تو اس پر اظہار نکیر کرتے۔ چنانچہ ہذلی شاعر نے خود کو اس وقت مطعون کرنا مناسب تصور کیا اگر وہ اکرام ضیوف میں کسی طرح کی تساہلی کا شکار ہو۔

لادر دری إن اطعمت نازلکم

قرف الحتی وعندی البر مکنوز [۴۱]

(میں دنیا اور اس کی سعادتوں سے محروم ہو جاؤں اگر میں
تمہارے مہمان کو مقل کے چھلکے کھلاؤں جب کہ میرے پاس گندم
کا ذخیرہ موجود ہو۔)

عربوں کے یہاں غیر معمولی محبت تھی، عزت نفس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا کرتے تھے اور اس کے لیے کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے۔ اس طرح ایفائے عہد بھی ان کے یہاں غیر معمولی چیز تھی۔ اس کو بہر حال پورا کرتے تھے۔ جیسا کہ عمرو کہتا ہے:

ونوجد نحن امنعھم ذمارا

واوفاھم إذا عقدوا یمینا [۴۲]

(ہمیں ان میں سب سے زیادہ قابل حفاظت چیزوں کا دفاع
کرنے والے ہیں اور جب کوئی معاہدہ ہوتا ہے تو ہمیں سب

سے زیادہ پاس وفا کرتے ہیں۔)

صاف ستھری پوشاک انھیں عزیز ہوتی، خوشبودار چیزوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے موضوعات سے ان کی شاعری لبریز ہے۔ عدوانی کی بیٹی اپنے شوہر کی تعریف اس طرح کرتی ہے:

حدیث الشباب، طیب الثوب والعطر [۴۳]

(عمدہ کپڑے اور خوشبو عہد شباب کی باتیں ہیں۔)

اسی طرح بالوں کو مشک سے معطر کرنے اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننے کو عرب خواتین ترجیح دیتی تھیں۔ ایک شاعر نے اپنی ممدوحہ کی یوں تعریف کی ہے:

اذا التاجر الداری جاء بفارة

من المسك اراحت فی مفارقه تجری

(جب عطر فروش مسک کی خوشبو لے کر آتا ہے تو وہ اس کی مانگ سے اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔)

پرہیزگاری بھی ان کے یہاں اہمیت کی حامل شمار کی جاتی، حاتم طائی کے یہاں اس کا ذکر یوں ملتا ہے:

واغفر عوراء الکریم ادخارهٗ

وأصفح من شتم اللئیم تکرما [۴۴]

(میں توشہ آخرت کی خاطر شریف شخص کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتا ہوں۔ اور اکرام واعزاز کی وجہ سے کمینے شخص کو گالی دینے سے بچتا ہوں۔)

عرب اپنی فصاحت و بلاغت اور لطافت وظرافت پر اس قدر نازاں تھے کہ دیگر تمام اقوام کو گونگا تصور کرتے۔ تکمیل فضیلت اس کے بغیر ناقابل تصور ہوتی جیسا کہ حاتم طائی نے اس کی اہمیت کا احساس یوں دلایا ہے۔

وإن غراراً ان یکن غیر واضح

فانی احب الجون ذا المنطق الدمم [۴۵]

(اور بلاشبہ ناتجربہ کار شخص اگر واضح نہ ہو تو مجھے بناوٹی گفتگو والی سیاہ فام شخص ہی محبوب ہے۔)

نابغہ اپنی کندزبانی کو لے کر اللہ کے حضور یوں حاضر ہوتا ہے:

اعذنی رب من حصروعی [۴۶]

(اے اللہ! مجھے زبان کی لکنت اور عاجزی سے محفوظ رکھ۔)

بدکاری اور زناکاری ان کے یہاں شی مذموم نہ تھی، بلکہ بصد افتخار اس کا برسرعام چرچا کرتے، شراب نوشی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ قمار بازی ان کا محبوب مشغلہ تھا، لونڈیوں کو گانا بجانا اور رقص کرنا سکھایا جاتا تھا۔ وہ حرام کاری کے لیے مجاز تھیں۔ اس کی آمدنی ان کے آقاؤں کو جاتی تھی۔ رہزنی، غارتگری اور قتل ان کے معمولات کا حصہ تھیں۔ انسانوں کا خون بلاخوف اور بلاتاسف بہاتے تھے۔ جنگ میں قید ہونے والی عورتوں کو فتح مند لونڈی بنالیا کرتے تھے۔ حارث شاعر کہتا ہے:

ثم ملنا علی تمیم فاحرمنا
وفینا بنات مراماء [۴۷]

(پھر ہم بنی تمیم کی طرف مائل ہوئے اور ہم اشہر حرم میں داخل ہو گئے اور ہم میں قبیلہ مر کی دوشیزائیں باندیوں کی شکل میں موجود تھیں۔)

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں بھی انہیں نہایت اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت اور تباہی ان پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے تاکہ ان کے مصائب دور ہو جائیں، جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے شگون لیتے تھے۔ اسی طرح جانور اگر کسی شخص کو بائیں طرف سے دائیں طرف کاٹتا تو نیک شگون لیتے تھے، اگر دائیں طرف سے بائیں طرف کاٹتا تو بدشگونی تصور کرتے، اور اسے ''جارح'' کا نام دیتے۔ اس طرح کے تفاءل کو ''طیرہ'' کہا جاتا ہے:

لعمرك ماتدری الضوارب بالحصی
ولازاجرات الطیر ما اللہ صانع [۴۸]

(تمہاری زندگی کی قسم کنکریاں پھینکنے والے اور پرندے اڑانے (فال نکالنے والوں) کی بھی تھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا کرنے والا ہے۔)

عربوں کے یہاں منت ماننے کا تصور بھی عام تھا وہ کہتے کہ اگر یہ کام ہو گیا تو بھیڑ کی قربانی کریں گے۔ اس کو ''عتیرہ'' کہا جاتا ہے۔ کعب اپنے خاندان کی تعریف میں کہتا ہے:

وماعتر الظباء بحی کعب ۴۹

(اور قبیلہ کعب میں جو بکریاں ذبح کی گئی ہیں۔)

یہ دستور بھی تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کے اونٹ کو اس کی قبر پر باندھ دیا جاتا۔ یہاں تک بھوک پیاس کی شدت سے دم توڑ دیتا۔ لبید شاعر نے اپنے ممدوح کی سخاوت کی یوں تعریف کی ہے:

تاوی الی الاطناب کل ذرية

مثل البلية قالص أهدامها ۵۰

(پھٹے پرانے اور بوسیدہ کپڑے والی خاتون مثل پریشاں حال ناؤ کے اس خیموں کی پناہ ڈھونڈتی ہیں۔)

جب کوئی مرجاتا تھا تو دس روز تک اس کا سوگ رکھتے تھے اور اس کو رویا کرتے تھے۔ لبید نے اپنے وارثوں کو یوں وصیت کی ہے:

الی الحول ثم اسم السلام علیکما

ومن یبلك حولاً کاملاً فقد اعتذر ۵۱

(ایک سال تک آنسو بہانا پھر تم دونوں پر سلامتی ہو اور جو شخص ایک سال تک آنسو بہائے تو یقیناً اس کا عذر قابل قبول ہے۔)

مذکورہ اشعار کے علاوہ سرسید نے مزید اشعار نقل کرتے ہوئے عربوں کی خصوصیات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ ان اشعار کی روشنی میں عربوں کی رسم وریت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ۵۲ سرسید کی اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ

دورِ جاہلی کی شاعری کا سرسید نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان اشعار کے بغیر ان کی معاشرتی زندگی تک رسائی ناممکن ہے۔ اشعار عرب کو اپنی مختلف بحثوں میں بنیاد بناتے تھے۔ اپنے مقالات اور اپنی تفسیر میں بھی مفردات کی توضیح وتشریح کے لیے کلام عرب سے استشہاد کیا ہے۔۵۳ اسی بنیاد پر لفظ ''جن'' پر نہایت عالمانہ بحث کی ہے۔۵۴ ان کے نزدیک ایک مفسر کی کلام عرب پر گہری نظر ہونی چاہیے۔ تاکہ بہت سے قرآنی اسالیب اور حقائقِ مفردات کا ادراک ہو سکے۔ ہندوستان کے تین مفسرین مہائمی، سرسید اور مولانا حمید الدین فراہی نے کلام عرب سے استشہاد پر خاصا زور دیا ہے اور آخر الذکر مفسر نے کلام عرب سے استشہاد کی بنیاد پر بعض اہم اور اچھوتے خیالات پیش کیے ہیں۔ سرسید نے تفسیر قرآن کے شرائط بیان کرتے ہوئے اپنے مقدمہ ''التحریر فی اصول التفسیر'' میں بھی کلام عرب سے استشہاد پر توجہ مرکوز کی ہے۔۵۵

بالعموم عربوں کے متعلق یہ عام تاثر موجود ہے کہ ان کے یہاں لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ عمومی تاثر غلط ہے۔ عربوں کے یہاں عورتوں کو قدرومنزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے ناز نخرے اٹھائے جاتے تھے۔ رہا لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا مسئلہ تو یہ بدترین اور دل خراش روایت معدودے قبائل تک محدود تھی۔ اس میں تمام عربوں کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تردید عباس محمود العقاد نے اپنی کسی تحریر میں کیا ہے۔۵۶ خطبات احمدیہ میں بھی عرب قوانین کی توقیر کا ذکر ملتا ہے۔ ایک تو جنگوں میں ان کی عورتیں ان کے ساتھ ہوتی تھیں تاکہ محاذ پر ان کے اندر قومی جذبہ ابھار سکیں۔ ان کے آباء واجداد کے بہادرانہ کارناموں کو یاد دلا سکیں۔ اوران کے عزم وارادے میں صلابت ڈال سکیں۔ یہ خواتین اپنے شوہروں سے بھی کہتی تھیں کہ اگر تم نے پشت دکھائی اور ہمیں دشمنوں سے نہ بچا سکے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہوں گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں میں عورتوں کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ عرب اپنی عورتوں سے کام لینا معیوب تصور کرتے تھے۔ اگر کوئی عورت دودھ دوہتی ہوئی نظر آجاتی تھی تو اس کا

خاندان حقیر تصور کیا جاتا۔ خطبات احمدیہ میں منقولہ دونوں واقعات کے تناظر میں یہ کہنا ہرگز دشوار نہیں کہ عورتیں عربوں کے نزدیک محترم اور پروقار سمجھی جاتی تھیں۔ ۵۷؎
عربوں کے رسوم میں ایک خاص چیز یہ تھی کہ مردوں کو قبر میں دفن کرنے کا بھی رواج تھا، جب اسے تدفین کے لیے لے جاتے تو راستے میں دیگر حضرات جنازہ کو دیکھ کر اس کی تعظیم میں کھڑے ہو کر اظہار تاسف کرتے۔ ۵۸؎

خانۂ کعبہ کے مقام ومرتبہ اور احترام واکرام کا عہد رسالت سے قبل بھی تھا اور رسالت کے بعد بھی، سرسید نے اپنی اس کتاب میں دو نئے خود ساختہ خانہ کعبوں کا ذکر کیا ہے۔ سرسید رقم طراز ہیں:

> ''خانۂ کعبہ کی ہمسری کے واسطے دو معبد اور یکے بعد دیگرے بنائے گئے تھے ایک تو قبیلہ غطفان نے اور دوسرا یمن میں قبائل ختام اور بجیلہ نے باشتراک بنایا تھا۔ ان دونوں معبدوں میں بت رکھے ہوئے تھے جن کو ان قبائل کے لوگ بطور معبود کے پوجتے تھے۔ ان نقلی کعبوں میں اول کو زہیر بادشاہ حجاز نے چھٹی صدی عیسوی میں بالکل غارت کر دیا تھا اور دوسرے کو جریر نے آنحضرت کے زمانہ میں یعنی ان کے پیدا ہونے کے بعد منہدم کر دیا تھا''۔ ۵۹؎

خطبات احمدیہ کے چوتھے خطبہ میں ولیم میور کے ان تاثرات کو نقل کیا گیا ہے جو اسلام کے متعلق اس نے ظاہر کیے۔ اس کا کہنا ہے اس کی وجہ سے وحدانیت کا غلغلہ ہوا اور بت پرستی کا خاتمہ، اللہ پر کامل توکل کی تعلیم عام ہوئی، اسلام کی معاشرتی تعلیمات خوبیوں سے مملوء ہیں، باہمی برادرانہ تعلقات اوج کمال پر تھے، یتیموں کے ساتھ حسن سلوک اور غلاموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جاتا۔ نشہ آور چیزوں پر قدغن لگائی گئی۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ دین اسلام میں پرہیزگاری کا ایک ایسا اعلیٰ معیار ہے جس کا دیگر مذاہب میں اتا پتا نہیں ہے۔ لیکن ولیم میور کے نزدیک مذکورہ تمام

تعلیمات اسلامی جنگوں سے عام ہوئیں۔[۶۰]

سرسید نے ولیم میور کے اس نقطۂ نظر سے عدم اتفاق کیا اور بتایا کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور احکام میں ایسی تاثیر اور ایسا اعجاز ہے کہ کوئی بھی شخص اس کے سحر سے بچ نہیں سکتا، اس کی آواز کانوں میں پڑتے ہی انسان کی کایا ہی پلٹ جاتی، اس طرح کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، خود اللہ کے رسول ﷺ کی شخصیت میں ایسی کشش اور رغبت تھی کہ لوگ آپ کے عاشق اور قدرداں ہو جاتے، انھیں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان گنوانے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہ تھی، لیکن یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ آپ ﷺ کو ذرہ برابر کسی طرح کی گزند پہنچے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ولیم میور اور بہت سے دیگر مستشرقین بڑے حکیمانہ انداز میں دین اسلام پر تیر چلاتے ہیں، جب کہ کچھ مستشرقین نے اسلام کی حقانیت اور ہمہ گیریت کو تسلیم کیا ہے۔ انھیں میں سے ایک مشہور نام مسٹر جان ڈیون پوٹ کا ہے جس کی رائے میں اشاعت اسلام کا شمشیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے حسن معاشرت اور شائستگی کی روح لوگوں میں پھونک دی۔ اس طرح اس نے یہ بھی وضاحت کی کہ فلسفہ اور علوم وفنون کے ارتقاء میں ایشیاء کے مسلمانوں اور اندلس کے خلفاء کا اہم رول رہا ہے۔ یورپ میں علم وحکمت کی بالادستی اہل اسلام کی دین ہے، اس نے تو یہاں تک تحریر کر دیا کہ سلطان صلاح الدین کی وجہ سے یورپ میں جاگیرداری کے نظام کا خاتمہ ہوا۔ مسٹر جان کے یہ تمام خیالات اس کی معروف کتاب "Apology for the Mohammad and Quran" میں موجود ہیں۔[۶۱]

اس سلسلے میں چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کے ایک مقالے کا بھی سرسید نے ذکر کیا ہے جس میں قرآن کریم کے علم اخلاق کو سراہا گیا ہے اور مقالہ نگار نے یہ بھی بتایا کہ علوم وفنون کی ترقی میں یورپ دراصل اسلام کا رہین منت ہے۔ اس کے علاوہ بھی سرسید نے بہت سے دیگر مستشرقین کے مثبت خیالات کو نقل کیا ہے۔ طامس کارلائل (Thomas Carlyle) (۱۷۹۵ء-۱۸۸۱ء) کے خیال کی بھی مدح سرائی کی گئی ہے۔ وہ ''لکچرز آن ہیروز'' میں لکھتا ہے:

''اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔عرب کا ملک پہلے ہی پہل اس کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھے اور جب سے دنیا باقی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں بھی پھرا کرتے تھے اور کسی شخص کو ان کا کچھ خیال بھی نہ تھا۔اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کام کے ساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہوگئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بن گئی''۔۶۲

سرسید نے ولیم میور کے تین بڑے اعتراضات کا نہایت مدلل اور مستحکم جواب دیا ہے۔ایک یہ کہ دین اسلام کے باب میں ولیم میور اپنی عداوت یا کم سنی کی بنیاد پر کہتا ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج، طلاق دینے اور غلام بنا لینے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔دوم یہ کہ لوگوں کو کسی مذہب کو اختیار کرنے کی اس میں آزادی نہیں ہے۔اور سوم یہ کہ عیسائیت کی ترقی میں یہ دین اسلام مزاحم بن کر کھڑا ہے۔ان تینوں اعتراضات کو سرسید نے بے بنیاد قرار دیا ہے۔تعدد ازدواج کے تعلق سے سرسید نے تحریر کیا:

''اس بات کا خیال کرنا ایک بڑی غلطی ہے کہ مذہب اسلام میں ایک سے زیادہ جورواں کرنی اسلام لانے والوں پر لازمی قرار دی گئی ہیں یا کچھ زیادہ ثواب کی بات ٹھہرائی ہے۔بلکہ برخلاف اس کے کہ عموماً ایک سے زیادہ جورواں کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔صرف ان لوگوں کو اجازت دی ہے جن کو وجوہات طبعی سے ایسا کرنے کی ضرورت ہے۔لیکن اگر یہ عذر نہ ہو تو ایک سے زیادہ جورواں کرنی ان نیکیوں اور اخلاق کے بالکل برخلاف ہے جن کی ہدایت اسلام نے فرمائی ہے''۔۶۳

تعدد ازدواج کے مسئلے پر سرسید نے طویل گفتگو کی ہے اور اس کے تعلق سے

توریت اور مستشرقین کی آراء کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت میں بھی تعدد ازدواج پر قدغن نہیں تھی بلکہ اسے باعث رحمت اور زنا سے احتراز کا ایک نسخہ تصور کیا جاتا۔ سرسید نے بالکل بجا تحریر کیا ہے کہ یہ حال تو تعدد ازدواج کی نسبت مذہب موسوی اور عیسوی میں تھا اب ہم کہتے ہیں کہ مذہب اسلام نے تمام مذہبوں سے بڑھ کر تعدد ازدواج کو نہایت خوبی سے روکا ہے اور صرف ایک ہی بیوی کو پسند کیا ہے۔ تعدد کو صرف ایک نہایت محدود و خاص حالت میں جائز رکھا گیا ہے۔[۶۴] اسی مخصوص اور محدود صورتِ حال کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَلَن تَسْتَطِيعُوٓاْ أَن تَعْدِلُواْ بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُواْ كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِن تُصْلِحُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً. وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلاًّ مِّن سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعاً حَكِيماً (النساء:۴/۲۹-۳۰)	تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، اگر تم اس کی کتنی ہی خواہش کرلو، اس لیے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی مت چھوڑو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔

مسئلہ طلاق کو لے کر مستشرقین نے اسلام پر خاصے اعتراضات کیے ہیں، سرسید نے اس کا نہایت منطقی جواب دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جس طرح نکاح انسان کی ایک اجتماعی اور دینی ضرورت ہے، اسے ایک ایسے ہم سفر کی ضرورت جو اس کی تنہائیوں کو آباد کرے، اس کے خلوت وجلوت کے تقاضوں کو پورا کر سکے، کبھی کبھی دونوں میں ایسی ناچاقی اور ناگواری پیدا ہوجاتی ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گورا نہیں۔ اب اسی بدسلوکی اور بے قراری کو دور کرنے کے لیے اللہ نے طلاق کا نظام رکھا ہے تاکہ اس بدسکونی اور اذیت سے دونوں کو نجات مل سکے۔ لیکن یہ بات بھی پیش نظر

رہے کہ اسلام میں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ ہر ممکن یہ کوشش ہو کہ دونوں میں نباہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی نظر میں طلاق ''ابغض الحلال'' ہے۔ سر سید نے اسی تعلق سے یہ تحریر کیا ہے:

''جب کہ ہم بہ لحاظ مذہب کے طلاق کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ مذہب اسلام ہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جس نے طلاق کے مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی حفاظت اور اصلاح پر نظر رکھی ہے۔ یہودی مذہب میں طلاق دینا بغیر کسی قید و شرط و حالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ جب وہ چاہے طلاق نامہ لکھ کر جورو کے حوالہ کر دے اور ایسا کرنے سے کسی حالت میں وہ کسی گناہ کا گنہگار متصور نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کو منسوخ کیا اور جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اگر وہ صحیح ہو) تو بجز ایک خاص وجہ کے آڈر کسی حالت میں طلاق کا دینا جائز نہیں رکھا اور فرمایا کہ'' میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے کسی سبب سے طلاق دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے'' اگر اس فقرہ سے جواز طلاق سمجھا جاوے جیسا کہ حال کے زمانہ کے عیسائی سمجھتے ہیں (اور شاید وہ سمجھ صحیح نہیں ہے) تو یہ ایک ایسا سخت حکم تھا جس کی برداشت انسانوں سے قریب ناممکن تھی''۔ ۶۵

سر سید نے تعدد ازدواج پر نہایت حکیمانہ گفتگو کی ہے اور بلا وجہ تعدد پر ٹوٹ پڑنا اسلامی مزاج کے برعکس ہے۔ ایک طرف سر سید نے تعدد ازدواج کی حکمتوں کو بیان کیا ہے۔ دوسری طرف متعہ پر بھی سخت اظہار نکیر کیا ہے۔ یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں

جس کی وجہ سے اوباشی بڑھتی اور پاکیزگی زنگ آلود ہوتی ہے ان دونوں مسئلوں پر سرسید نے اپنی برہمی کا اظہار مندرجہ لفظوں میں کیا ہے۔

''ان تمام باتوں کے سمجھنے کے بعد ہمارے اس خطبہ کے پڑھنے والے یقین کریں گے کہ یہ جو تعدد ازواج اس زمانہ میں رائج ہے کہ جہاں ذرا دولت ہوئی اور دو دو اور تین تین اور چار چار جوروواں کرنے لگے اور ایک بازار کی عورت کو داؤں پر چڑھایا اور نکاح کر مارا۔ جہاں مقدس بزرگ مولوی ہوئے اللہ میاں کے ساتھ بنے اس مریدنی کو لے ڈالا وہاں وعظ کہنے گئے اور مفت نکاح ثانی کو جاری کیا۔ قرآن پڑھاتے پڑھاتے دوسرا سبق خطبہ نکاح پڑھانے لگے۔ اور ہمارے دوسرے بھائیوں نے ایک حیلہ متعہ کا جو جاہلیت میں تھا اسلام میں پیدا کر کے عورتوں کو ٹھگنا شروع کر دیا۔ ان سب باتوں کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہ سب ایک قسم کی اوباشی کے ڈھنگ ہیں جن سے اسلام نفرت کرتا ہے اور وہ سب ہوا پرست اوباش ہیں جن سے اسلام کا نام بدنام ہوتا ہے۔ پس ایسے شخص کے افعال پر اسلام کی خوبی و حقیقت سے چشم پوشی کرنا چمگادڑوں کے لئے آفتاب کا سیاہ کرنا ہے''۔ ۶۶؎

اسلام کو جن جن حوالوں سے بدنام کیا جا رہا ہے اس میں ایک بڑا مسئلہ رقیت یعنی غلامی کا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلامی مفکرین کا سواد اعظم آج بھی اس کے جواز کا قائل ہے۔ سرسید نے اپنے رسالہ تہذیب الاخلاق میں تردید رقیت پر قسط وار مضمون تحریر کیا۔ ۶۷؎ غلامی کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ رقیت پر اسلام نے ہمیشہ کے لیے پابندی عائد کر دی ہے۔ آگے چل کر یہ قسط وار مقالہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ ۶۸؎ خاکسار نے اس کی افادیت و اہمیت پر ایک مقالہ تحریر کیا۔ ۶۹؎ سرسید

نے اپنے انھیں خیالات کو یہاں بھی پیش کیا ہے اور مخالفین اسلام کے اس اعتراض کا مدلل جواب دیتے ہوئے بتایا کہ رقیت اسلام میں ہمیشہ کے لیے حرام قرار دی گئی ہے۔ جب کہ توریت اور انجیل میں غلامی کے جواز کی مثالیں موجود ہیں۔ فرنگستان میں غلاموں کی تجارت عام تھی اور اس کے خلاف مذہبی اور قانونی کوئی آواز بلند نہیں کی گئی۔ سرسید رقم طراز ہیں:

''میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہ یہ ظاہری عذر کریں گے کہ وہ کسی شخص کو اس وجہ سے غلاموں کا مالک ہے قوم سے خارج نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ انجیل اور حواریوں کے ناموں کے ہر صفحہ میں غلاموں کا جواز تسلیم کیا گیا ہے مثلاً جہاں کہیں لفظ ''سروس'' یا ''دولوس'' پایا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ خدمت گار کیا گیا ہے۔ وہاں اس کا ترجمہ غلام ہونا چاہے۔ لفظ ''سروس'' کے لغوی معنی اس شخص کے ہیں جو بازار میں خریدا گیا ہو یا فروخت کیا گیا ہو اور ''فریدیدیئین'' ہمارے اجورہ دار اور خدمت گار کے نیم معنی ہیں۔ لیکن اگر بدقسمتی سے عیسائیوں کو خانگی غلامی کی اجازت دی جاوے تو اس سے کسی طرح پر یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ افریقہ کی بردہ فروشی جائز ہے جس کی زیادتی کا زمانہ اگلے لوگوں کے گمان میں بھی نہ تھا اور جو ہر طرح پر ان کی خانگی غلامی سے مختلف ہے''۔۰ے

سرسید نے مختلف دلائل دیتے ہوئے اپنے رسالہ ''ابطال غلامی'' میں صراحت کردی ہے کہ اسلام میں اس کا کسی طرح جواز نہیں، خطباتِ احمدیہ میں اس بحث کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ اپنی اس بحث کو درج ذیل لفظوں پر ختم کیا ہے۔

''حسن نالائق اور خراب اور قابل افسوس حالت سے غلامی کا رواج مسلمان ریاستوں میں (بعض عیسائی ملکوں میں بھی) ہوتا

> ہے، اس کو دیکھ کر ہم کو کچھ کم رنج نہیں ہوتا۔ مگر ہم اس خطبہ کو پڑھنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص خود اس کا برتاؤ کرتا ہے یا اوروں کو کرنے دیتا ہے وہ ٹھیٹ اسلام کے حکم اور اس کے عالی اصولوں کے برخلاف عمل کرتا ہے اور وہ ضرور ایک دن اس حقیقی شہنشاہ کی ہیبت ناک عدالت میں بطور ایک گنہگار کے حاضر ہوگا۔ خواہ مکہ میں جا کر یہ کام کرے یا مدینہ میں۔[۱]

اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ مخالفین اسلام اور مستشرقین نے اس تعلق سے لٹریچر کا ڈھیر لگا دیا ہے اس ڈھیر کا صداقت سے کوئی سروکار نہیں، یہاں الزامات اور اتہامات کا طویل سلسلہ ہے۔ اسلامی محققین نے اپنے اپنے لحاظ سے اس کا جواب دیا ہے۔ مولا مودودی نے ''الجہاد فی الاسلام'' میں اس کا مدلل جواب فراہم کیا ہے۔ اسی طرح سرسید نے بھی اس کا مسکت جواب تحریر کیا ہے۔ سیرۃ النبی میں علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی اس کا قابل قدر جواب ترتیب دیا ہے۔ اس حقیقت سے وہی انکار کر سکتا ہے جسے اسلام سے چڑھ ہو اور تعصب کی بنیاد پر اسلام کو جابر و ظالم قرار دیتا ہو، سرسید بڑے اہتمام سے اس کی تردید کرتے ہیں:

> ''جس اصول پر کہ حضرت موسیٰ نے کافروں پر تلوار کھینچی تھی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا کے حکم سے وہ تلوار کھینچی گئی تھی کہ تمام کافروں اور بت پرستوں کو بغیر کسی استثناء کے قتل و غارت و نیست و نابود کر دیں۔ اس اصول پر مذہب اسلام نے کبھی تلوار کو میان سے نہیں نکالا۔ اس نے کبھی تمام کافروں اور بت پرستوں کے نیست و نابود کرنے کا یا کسی کو تلوار کی دھار سے مجبور کر کے اسلام قبلوانے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہاں بلاشبہ اسلام نے بھی تلوار کو نکالا مگر دوسرے مقصد سے یعنی خدا پرستوں کے امن

اور ان کی جان و ملل کی حفاظت اور ان کو خدا پرستی کا موقع ملنے کو اور یہ ایک ایسا منصفانہ اصول ہے جس پر کوئی شخص کسی قسم کا الزام نہیں لگا سکتا۔"۔۲ے

سر سید نے اپنی بات کو مستند بنانے کے لیے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے ہیں لیکن ان تمام چیزوں کا احاطہ یہاں ممکن نہیں ہے۔ مذکورہ دونوں مآخذ کے علاوہ بہت سے مستشرقین کے خیالات سے بھی ثابت کیا ہے کہ دین اسلام ایک حریت پسند دین ہے۔ وہ لوگوں کی شخصی اور فکری آزادی پر پہرہ بٹھانے کا ہرگز قائل نہیں ہے۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کے ایک مضمون اندلس کے خلفاء کے متعلق بتایا گیا کہ انھوں نے دیگر مذاہب کے متبعین کو مذہبی امور میں آزادی دے رکھی تھی۔ اس طرح گاڈفری ہگنز نے عیسائی پادریوں سے اختلاف کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام تعصب اور ریاکاری سے پاک ہے۔ اسپین میں رہنے والے عیسائیوں کو اس نے تنگ نہیں کیا، وہ اپنی ملکیت پر قابض رہے ان کے پادریوں، ان کے بشپ، بزرگوں اور گرجاؤں کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی نہیں کی گئی۔۳ے اس تناظر میں سر سید نے ایک فلسطینی عیسائی شاعر لامارتین اور ایک انگریز سیاح کے خیالات نقل کیے ہیں:

"صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہے جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں" اور ایک انگریز سیاح سلیدن نے مسلمانوں پر یہ طعنہ کیا ہے کہ "وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں" اب دیکھو کہ یہ سب رائیں بہت سی بے طرفدار اور فیاض طبع عیسائی مصنفین کی سر ولیم میور کے اس بے سند دعوے کہ اسلام میں دوسرے مذہب کو آزاد رکھنے کا نام بھی نہیں ہے کیسی برخلاف ہیں"۔۴ے

سر سید نے نزول قرآن اور ترتیب قرآن کے متعلق بھی اس کتاب میں بحث کی ہے۔ تدوین قرآن اور ترتیب قرآن پر بے شمار مباحث ملتے ہیں۔ ان میں بہت

سے ایسے مباحث ہیں جنھیں پڑھ کر افسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے قرآن کریم کی تدوین وترتیب کے متعلق شکوک پیدا کیے ہیں۔ اس تعلق سے سرسید، مولانا حمیدالدین فراہی اور خالد مسعود کی آراء حد درجہ لائق ستائش ہیں کہ ان کے نزدیک قرآن کریم کل کا کل بالفاظ خداوندی ہے، اسی طرح اس کی تدوین وترتیب بھی توقیفی ہے۔ اس کا ایک حرف بھی ادھر کا ادھر بجز باذن اللہ نہیں ہوا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہی عہد میں باشارۃ اللہ قرآن کریم کو مدون کر دیا تھا اور اسے بین الدفتین مدون کر کے مسجد نبوی میں ایک ستون کے پاس رکھ دیا اس مصحف کو "اسطوانۃ المصحف" کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کو دورانِ تلاوت جب کہیں شبہہ ہوتا تو شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے اس سے رجوع کرتے۔ اس کی تفصیل یوں ہے:

> یہ بات روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں لوگوں نے مصحف کی نقول اپنے استعمال کے لیے تیار کر لی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے والے کے لیے بن دیکھے تلاوت کرنے والے کی نسبت دوہرا اجر کی بشارت دی، ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب حضور کی حیاتِ مبارکہ میں مصاحف میسر آ چکے ہوں۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ نے سفر میں قرآن کو ساتھ لے جانے کی ممانعت کی تا کہ اس کے ہاتھ کفار کے ہاتھ نہ لگیں۔ اور وہ ان کو ضائع نہ کر دیں"۔ ۵۷

اس حدیث کے تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اصل جامع رسول اللہ ﷺ ہیں، لیکن جامع القرآن نے اپنا تمام فریضہ بحکم الٰہی ادا کیا ہے۔ آیات کریمہ کا Adjusment توقیفی ہے۔ قرآن کی موجودہ ترتیب کے مطابق دوبار ماہ رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ ﷺ نے پورا قرآن کریم پڑھ کر سنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ترتیب توقیفی کو اس طرح بیان کیا ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ. إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ. فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ. ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیامۃ: ۷۵/ ۱۶-۱۹)

(اے نبیؐ) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کو پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔

مولانا فراہی نے اپنی تفسیر نظام القرآن میں اس کی نہایت جامع و مانع تفسیر کی ہے اور مدلل انداز میں جمع القرآن پر گفتگو کی ہے۔۷۶ بالخصوص مولانا عبداللطیف علی گڑھی نے اپنی کتاب ''تاریخ تدوین قرآن'' میں ترتیبِ قرآن پر نہایت مدلل گفتگو کی ہے۔آپ کے استاذ گرامی علامہ شبلی نے بھی ترتیب القرآن کے باب میں مبہم گفتگو کی ہے۔۷۷ اس طرح مشہور شیعی عالم مولانا سید علی نقی نقوی بھی اپنی تفسیر ''فصل الخطاب'' کے مقدمہ میں ترتیب قرآن پر لکھتے ہوئے اصل راہ سے دور جا پڑے ہیں اور ان کا یہ کہنا ہے کہ ترتیب قرآن کے وقت آیات کریمہ ادھر ادھر چلی گئی ہیں۔۷۸ لیکن سرسید نے نزول قرآن ، کتابت قرآن اور تدوین قرآن پر قابل قدر گفتگو کی ہے۔کتابت کا سلسلہ بالکل اوائل نزول سے تھا۔ یہ چمڑوں، ہڈیوں اور کھجور کی چھال پر لکھی جاتیں۔سرسید نے مختلف احادیث سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عہد میں قرآن کریم کو ترتیب دے دیا تھا۔سرسید لکھتے ہیں:

''ایک اور روایت میں بخاری ان لوگوں کے نام بیان کرتا ہے جنھوں نے قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا اور ان کے نام یہ ہیں: عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی ابن کعب اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ منجملہ مقتولین جنگ یمامہ کے جو پیغمبر خدا کی وفات

کے تھوڑے ہی دن بعد ہوئی تھی، ستر شخص ایسے شہید ہوئے تھے
جن کو قرآن مجید بالکل حفظ تھا۔

ان تمام روایتوں سے دو امر بخوبی ثابت ہوتے ہیں: اول یہ کہ گو
جناب پیغمبر خدا کی حیات میں قرآن مجید چمڑے وغیرہ پر کیسی ہی
بے ترتیبی سے لکھا ہوا موجود ہو مگر جن لوگوں نے کی کہ پوری
سورتیں یاد کر لی تھیں ان میں آیتوں کی بالکل ترتیب تھی۔ اور وہ
ترتیب آنحضرت ﷺ کے ہدایت اور حکم کے موافق تھی۔
دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو ترتیب وار حفظ کر لیا تھا،
اس سے یہ دلیل مستنبط ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی
ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے فرمانے سے لوگوں کو معلوم ہوگئی
تھی''۔۹۷

مستشرقین نے ''انزل القرآن علی سبعۃ احرف'' کی بنیاد پر قرآن کریم کو ایک مبہم اور مشکوک کتاب بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے عہد عتیق اور عہد جدید سے جوڑنے کی کوشش کی ہے جب کہ ان دونوں میں اختلاف قرات کا مطلب ہے تحریف، ناقلوں کی چوک اور غلطیاں، منقول عنہ سے سقم اور غلطیوں کا موجود ہونا اور کاتبین کا متون میں اصلاح کی کوشش کرنا، لیکن قرآن کریم کی قرأت سبعہ کا ان مندرجہ چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ قرأت سبعہ کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں آیات کریمہ مختلف چیزوں پر ادھر ادھر لکھی ہوئی تھیں اس لیے کبھی کبھی آیات کریمہ کو ملا کر پڑھنے میں دقت ہوتی تھی، ابتداء میں چوں کہ آیات کریمہ غیر منقوطہ تھیں اس لیے کچھ مقامات پر تلفظ کی ادائیگی میں فرق ہوتا تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مختلف علاقوں میں رہنے کی وجہ سے عرب قبائل کے لہجوں میں فروق آگئے تھے جس کی وجہ سے ''سبعہ احرف'' کا اطلاق قرآن کریم پر ہوا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ الفاظ پر اعراب دینے کا رواج نہیں تھا جس کی وجہ سے کبھی کبھی قرأت میں فرق واقع ہو جاتا تھا، عربی زبان میں ایک

ہی مادہ سے مختلف ابواب ہوتے ہیں جس کے ایک ہی لفظ کو مختلف قارئین مختلف ابواب سے سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے اعراب میں تبدیلی آجاتی ہے۔[۸۰] لیکن ان تمام چیزوں کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم میں کسی طریقے کی تحریف ہوئی ہے۔ سرسید نے اس بحث پر گفتگو کرتے ہوئے نتیجہ یوں پیش کیا ہے:

> ''تلفظ کا اختلاف قریب قریب معلوم ہوگیا ہے کیوں کہ قریش کے تلفظ کو سند قرار دینے میں کوشش کامیاب ہوئی ہیں۔ قریش ہی کے لہجہ اور زبان میں قرآن مجید نازل ہوا تھا اور اس لہجہ اور زبان میں جناب پیغمبر خدا اس کو پڑھا کرتے تھے لیکن چوں کہ اس زبان میں بعض حروف ایسے ہیں جن کا تلفظ اور قوموں سے ادا نہیں ہوسکتا، اس سبب سے اس اختلاف سے بالکل پیچھا نہیں چھوٹا۔ مثلاً اگر ہم کسی ایک عجمی اور کسی بدو اور کسی تربیت یافتہ عرب کو قرآن پڑھتے ہوئے سنیں تو فوراً پہچان لیں گے کہ یہ اختلاف اب بھی موجود ہے۔ مگر یہ اختلاف صرف قرآن مجید کے پڑھنے میں محسوس ہوگا۔ نہ اس کے املاء میں اور اسی لیے یہ اختلاف ضبط تحریر میں نہیں آسکتا، اس کا اندازہ کرنے کو ان لوگوں سے قرآن مجید کے سننے کی ضرورت ہے''۔[۸۱]

ناسخ اور منسوخ کی بحث بھی خاصی طویل ہے اس پر علماء اسلام کے یہاں مختلف آراء پائی جاتی ہیں، مختلف لوگوں کے یہاں منسوخ آیات کی مختلف تعداد ہیں اور بہت سے مفسرین اور ماہرین قرآنیات کے نزدیک ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔ ناسخ و منسوخ کا ایک مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ پہلا حکم اس لیے منسوخ ہوا ہے کہ اس میں کوئی نقص تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ماضی، حال اور مستقبل سے واقف نہیں ہے، علماء کرام کے اسی خیال کو مستشرقین بھی لے اڑے، سرسید نے دوسرے مقامات پر مسئلہ نسخ پر مستند بحث کی ہے۔ سرسید نے آیات کریمہ پیش کرتے ہوئے اس

کا نتیجہ اس طرح پیش کیا ہے:

''مذکورہ بالا آیتوں سے کوئی ذی فہم شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان سے قرآن مجید کی ایک آیت کے قرآن مجید کی دوسری آیت سے منسوخ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ صاف اس میں اہل کتاب کا ذکر ہے اور اہل کتاب جو اس بات کے مخالف تھے کہ ان کی شریعت کے برخلاف کوئی حکم نہ ہو اس کی نسبت خدا نے کہا کہ ہم جس آیت یعنی حکم شریعت اہل کتاب کو منسوخ کرتے یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مانند بھیج دیتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس آیت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے، بلکہ اس کو صریح شریعت اہل کتاب یا رسوم مشرکین سے علاقہ ہے، جن کی طرف خاص اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے جن کی شریعت کے احکام میں شریعت محمدی سے کسی قدر کمی وبیشی ہوگئی ہے۔[۸۲] سرسید نے مسئلہ نسخ کے حوالے سے متعدد آیات اور احادیث نقل کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اس تعلق سے سرسید نے ایک حدیث نقل کی ہے:

عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ قال سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوماً یتدارؤن فی القرآن فقال انما ہلك من کان قبلکم بھذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض وانما نزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضاً	رسول اللہ ﷺ نے ایک قوم کو سنا کہ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں۔ پس فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ اسی سے ہوئے، خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے لڑایا (یعنی رد کیا) اور خدا کی کتاب تو اس لیے اتری ہے کہ بعض سے بعض کی تصدیق ہو۔ پس بعض کی بعض

فلاتکذبوا بعضه ببعض مماعلمتم منه فقولوا به وما جهلتم فوکلوه الی عالمه" (رواہ احمد وابن ماجہ)

سے تکذیب مت کرو۔ اس میں سے جو جانو وہ کہو اور جو نہ جانو اس کو اس کے واقف کار پر چھوڑ دو۔

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی آیت بھی کسی آیت کی ناسخ ہے نہ کوئی آیت منسوخ ہے۔۸۳؎ اس طرح ولیم میور کا یہ کہنا کہ قرآن کریم میں دوسو پچاس آیتیں منسوخ ہیں یہ ایک عبث اور بے بنیاد نقطۂ نظر ہے۔

۸۱؎ قرآن مجید اپنے طرزِ بیان کے اعتبار سے الہامی اور آسمانی کتاب ہے اس کے علاوہ اپنے معانی اور بے شمار دیگر مباحث کی نوعیت سے بھی اس کا الہامی الاصل ہونا ظاہر وباہر ہے جیسا کہ قرآن کریم نے خود اپنے متعلق بتایا کہ:

"قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً" (بنی اسرائیل:۱۷/۸۸)

کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

سرسید نے قرآن کریم کے چار اوصاف بیان کرتے ہوئے اس کی الہامیت کو ثابت کیا ہے (۱) دل پر اثر کرنے والی اس کی فصاحت وبلاغت۔ (۲) اس کے شرعی احکام۔ (۳) اس کے اخلاقی اصول۔ (۴) اور اس کے معاشرتی اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو کوئی شخص اسے کتاب اللہ کہنے سے انکار نہیں کرسکتا۔ سرسید نے اس میں مشہور مستشرق مسٹر گبن (Gibbon) کے متعدد خیالات نقل کرتے ہوئے اس کی نادانی پر اظہار تاسف کیا ہے کیوں کہ اس نے ہومر کی ایلیڈ اور موستھنیز کی فلیکس کو قرآن کریم کے شانہ بشانہ لاکھڑا کیا ہے۔۸۶؎ سرسید نے مسٹر کارلائل کے تاثرات کو بھی قلم بند

کیا ہے:

> ''میرے نزدیک قرآن مجید میں سچائی کا جوہر اس کے تمام معانی میں موجود ہے جس نے کہ اس کو وحشی عربوں کی نظر میں بیش بہا کردیا تھا سب سے اخیر یہ کہا جاسکتا ہے: یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے آخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے۔ بلکہ دراصل ہر قسم کے وصف کی بناء صرف اسی سے ہوسکتی ہے''۔ ۸۷

سرسید نے ولیم میور اور دیگر مستشرقین کے بہت سے قرآنی خیالات کو لغو اور بیہودہ قرار دیا ہے۔ ۸۸ لیکن اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ یورپین زبانوں میں موجودہ قرآن کریم کے تراجم مستشرقین کے ہی کیے ہوئے ہیں۔ سرسید نے اس پر انتہائی قلق کا اظہار کیا ہے کہ کاش دنیا کی بے شمار زبانوں میں امت مسلمہ کے ہاتھوں سے یہ فریضہ انجام دیا جاتا۔ یہی رنج وغم مقدمہ ''تبیین الکلام'' میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جہاں سرسید نے یہ تحریر کیا کہ انجیل کے تراجم اور تفاسیر کی جو کتابیات تیار کی گئی ہیں کاش اسی طرح کی کتابیات تراجم و تفاسیر قرآن کی ترتیب دی جاتیں۔ ۸۹ سرسید عالمی سطح پر امت مسلمہ کی علمی کارکردگی کو دیکھنے کے خواست گار تھے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ادارہ سرسید کے استاذ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے انگریزی میں موجودہ قرآن کریم کے تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے محاسن اور معائب دونوں پر مدلل انداز میں گفتگو کی ہے۔ ۹۰ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں مستشرقین کی صداقتوں اور علمی کذب بیانیوں کا تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کی ذات گرامی اس پہلو سے لائق ستائش ہے کہ دنیا کی مختلف جامعات میں اس موضوع پر محاضرات دیتے ہوئے اپنے علمی مقام کو منوایا، انگریزی تراجم قرآن سے متعلق آپ کی کتاب غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ ۹۱ انگریزی تراجم پر ''علوم القرآن'' میں آپ کا مقالہ گراں قدر نوعیت کا حامل ہے۔ ۹۲ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آپ نے تفسیر ماجدی کو انگریزی میں

منتقل کیا ہے۔۹۳ اس وقت انگریزی میں اسلامیات اور قرآنیات کے حوالے سے قدوائی صاحب کا ایک بڑا نام ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں واقع ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ کا ترجمان مجلّہ ''اسلام اور عصر جدید'' (اس شمارے میں تراجم مستشرقین کے قادیانی تراجم، اولین مسلم تراجم ممتاز مسلم تراجم، دیگر مسلم تراجم اور شیعہ تراجم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سیرت طیبہ پر مستشرقین کی تصانیف کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: اسلام اور عصر جدید، (مدیر اختر الواسع)، ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی، جلد نمبر ۴۵، جنوری ۲۰۱۳ء، شمارہ ۱، ص: ۱۱۔۱۲۸) کا ایک پورا شمارہ آپ کے مقالہ انگریزی تراجم قرآن پر مشتمل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پروفیسر قدوائی نے سر سید کے علمی منصوبہ کو ایک حد تک منزل مقصود تک پہنچایا ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو کیوں کہ یہ سلسلہ سر سید کے تقابل ادیان سے متصل ہے۔

سر سید نے خطبات احمدیہ میں ولیم میور کی متعدد ہرزہ سرائیوں اور نادانیوں کا ذکر کیا ہے۔ جس نے مارکسی اور وینس سے مختلف روایات نقل کرتے ہوئے اسلام اور قرآن کو ہیٹا دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ایک روایت کے مطابق عبداللہ ابن مسعود نے آنحضور ﷺ کی زبانی ایک آیت کو لکھ لیا اور صبح کو کاغذ سے اسے اڑا ہوا پایا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ وہ آسمان پر اڑ گئی۔ اس کے بعد یہ معجز نما خیال بھی سننے میں آیا کہ مسلمانوں کو قرآنوں میں سے اس کا اڑ جانا آنِ واحد میں ہوا۔۹۴

مذکورہ روایت کے متعلق سر سید کا خیال ہے کہ یہ روایت ولیم میور کی ایجاد کردہ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت اور کوئی سند نہیں ہے۔ اسی طرح اس نے آیات محکمات کے لیے ''وحی کامل'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے اس کے مبلغ علم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اس نے ترتیب قرآن کے متعلق بھی بے تکی باتیں کہی ہیں۔ اس کے نزدیک احوال کے مطابق اس کی معقول ترتیب نہیں ہے اور اسی تسلسل کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مکی اور مدنی آیات کریمہ کے

نزول میں خاصا طویل وقفہ رہا ہے۔ یہ وقفہ خود اس کی بے ربطی پر دال ہے۔[۹۵] یہ تمام چیزیں ولیم میور کی کم علمی پر دلالت کرتی ہیں۔[۹۶] قرآن کریم میں جس طرح کا تناسب وترابط پایا جاتا ہے اس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ سرسید نے مقدمہ تفسیر میں ربط قرآن پر گفتگو کی ہے۔[۹۷] اس کے علاوہ قدیم و جدید کے بہت سے مفسرین نے نظم قرآن کو موضوع بحث بنایا ہے۔ لیکن نظم قرآن کو ایک نظریہ کی شکل دینے اور اسے مدلل صورت میں پیش کرنے کا سہرا مولانا حمید الدین فراہی کے سر ہے اس نقطۂ نظر سے دنیا کے تمام مفسرین میں آپ سرخیل کی مانند ہیں۔ قرآنیات کے حوالے سے تیس سے زائد آپ کی تصانیف ہیں۔ ان تمام تصانیف میں نظم قرآن کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور ایک تصنیف بعنوان ''دلائل النظام'' صرف نظم قرآن ہی کے موضوع پر ہے۔ نظم قرآن کیا ہے؟ مولانا فراہی نے اس کی توضیح اس طرح کی ہے:

''نظم سے ہماری مراد سورہ کے اجزاء کی وہ باہمی مناسبت ہے جس کے معلوم ہونے پر پوری سورہ ایک جدت میں ڈھل جائے۔ اس صورت میں کلام کا مفہوم اس قدر مربوط اور ایک ہی مرکزی مضمون کا حامل نظر آتا ہے کہ پوری سورہ مشخص ہو کر سامنے آتی ہے اور کلام میں ایک جمال، ایک پختگی اور وضاحت کا ادراک ہوتا ہے، نظم ایک سورہ تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس سورہ کی مناسبت ان سورتوں کے ساتھ معلوم ہو جائے جو اس کے ساتھ متصل ہیں اگر ان کے ساتھ ان کی مناسبت واضح نہ ہو تو ان سورتوں کے ساتھ اس کا تعلق معلوم ہو جائے جو اس سے پہلے یا بعد میں کچھ فاصلے پر واقع ہیں کیوں کہ عین ممکن ہے کہ جس طرح بعض آیات جملۂ معترضہ کے طور پر کلام میں آجاتی ہیں اسی طرح بعض سورتیں بھی معترضہ سورتیں بن کر آئی ہوں۔ نظم معلوم ہو جانے کے بعد اول سے آخر تک پورا قرآن مناسبت اور ترتیب رکھنے والا اور کامل وحدت سے متصف نظر آئے گا۔[۹۸] اپنے اس نظریہ کو عملی جامہ آپ نے اپنی تفسیر ''نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان'' میں پہنایا ہے۔[۹۹] اس سلسلے کو مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں برتا ہے۔[۱۰۰]

ولیم میور نے قرآن کریم کے متن کے باب میں بہت سے شکوک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح اس نے یہ بھی کہا ہے اگر حضرت ابوبکرؓ کا جمع کردہ قرآن اپنے متن کے لحاظ سے خالص ہوتا تو اس قدر جلد خراب کیوں کر ہو جاتا اس کا یہ دعویٰ کہ کچھ آیات کریمہ کی تلاوت صرف کچھ مدت کے لیے رہی۔ نیز بہت سی آیات اندراج ہونے سے رہ گئیں۔ سرسید نے اس کے اس طرح کے مزعومات کی مکمل تردید کی ہے۔[۱۰۱]

خطبات احمدیہ میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام، حجاز، خانہ کعبہ اور حجر اسود کے حوالے سے نہایت مفید گفتگو کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس مسجد کو بنایا تھا وہی خانہ کعبہ ہے، اسی کو مسجد حرام بھی کہا جاتا ہے۔ جو علاقہ حجاز ہے، خانہ کعبہ کے پاس اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لاکر بسایا، مقام سکونت پر مستشرقین نے اعتراضات اٹھائے ہیں سرسید نے ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔[۱۰۲] حجر اسود کے متعلق سرسید نے تحریر کیا کہ:

"خود حضرت ابراہیم اور تمام ان کی اولاد میں یہ رواج تھا کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر بطور ایک نشان کے لمبا بن گھڑا پتھر کھڑا کر لیا کرتے تھے اس کو مذبح یعنی قربان گاہ اور بیت اللہ قرار دیتے تھے۔ اور وہاں خدا کی عبادت بجالاتے تھے اور اس کے نام پر قربانی کرتے تھے۔ پس کعبہ میں اسی رسم کا برابر جاری چلا آنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس معبد کی اصل ابراہیم سے ہے"۔[۱۰۳]

توریت مقدس میں یہ شہادت موجود ہے کہ پتھر، قربانی اور بیت اللہ نام رکھنے کی رسم حضرت ابراہیم سے چلی آرہی ہے۔ اس کی قدامت کے متعلق شبہ کرنا دلیل عبث ہے۔ توریت سے کئی شہادتیں سرسید نے نقل کی ہیں:

"کتاب خروج ۲۵ میں لکھا ہے کہ اگر میرے لیے پتھر کا مذبح بنادے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو، کیوں کہ تو اگر اسے

اوزار لگا دے گا تو اسے ناپاک کر دے گا''۔

ایک دوسری دلیل یوں ہے:

''اور کتاب پیدائش، باب ۲۸، ورس ۱۸، ۱۹، ۲۲ میں لکھا ہے کہ ''یعقوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا، لیکے ستون کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر اور اس نے سر پر تیل ڈالا۔ اور اس مقام کا نام بیت ایل (یعنی بیت اللہ، خدا کا گھر) رکھا اور کہا کہ یہ پتھر جو میں نے ستون کی مانند کھڑا کیا، خدا کا گھر یعنی بیت اللہ ہوگا''۔

سرسید نے اس طرح کی آیات پر یوں تبصرہ کیا ہے:

''ان آیتوں سے بخوبی ثابت ہے کہ ابراہیم اور اس کی اولاد کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کی عبادت کے لیے مذبح، ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر کے بناتے تھے، کبھی اس کے ساتھ کوئی مکان بھی بنا دیتے اور کبھی پتھر کھڑا کرنے کے بعد بناتے تھے اور اس کو بیت اللہ کہتے تھے، بالکل یہی حالت کعبہ کی اور حجر اسود کی ہے جو ایک بن گھڑا لمبا پتھر ہے، پہلے صرف حجر اسود کھڑا کیا تھا پھر جب وہاں کعبہ بنایا تو اس کے کونا میں اس کو لگا دیا''۔[۱۰۴]

مذکورہ گفتگو سے سرسید حجر اسود کی اصل حقیقت بتانا چاہتے تھے، لیکن حجر اسود کے تئیں بے شمار روایات ہیں، طرح طرح کی باتیں کہی گئی ہیں۔ جب کہ قرآن کریم میں اس پتھر کا ذکر نہیں۔ اس کے برعکس خانہ کعبہ کی حیثیت اور اس کا مقصد تعمیر بتایا گیا ہے۔ حجر اسود سے متعلقہ روایات کو سرسید نے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے کیوں کہ ان کے سلسلے درستی اور صحت کے ساتھ آپ ﷺ تک نہیں پہنچتے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے اپنی پشت پر لائے ہیں، ابتداءً وہ سفید تھا لیکن انسانی گناہوں کو جذب کرتے کرتے سیاہ ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ جنت کے جواہرات میں سے لعل

بے بہا ہے۔ خدا نے اس کی چمک دمک لے لی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پوری دنیا اس کی چمک دمک سے منور ہو جاتی۔ ایک روایت ہے کہ قیامت کے دن اس پتھر کی دو آنکھیں اور ایک زبان ہوگی۔ قیامت کے دن وہ اپنے بوسہ دینے والوں کو پہچان لے گا۔ اس طرح کی روایات سے اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سرسید کا کہنا یہ ہے کہ یہ پہاڑ ابوقبیس کا پتھر تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام مذبح کے لیے استعمال کرتے تھے۔ لیکن جب ان کی رہائش مستقل ہوگئی تو انھوں نے اپنا مذبح بناتے وقت اسے اس کے ایک کونہ میں فٹ کر دیا۔ اس کے کالے پن کے متعلق تاریخ بتاتی ہے کہ خانہ کعبہ میں دو بار آگ لگنے کی وجہ سے یہ شدید طرح سے کالا پڑ گیا کعبہ میں اسے پرستش کی وجہ سے نہیں لگایا بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ طواف کی ابتداء اور انتہاء کی ایک علامت ہو، چنانچہ یہ ایک علامت بنے تا کہ طواف کی گنتی میں کوئی دشواری نہ ہو۔ ۱۰۵

خطبات احمدیہ کا ایک خاص موضوع تعمیر کعبہ ہے۔ کب کب اور کن لوگوں کے ہاتھوں اس کی تعمیر ہوئی اسے اختصار کے ساتھ بڑے سلیقے سے سرسید نے بیان کیا ہے۔ سرسید بڑے سے بڑے موضوعات کو کوزے میں بند کرنے کے فن سے واقف تھے۔ چنانچہ تاریخ کعبہ کو بھی اختصار کے ساتھ قلم بند کر دیا ہے۔ سب سے پہلے حرم کے تقدس کو بیان کیا ہے اس کے تقدس کی ایک بڑی مثال یہ ہے کہ وہ حرم کے اندر ہے۔ حدود حرم کی شرائط ہیں جن کا پاس ولحاظ کرنا از حد ضروری ہے۔ اس کے اندر قتل وخوں ریزی قطعاً ممنوع ہے، حتی کی مکھی اور مچھر کو بھی مارا نہیں جا سکتا۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے بتایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے لیے وہ قطعہ پسند کیا جو چاہ زمزم کے پاس تھا، تا کہ مصلین وعابدین کو پانی مل سکے۔ تعمیر ابراہیم کا مختصر حال یہ تھا کہ صرف دیواریں تھیں چھت نہیں تھی، دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا، لیکن کواڑ اور کنڈی نہ تھی۔ اس عمارت کے بیرونی گوشہ پر ایک لمبا پتھر لگا دیا گیا۔ تا کہ طواف کی تعداد کا اندازہ ہو سکے۔ اس پتھر کو دنیا حجر اسود کے نام سے جانتی ہے۔ غالباً یہ وہی پتھر

ہے جسے حضرت بوقت عبادت کھڑا کر لیا کرتے تھے۔ اسی چہار دیواری کے اندر ایک کنواں بھی تھا جسے خزانہ کعبہ کہتے تھے تا کہ نذر و نیاز کی چیزوں کو اس میں محفوظ کیا جا سکے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کے محافظ تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے رشتے دار مضاض ابن عمر جرہمی اس کے محافظ ہوئے جس کا تعلق بنی جرہم سے تھا اس کے ایام محافظت میں سیلاب آیا اور خانہ کعبہ میں پانی بھر گیا جس کی وجہ سے ڈھ گیا چنانچہ بناء ابراہیمی پر دوبارہ اس کی تعمیر ہوئی۔ اس کی بلندی زمین سے نو ذرعہ تھی۔ اس کے بعد حمیر کے ایک قبیلہ عمالیق نے تعمیر کعبہ میں اپنا رول ادا کیا۔ کیوں کہ پہاڑوں کے پرنالے اسے توڑ دیتے تھے۔

سرسید نے بعض روایات کو بھی نقل کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا حقائق سے دور کا واسطہ نہیں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ پہلے کعبہ عرش کے نیچے چار ستون کے چوکھبے کی مانند بنایا گیا تھا اس کے ستون زبرجد کے تھے اور یاقوت احمد کی پچی کاری سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اسے بیت المعمور سے موسوم کیا گیا اور اس کے بعد اسے زمین پر تعمیر کرنے کے لیے فرشتوں کو حکم دیا گیا۔ چنانچہ اسی شکل کا اتنا بڑا گھر بنایا گیا جسے خانہ کعبہ کہا جاتا ہے۔ سرسید نے اس روایت کی بے استنادی پر طنز کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتوں کی انجینئرنگ کچھ قابل قدر نہ تھی جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو دوبارہ بنانا پڑا۔ اس کے بعد جب طوفان نے اسے ڈھا دیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ یہ تمام خیالات لفظ "عتیق" کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں۔ اس کے بعد ایک بار خانۂ کعبہ کو سیلاب کی تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا تو قصی ابن کلاب نے اسے تعمیر کیا۔

اس کے بعد تعمیر قریش کا دور شروع ہوتا ہے، ایک مرتبہ پھر کعبہ آتش زدگی کا شکار ہوا جس کی وجہ سے اس کی دیواریں کالی ہو گئیں اور پھٹ گئیں چنانچہ سیل عوارم کی وجہ سے پہاڑی سے ایک ایسا پرنالہ آیا کہ جس کی وجہ سے دیواروں میں شگاف آ گئے۔ اس کی وجہ سے قریش کو اس کی تعمیر کی فکرمندی ہوئی لیکن وہ فن تعمیر کی نزاکتوں

سے واقف نہ تھے۔ جب انھیں بندرگاہ مکہ میں ایک جہاز کے آنے اور اس کے ٹوٹنے کی اطلاع ہوئی تو وہاں گئے اور اس کی لکڑی مول لے لی۔ یہ جہاز رومیوں کا تھا جو عیسائیت اور رومن کیتھولک کے ماننے والے تھے۔ اس میں ایک عیسائی رومن کیتھولک انجینئر بھی تھا جس کا نام باقوم تھا جس سے اللہ کے گھر کو بنانے کی درخواست کی گئی۔ چنانچہ تعمیری کام کا آغاز ہوا اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کی عمر بہت کم تھی پھر بھی پتھر ڈھونے میں شریک تھے۔

یہاں ذکر مناسب ہوگا کہ جب تعمیر کے لیے ڈھانے کا مسئلہ آیا تو آگے بڑھ کر کوئی پھاوڑا مارنے کو تیار نہ تھا۔ کیوں کہ خانہ کعبہ کی عظمت دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ نے اپنا دل سخت کر کے پھاوڑا چلایا اور کہنے لگا کہ میں سب سے بڑھا ہوں اگر مر گیا تو ٹھیک ہے۔ چنانچہ لکڑی کی کمی کی وجہ سے کعبہ کے حدود کو کم کرنا پڑا۔ اس کی کرسی چار زرعہ اور ایک بالشت پر رکھی گئی تا کہ اس کے اندر پانی نہ جا سکے۔ جب حجر اسود کے رکھنے کا مسئلہ آیا تو ہر سردار خود اپنے ہاتھوں سے یہ فریضۂ حسن انجام دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ آنحضور ﷺ کے حق میں آیا تو آپ نے ایسی حکمت عملی سے انجام دیا کہ تمام قبائل کی خواہشات پوری ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے چادر بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھا اور تمام لوگوں سے اسے اٹھانے کے لیے کہا گیا اس حکمت کی وجہ سے ایک بہت بڑا لاینحل مسئلہ چٹکیوں میں حل ہو گیا۔

اس کے بعد عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر کا وقت آتا ہے جب انھوں نے یزید کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا تو یزید کی طرف سے حصین بن نمیر فوج لے کر چل پڑا اور ابوقبیس پہاڑ پر چڑھ کر کرین سے پتھر مارتا تھا۔ عبداللہ ابن زبیر کے لوگ کعبہ کے پاس ہی خیمہ زن تھے۔ چنانچہ پتھروں سے کعبہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ایک خیمہ میں آگ لگنے کی وجہ سے خانہ کعبہ میں بھی آگ لگ گئی۔ اس دوران یزید مر بھی گیا۔ اب عبداللہ ابن زبیر نے کعبہ کا تعمیری سلسلہ شروع کیا، اور یہ تعمیر جدید ترین آہنگ پر مشتمل تھی۔ ایک جدت یہ تھی کہ اس میں دو دروازے بنائے گئے۔ باب شرقی داخل ہونے کے لیے

تھا اور باب غربی نکلنے کے لیے اور دروازوں کی بلندی قریش کے دروازوں سے نو ذرعہ بڑھا دی یعنی ستائیس ذرعہ کر دی۔ اور لکڑی لمبی ملنے کی وجہ سے قریش کے چھ ستون کی جگہ صرف تین ستون بنائے۔ اور بھی بہت سی تفصیلات کی طرف سر سید نے توجہ مبذول کی ہے۔

جب حجاج بن یوسف کے مقابلے میں عبداللہ ابن زبیر کی شکست ہوئی اور مکہ پر حجاج بن یوسف کا قبضہ ہو گیا تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر نے کعبہ میں نئی چیزوں کا اضافہ کر دیا۔ ان تمام نئی چیزوں کا خاتمہ کیا جائے اور اضافہ شدہ دروازے بند کیے جائیں۔ بقیہ جو چیزیں بچیں وہ سب ابن زبیر کی تعمیر کردہ ہیں۔ آج کعبہ کی عمارت انھیں چیزوں پر قائم ہے۔ ابن زبیر کی مبنی برافادیت تعمیر کے ساتھ یہ رویہ حد درجہ افسوس ناک ہے۔ اخبار مکہ کے حوالے سے دیکھا جائے تو ابن زبیر کی تعمیر جدید اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق تھی۔ [۱۰۶]

حجاز، خانہ کعبہ اور اس کی تعمیر پر سر سید کی تحریر استثناء کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح غلاف کعبہ کے متعلق اہم ترین معلومات فراہم کیں۔ سن عیسوی سے چھ سو برس پیشتر اسعدی حمیری نے کعبہ کی دیواروں پر پہلی مرتبہ غلاف چڑھایا۔ یہ اس کے خواب میں آیا کہ وہ کعبہ کو غلاف پہنا رہا ہے چنانچہ اقطاع کے غلاف چڑھایا، جب یہی خواب اس نے دوبارہ دیکھا تو گراں ترین لمبے کپڑے کا غلاف بنوا کر اس کی دیواروں پر چڑھایا۔ اس کے بعد یہ روایت چل پڑی کہ ہر صاحب اقتدار پڑے غلاف کو نئے غلاف سے زینت بخشتے۔ عبداللہ ابن زبیر کے عہد تک یہ روایت اسی طرح چلتی رہی، لیکن انہی کے زمانے میں آگ لگ جانے کی وجہ سے یہ رسم جاتی رہی۔ اب ہر سال اسے اتار کر نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ پرانا غلاف ٹکڑے کر کے تقسیم کیا جاتا ہے۔ جن کو حجاج بڑے احترام سے لیتے اور عقیدت مندانہ انداز میں اسی کو لے کر اپنے گھر واپس لوٹتے ہیں اور اس میں مزید کپڑے جوڑ کر لے سے تقسیم کرتے ہیں اور بعض حضرات تو اسے اپنی قبر میں رکھواتے ہیں تا کہ عذاب قبر میں تخفیف ہو۔ غلاف کعبہ کے

تئیں یہ سب تصورات سر سید کے یہاں بے معنی ہیں۔۱۰۷؎

سر سید نے اصنام کعبہ پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے علاوہ مقالات سر سید میں اصنام کعبہ پر ایک بسیط مقالہ موجود ہے۔۱۰۸؎ یہاں خاصا اختصار ہے اساف ونائلہ، ہبل، منات، عزی، ذوالکفین، سواع، ود، یغوث، یعوق اور نسر کی تفصیلات دی ہیں اور بالخصوص یہ بتایا گیا کہ ان بتوں کا کن قبائل سے تعلق تھا۔ ان کے علاوہ مشہور روایات میں آتا ہے کہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت بنے ہوئے تھے اور نہایت استحکام کے ساتھ سیسہ سے جوڑ کر کھڑے کیے گئے تھے جو فتح مکہ کے دن سب توڑ ڈالے گئے۔۱۰۹؎

خانہ کعبہ کی تاریخ کے ساتھ چاہ زمزم کی تاریخ جڑی ہوئی تھی۔ سر سید کا کہنا ہے کہ اس سے بہت سی روایات جڑی ہوئی ہیں جن پر یقین کرنے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ بات صرف اتنی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ اور اپنے بیٹے کے ساتھ وادیٔ غیر ذی زرع میں آئے تو پانی کے لیے پریشان ہوگئے۔ تلاش میں سرگرداں رہے کہ کنکروں اور پتھروں کے نیچے پانی کے آثار نظر آئے۔ کنکر ہٹاتے ہی پانی نکل آیا جو ان لوگوں کی سیرابی کا باعث بنا۔ لیکن کچھ مدت بعد خشک ہوگیا۔ سینکڑوں برس بعد عبدالمطلب نے اس جگہ کا پتا لگا کر کنواں کھدوایا، اس بیئر زمزم کی ایک عزت اور ایک مقام ضرور ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے پانی پیا لیکن پانی کے فضائل کے باب میں جو روایات ہیں وہ سب بے سند اور ضعیف ہیں۔۱۱۰؎ سر سید رقم طراز ہیں:

> ”حاجی جو زمزم کا پانی چھوٹی چھوٹی زمزمیوں میں بھر کر بطور تبرک کے ہندوؤں کی مانند دور دور لے جاتے ہیں اور سب لوگ بطور تبرک کے اس کو رکھتے ہیں اور اس پانی کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور بغرض اظہار ادب کھڑے ہوکر پیتے ہیں اس کی کچھ اصل مذہب اسلام میں نہیں ہے۔ جیسے اور کنوؤں کا پانی ہے وہ بھی ویسا ہی کنوئیں کا پانی ہے۔ مزہ میں میٹھا نہیں ہے بلکہ مل ملاتا ہے۔

جس وقت کھینچیں اگر اسی وقت پی لیں تو شاید پینے کے قابل ہو،
الا رکھا رہنے سے زیادہ مل ملا ہو جاتا ہے"۔[۱۱۱]

سرسید نے خانہ کعبہ کے اور بھی دیگر نام بتائے ہیں۔ اس کا اصلی نام بیت اللہ ہے، چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں عبادت گاہوں کو "بیت ایل" یعنی بیت اللہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی عمارت کو "مکعب" بنائی ہے۔ اس لیے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔ اسے بیت عتیق، مکہ، بکہ اور ام القریٰ کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ کتابوں میں اس کی صفاتی نام بھی آئے ہیں۔ مثلاً ام رحم، الباسہ اور الحاطمہ وغیرہ۔ خانہ کعبہ کے تعلق سے عربوں کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی کہ موسم حج میں حجاج کی توقیر و تکریم میں عرب اپنے کو پیش پیش رکھتے تھے۔ ایک خدمت: سقی اور رفادہ تھی، دوسری: قیادہ یعنی لڑائی کے وقت زمام قیادت سنبھالنا، سوم: لوا یعنی علم بردار ہونے کا عہدہ، چہارم: حجاب یعنی کعبہ کی حفاظت کا عہدہ، پنجم: دول الندوہ، یعنی دارالندوۃ میں صدر ہونے کا استحقاق۔ مختلف قبائل سے ہوتی ہوئی یہ خدمات ہاشم کے حصے میں آئی جنھوں نے شاہانہ انداز میں حجاج کی خدمت کی۔ جس پر تاریخ کے صفحات گواہ ہیں۔

خطبات احمدیہ کے نویں خطبہ میں آنحضورﷺ کے حسب ونسب پر عالمانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے، اس سلسلے میں مستشرقین کی علمی بددیانتیوں کو طشت ازبام کیا گیا ہے۔ آنحضورﷺ کی شبیہہ مبارک کو بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن سرسید نے اس ناپاک سازش کا پردہ چاک کیا ہے۔ نسب بیان کرنے والوں کے متعلق عام رائے یہ ہے کہ ان کے یہاں کذب بیانی کا مرض عام ہے اسی بناء پر آنحضورﷺ کا نسب بیان کرنے والوں کے متعلق کاتب الواقدی نے "کذب النسابون" کہا ہے۔ اس لیے معد ابن عدنان کو بھی آنحضورﷺ نے اپنے نسب نامہ کے بیان میں بہت آگے جانے سے منع فرمایا کیوں کہ اس کا سلسلہ بہت دراز ہے۔ اللہ کے رسولﷺ نے اپنے نسب کے بارے میں نہایت اہم بات کہی ہے کہ "انا ابن الذبیحین" یعنی میں دو

قربانی کیے گئے شخصوں کا بیٹا ہوں۔ اس سے حضرت اسماعیل ابن ابراہیم علیہ السلام اور عبداللہ ابِ محمد رسول اللہ مراد ہیں۔ سرسید کے خیال میں یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ مسئلہ بھی بیان کیا گیا کہ آپ کے سامنے کبھی آپ ﷺ کا نسب بیان نہیں کیا گیا بلکہ تمام لوگوں کے ذہنوں میں یہ حقیقت اچھی طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کا تعلق قریش سے ہے۔ ترمذی میں عبداللہ بن مسعود کی جو روایت ہے وہ قابل اعتبار ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم کو اپنا مربی اور اپنا باپ قرار دیا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے موسیٰ کی زبانی وعدہ کیا: میں تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے موسیٰ کی مانند ایک نبی پیدا کروں گا۔ خود اللہ کے رسول ﷺ نے قریش کو پکار کر مخاطب کیا کہ "ابیکم ابراھیم" جس کو سب نے تسلیم کیا۔[۱۱۳]

عیسائی مصنّفین اور مستشرقین نے ہر طرح کی زور آزمائی کی کہ آپ کے حسب ونسب کو نیچا دکھایا جائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ کی لاتعلقی کو ثابت کیا جائے۔ مسٹر گبن (Gibbon) نے خود اس طرح کی یاوہ گویائیوں کا نوٹس لیا ہے وہ لکھتا ہے:

> ''محمد کو حقیر اور مبتذل نسل سے کہنا عیسائیوں کا ایک احمقانہ افتراء ہے۔ ایسا افتراء کرنے سے بجائے اس کے کہ اپنے مخالف کی خوبیوں کو گھٹا دیں اس کی خوبیوں کو اور زیادہ بڑھاتے ہیں، اسماعیل سے ان کی نسل کا ہونا ایک قومی تسلیم کی ہوئی بات اور ملکی روایت سے ثابت شدہ امر ہے۔ بالفرض اگر کرسی نامہ کی پہلی نسلیں بخوبی معلوم نہ ہوں اور ابہام میں ہوں تو اور بہت پشتیں ایسی ہیں جو صاف صاف شریف ونجیب ہیں۔ وہ قریش اور بنی ہاشم ہیں جو اہل عرب میں نہایت نامی اور مکہ کے فرمان روا اور کعبہ کے موروثی محافظ تھے''۔[۱۱۴]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مستشرقین کی انہی فتنہ پردازیوں کے سبب

مولانا حمید الدین فراہی نے آپ ﷺ کے نسب نامہ کے لیے ایک کتابچہ ترتیب دیا۔ جو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ محقق مآخذ کی روشنی میں تیار کیا گیا۔ نسب نامہ مقدس کے باب میں یہود و نصاریٰ کی چالبازیوں کا پردہ مولانا فراہی نے چاک کیا ہے:

ہندو پاک میں عبرانی زبان کے ماہرین کی ایک بڑے تعداد اعظم گڑھ کے معروف گاؤں چریا کوٹ سے وابستہ تھی۔ ہندوستان کے مختلف لوگوں میں عبرانی زبان کا ذوق وشوق یہیں سے پیدا ہوا۔ مولانا فراہی کی عبرانی زبان میں مہارت کا سلسلہ بھی یہیں سے مربوط ہے۔ یہاں کے علماء کرام سے سرسید، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا فراہی کا سلسلۂ تلمذ بھی ملتا ہے۔ چریا کوٹ کے مولانا عنایت رسول کو عبرانی زبان میں جو دست گاہ حاصل تھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ معروف کتاب ''بشریٰ'' آپ ہی کی تصنیف کردہ ہے۔ یہی وہ شخصیت ہے جس نے سرسید کے اندر عبرانی زبان سیکھنے کا جذبۂ اشتیاق پیدا کیا، تبیین الکلام اور خطبات احمدیہ میں مصادر عبرانیہ کا اساسی کردار رہا ہے۔ اگر سرسید کا بار بار چریا کوٹ جانا نہ ہوتا اور وہاں کے علماء کرام سے ملاقات کے مواقع میسر نہ آتے تو ان مصادر سے براہ راست استفادہ ممکن نہ ہوتا، معروف عبرانی عالم مولانا ابوالجلال ندوی کا تعلق اسی گاؤں سے تھا۔ جنھوں نے موہن جداڑو کے کتبات پڑھنے میں اہم رول ادا کیا۔ جس کا اعتراف معروف محقق مرحوم مشفق خواجہ اور کراچی، یونیورسٹی خالد جامعی نے بھی کیا ہے۔

قدرے تفصیل میں جانے کے بعد یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ مولانا فراہی نے آنحضرت ﷺ کا سلسلۂ نسب اور اہل کتاب کے عنوان سے ماہنامہ معارف میں مقالہ تحریر کرتے ہوئے بتایا کہ خاندانی رقابت اور مذہبی تعصب کی وجہ سے یہود بنی اسماعیل پر طرح طرح سے اپنی فوقیت دکھانا چاہتے تھے۔ اس مقصد براری کی وجہ سے توریت میں تحریفات کی گئیں۔ بائبل میں تحریفات کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی موضوع روایات بھی داخل کی گئیں۔ یہود و نصاریٰ دونوں کی کوشش رہی کہ بحیثیت حسب ونسب آپ ﷺ کو کمتر دکھایا جائے ان کے انہیں مطاعن اور افتراء پردازیوں کا اس میں جواب

دیا گیا ہے۔مناسب ہوگا کہ پہلے اہل کتاب کے اعتراضات نقل کر دیئے جائیں۔

۱۔ حضرت ابراہیم عرب میں نہیں آئے اور نہ حجاز میں آباد ہوئے۔ ''بئر شع'' بیت المقدس کے پاس ہےاور وہی حضرت ابراہیم کا مسکن تھا۔

۲۔ حضرت اسحاق ذبیح تھےاور جس پہاڑ پر ان کو ذبح کیا گیا وہ مہوریا پہاڑ ہے۔ جو بیت المقدس میں ہے۔

۳۔ اسماعیل کو مع ان کی والدہ ہاجرہ کے حضرت ابراہیم نے گھر سے نکال دیا تھا اور وہ فاران کے بیابان میں جو حجاز سے باہر شمال عرب میں ہے چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔

۴۔ ہاجرہ ایک مصری لونڈی تھیں اور اسماعیل کی شادی بھی انھوں نے ایک مصری عورت سے کر دی۔

مذکورہ اعتراضات یہود کی جانب سے اٹھائے گئے۔ مندرجہ ذیل اعتراضات نصاریٰ کی جانب سے کیے گئے۔

۱۔ خانہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام سے کچھ سروکار نہیں، یہ بت پرست عرب کا ایک مندر تھا۔ اور چوں کہ عرب پر اس کا منہدم کرنا شاق ہوتا اس لیے اگر چہ محمد (ﷺ) نے بتوں کو توڑا اور بت پرستی کو مٹایا، مگر بت خانہ کو مع اس کے رسوم کے مجبوراً رہنے دیا اور ضروری اصلاح پر اکتفا کیا۔

۲۔ عرب حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں۔ یہ دعویٰ صرف قرآن میں کیا گیا ہے۔جیسا کہ خانہ کعبہ کو بنیاد ابراہیمی کہا گیا ہے۔

۳۔ کتاب استثناء جس میں یہ مذکور ہے کہ فاران سے نور الٰہی چمکا غیر معتبر ہے۔

۴۔ قرآن میں جو قصے ہیں وہ یہود و نصاریٰ سے سنی سنائی باتیں ہیں اور اکثر عمداً یا سہواً نقل مطابق اصل نہیں اور اس لیے جو حکایتیں توراۃ کے خلاف ہیں وہ غلط ہیں۔

مولانا فراہی نے یہود و نصاریٰ کے مذکورہ شکوک وشبہات کو یکلخت رد کر دیا

ہے اور خود آسمانی صحیفوں سے دلائل یکجا کیے ہیں اور ان میں کی جانے والی تحریفات کو بھی منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ آنحضورﷺ نے نسبی سلاسل کے باب میں مولانا کی اس تحقیق کو استناد کا درجہ حاصل ہے۔۱۱۵

سرسید نے اس کتاب کے دسویں خطبہ میں اس مسئلے کی پیش کش کی ہے کہ توریت اور انجیل دونوں میں آپﷺ کے رسالت کی بشارت دی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں ارشاد خداوندی ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوباً عندھم فی التوراة والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی أنزل معه اولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ (الاعراف:۷/۱۵۶)	جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

سرسید نے سعی بسیار کے بعد توریت سے چھ بشارتیں جمع کی ہیں، قابل ذکر

بات یہ ہے کہ توریت سے براہِ راست عبرانی زبان میں اقتباسات نقل کیے گئے ہیں تاکہ متن کی روشنی میں بطن مسئلہ تک پہنچا جائے۔ یہ وہی کر سکتا ہے جو عبرانی زبان سے بخوبی واقف ہو، سرسید ہندوستان کے پہلے اردو سیرت نگار ہیں جو عبرانی زبان سے نہ صرف واقف بلکہ اس کے رموز واسرار سے بھی انھیں مکمل آگاہی تھی۔ عبرانی متون کے بعد عربی تراجم دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس عربی اقتباس کا بھی ترجمہ دیا گیا ہے۔ یوں جانیے اس بحث کو تین زبانوں کی تائید وتوثیق سے پائے تکمیل کو پہنچایا گیا ہے۔ اسے سرسید کی حکمت وبصارت سے تعبیر کیا جائے گا۔ پہلی بشارت اس طرح ہے:

''میں نے تیری دعا اسماعیل کے حق میں قبول کی، ہاں میں نے اسے برکت دی اور اسے بارآور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت دی اس سے بارہ امام پیدا ہوں گے اور اس کو بڑی قوم کروں گا وہ تیری نسل ہے (توریت، کتاب اول، باب، ۲۱۔۱۲۔۱۳)

سرسید نے مذکورہ بشارت کا تجزیہ کیا ہے اور جو محققین اس سے آنحضورﷺ مراد نہیں لیتے ان کا جواب بھی دیا ہے لیکن اس طویل جواب کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں، پر اس کا اختتامیہ اس طرح ہے:

''جو لوگ کہ انصاف سے ان باتوں پر نظر کرتے ہیں وہ یہ یقین جانتے ہیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا، ان کی اولاد میں بھی انبیاء پیدا ہوئے، ملک فتح کیے، کنعان بھی فتح کیا، اسماعیل سے بھی خدا نے برکت کا وعدہ کیا۔ اس کی اولاد میں سب سے آخر ایک پیغمبر آخر الزماںﷺ پیدا کیا۔ تمام دنیا کو اس سے برکت دی، اسماعیل کے اولاد نے بھی ملک فتح کیے، کنعان کو بھی جو غیر خدا پرستوں کے ہاتھ چلا گیا تھا پھر فتح کیا اور ابراہیم کی نسل میں بھی پھر اس ورثہ کو لے آئے۔ اور جب تک خدا کی مرضی ہے وہ ابراہیم کا ورثہ ان کے حصے میں رہے گا اگرچہ بقاء اصلی صرف

خدا کی ذات کو ہے''۔۱۶؎

الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل۔

بشارت سوم اس طرح ہے:

''قائم کرے گا تیرا معبود موجود، تیرے لیے نبی، تجھ میں سے، تیرے بھائیوں میں سے مجھ سا، اس کو مانیو، ان کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قائم کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ سے دوں گا اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ ان سے کہہ دے گا (توریت، کتاب پنجم، باب ۱۸، ۱۵۔۱۸)

سرسید نے اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا:

''ان آیتوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور ایسی مستحکم بشارت ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی مثل موسیٰ کے مبعوث کرے گا اور کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں اور بنی اسماعیل میں بجز محمد رسول اللہ کے اور کوئی نبی نہیں ہوا اور اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ بشارت ہمارے ہی جناب پیغمبر خدا ﷺ کی تھی''۔۱۷؎

بشارت سوم ملاحظہ ہو:

''اور کہا کہ خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اس کے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا۔۱۸؎ (توریت، کتاب پنجم، باب:۳۳۔۲)

سرسید کا تجزیہ دیکھیے:

''ان آیتوں میں جو کوہ فاران سے خدا کا ظاہر اور شریعت کا اس

کے ہاتھ میں ہونا بیان ہوا وہ علانیہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے اور قرآن مجید کی نازل ہونے کی دینی شریعت سے وہی بشارت ہے"۔۱۱۹

بقیہ چار بشارتوں کی یہاں نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ توریت سے ان بشارتوں کو ڈھونڈ نکالنا، اس کا قرآنیات اور احادیث سے مستحکم قرار دینا اور نہایت مدلل تجزیہ کرنا ایک امر دشوار ہے۔ اس مطالعہ سے یہ بھی مترشح ہے کہ مضامین توریت پر آپ کی گہری نظر تھی، اس کے مفردات اور اس کے نکات رئیسہ سے بخوبی واقف تھے۔ یقیناً سرسید کا یہ انداز تحقیق کس قدر لائق ستائش ہے۔

اب یہاں تین بشارتیں انجیل سے نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ امور میں نے تم سے کہے، جب کہ تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن پریکلیطاس پاک روح جس کو باپ بھیجے گا میرے نام سے ہر بات تم کو سکھا دے گا اور یاد دلا دے گا، تم کو وہ تمام باتیں جو کہ میں نے تم سے کہی ہیں"۔۱۲۰ (انجیل یوحنا، باب ۱۴، ۲۵-۲۶)

تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں، یہ بھلا ہے تمہارے لیے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں تو پیریکلیطاس تمہارے پاس نہ آوے گا"۔۱۲۱ (انجیل یوحنا، باب ۱۶-۷)

سرسید نے لفظ "پیریکلیطاس" کے متعلق بتایا کہ یہ عبرانی نہیں بلکہ یونانی لفظ ہے، ظاہر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ لفظ اپنی زبان سے ادا نہیں کیا ہوگا بلکہ اس مقام پر "فارقلیط" کا لفظ فرمایا تھا۔ سرسید نے یہ بھی وضاحت کی "پیریکلیطاس" کا صحیح ترجمہ فارقلیط ہی ہونا چاہیے، عربی زبان میں اگر کسی نے اس کا ترجمہ "محمد" کیا ہے تو یہ بالکل درست ہے، اس لفظ پر علماء اسلام نے معرکۃ الآراء بحثیں کی ہیں، انھیں کی روشنی میں فارقلیط کی حقیقت کو منقح کیا جا سکتا ہے۔ فارقلیط کے اس ترجمہ پر ولیم میور کو اعتراض ہے، کہ اسے مسلمانوں نے اپنے حصول مقصد کے لیے کیا ہوگا۔ سرسید نے

ولیم میور کے اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا ہے:

''اول تو ہم مسلمانوں کو یوحنا کی انجیل کے کسی ایسے عربی ترجمہ کی جو آنحضرت ﷺ کے وقت سے پہلے یا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود ہو مطلق اطلاع نہیں ہے، نہ ہمارے اگلے بزرگوں نے اس کا کچھ ذکر کیا ہے اور نہ ایسے ترجمہ کے موجود ہونے کا کچھ ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ عرب میں حضرت متی کی اصل انجیل جو عبرانی زبان میں تھی اور اب معدوم ہے، البتہ پائی جاتی تھی اور اس کا ذکر ہمارے یہاں کی قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے مگر یوحنا کی انجیل کا ذکر نہیں ہے''۔ ۱۲۲

سرسید نے یہاں مسلم محققین کی درست ترجمانی کی ہے کہ اناجیل سے ''پریکلیطاس'' کا لفظ چھپا دیا گیا جس کا حقیقی ترجمہ ''احمد'' ہے۔ سرسید نے اس لفظ کے تعلق سے گاڈفری ہیگلنس کے خیالات کو بھی قلم بند کیا ہے جس میں بڑی حد تک صداقت ہے۔ البتہ اس کی رائے میں یہ اصلاً ''پیریکلیو طاس'' ہے جس کا مفہوم ''احمد'' ہے، اسی تسلی و تشفی بخش شخص پر روح القدس کا نزول ہوگا۔ اور وہ معاشرے کو شر و فساد سے نجات دے گا لفظ ''پیریکلیطاس'' کے متعدد معانی ہیں۔ ارنستائی کے مطابق روح القدس، معلم یا مالک کو یعنی بتانے والا خدا تعالیٰ کی سچائی کا۔ معروف عالم اور معزز بشپ مارش نے اس کے تین معانی بتائے ہیں جن میں سے کسی کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ (۱) حامی (۲) مبین (۳) واعظ۔ سرسید نے کہا کہ اگر واعظ کے لے لیے جائیں تو اس سے صرف اللہ کے رسول ﷺ ہی مراد ہوں گے قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن	کہہ دیجیے! کہ میں تمہیں صرف
تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَى وَفُرَادَى	ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں
ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُم	کہ تم اللہ کے واسطے (ضد چھوڑ

مِّــن جِـنَّةٍ إِنْ هُـوَ إِلَّا نَـذِيْـرٌ لَّـكُـم بَيْـنَ يَـدَىْ عَـذَابٍ شَدِيْدٍ

(سباء:۳۴/۴۶)

کر) دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر سوچو تو سہی تمہارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں وہ تو تمہیں ایک بڑے (سخت) عذاب کے آنے سے ڈرانے والا ہے۔

لفظ فارقلیط کے تئیں سرسید کا خیال ہے کہ اس کا ترجمہ علم کے طور پر کرنے کے بجائے اسم صفت کے تناظر میں کیا جائے اس لحاظ سے اس کا ترجمہ ''احمد'' ہوگا، اس لحاظ سے بشپ مارش اور ارنستائی دونوں کے تراجم غلط ہیں۔ سرسید اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''یہ تمام تقریر گارڈفری ہیگنس (Gordfrey Higgins) صاحب کی ہے جو انھوں نے مسلمانوں کی طرف سے کی ہے۔ مختصر یہ کہ ہم مسلمانوں کی بحث لفظ ''پیریکلیطاس'' پر جو اب یونانی انجیل میں ہے یا لفظ ''پیریکلیطاس'' پر جو اصلی نسخوں میں تھا منحصر نہیں ہے کیوں کہ انجیلیں یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں جو حضرت عیسیٰ کی زبان میں نہیں تھیں۔ پس انھوں نے جو لفظ فرمایا تھا وہ عبرانی یا کالدی زبان کا تھا جو دونوں ایک ہیں۔ پس ہم مسلمان کہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یونانی میں ''پیریکلیطاس'' کیا گیا تھا جو در حقیقت صحیح ترجمہ ہے اور اس کا ثبوت بھی جہاں تک ہوسکا دیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نہیں ''پیریکلیطاس'' ہے اس کا ترجمہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے تو ہم مسلمان یہ کہیں گے کہ یہ ترجمہ غلط ہے کیوں کہ فارقلیط کا ترجمہ ''پیریکلیطاس'' نہیں ہے بلکہ ''پیریکلیوطاس'' ہے اور اس کا فیصلہ عبری اور کالدی زبان کے لغت کی تحقیق پر ہر وقت ہوسکتا ہے اور جو کہ مشہور ہے کہ انجیل یوحنا در حقیقت حضرت یوحنا

> حواری کی لکھی ہوئی ہے اس لیے ہم یقین نہیں کر سکتے کہ حضرت یوحنا نے فارقلیط کے ترجمہ میں غلطی کی ہو۔ اور جو دلیلیں مذکور ہوئیں ان سے بھی پایا جاتا ہے کہ انھوں نے غلطی نہیں کی اس لیے اصل میں وہ لفظ ''پیریکلیوطاس'' ہے بمعنی احمد نہ کہ ''پیریکلیطاس'' بمعنی ''تسلی دہندہ'' ۱۲۳؎

لفظ ''فارقلیط'' پر سرسید نے انتہائی عالمانہ گفتگو کی ہے بہت سے دیگر سیرت نگاروں اور محققین نے اس لفظ کو موضوع بحث بنایا ہے، لیکن سرسید جس طرح اس لفظ کی حقیقت، تاریخ اور اس کے معنوی و مرادی معنی سے واقف ہیں اس کی مثال مفقود ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہودیت اور عیسائیت کا براہ راست مطالعہ کیا تھا، عبرانی زبان سے واقف تھے۔ توریت اور اناجیل کا مطالعہ اسی زبان میں کیا تھا، استشراق کی جڑیں کہاں کہاں ہیں؟ اور ان کے مذموم ارادوں کے سلسلے کہاں کہاں سے جڑتے ہیں؟ ان سے بخوبی واقف تھے جس کی شہادت کے لیے ''تبیین الکلام'' کافی ہے۔

اس کے گیارھویں باب میں شق صدر کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے اور اس سے متعلقہ روایات سے بحث کرتے ہوئے اس سے انکار کیا گیا ہے۔ سرسید کا یہ انکار یکسر لایعنی ہے چوں کہ وہ نظریہ قانون فطرت کے قائل تھے اس لیے اپنے نظریہ کے اثبات واستحکام کے راستہ میں آنے والی رکاوٹوں کو ہٹانے کی ہر ترکیب وتدبیر اختیار کرتے۔ سرسید کا یہ پہلو اتنا کمزور ہے کہ ان کی بڑی بڑی خدمات کھٹکنے لگتی ہیں، اسی نقطہ نظر کے تحت انھوں نے ملائکہ، جنوں اور معجزات کی ایسی تاویلات کی ہیں جو بہر صورت نا قابل قبول ہیں۔

آخری باب میں آپ ﷺ کی ولادت اور طفولیت پر روشنی ڈالی گئی ہے جو آپ ﷺ کے ابتدائی بارہ سالوں پر مشتمل ہے۔ یہاں بھی سرسید نے بعض اہم نکات اٹھائے ہیں اور آپ کی بعض آراء قابل تنقید بھی ہیں۔ کتب سیر میں آپ ﷺ کی

ولادت سے متعلقہ روایات کو آپ تسلیم نہیں کرتے بلکہ انہیں شاعرانہ تخیلات سے جوڑتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کے نام رکھنے کا مسئلہ بھی سرسید نے اٹھایا ہے کہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا اور حضرت آمنہ نے خواب میں آئے ہوئے فرشتہ کے حکم کے مطابق آپ کا نام احمد رکھا۔ اس سے توریت اور انجیل دونوں کی بشارتوں کی تائید ہوتی ہے۔[۱۲۴] لیکن ولیم میور کو حضرت آمنہ کے خواب میں فرشتہ آنے پر تعجب ہے۔ ان کے اس تعجب کا جواب سرسید نے مدلل انداز میں دیا ہے:

''اگر توریت مقدس کی یہ آیت کہ ''اللہ تعالیٰ کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ دیکھ تو حمل سے ہے اور تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام اسماعیل رکھنا (کتاب پیدائش، باب ۱۶، ورس ۱۱) اور نیز یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سارہ تیری بی بی کے بیشک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کا نام اسحٰق رکھنا (کتاب پیدائش، باب ۱۷، ورس ۱۹) اور نیز انجیل کی یہ آیت ''اور اس کے (یعنی مریم کے) ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تجھ کو (یعنی یوسف کو) چاہیے کہ اس کا نام عیسیٰ رکھے کیوں کہ وہ اپنی امت کو گناہوں سے نجات دے گا (متی باب:۱، ورس:۳۰) صحیح ہے اور عیسائی اس کو تسلیم کرتے ہیں تو کس بناء پر وہ اس آیت سے انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت آمنہ کو بھی ایک فرشتہ نظر آیا تھا اور جو لڑکا پیدا ہونے والا تھا ''احمد'' اس کا نام رکھنے کو کہا تھا''۔[۱۲۵]

ولیم میور کے لیے وہ روایات بھی ناقابل قبول ہیں جن میں آنحضور ﷺ کے مختون پیدا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ سرسید نے اس کی تردید کرتے ہوئے یہ بھی وضاحت کی آپ ﷺ کے مختون پیدا ہونے پر اعتراض ناقابل فہم ہے۔ کیوں کہ یہ چیز خلاف قانون فطرت نہیں ہے اس طرح کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بعض حضرات تو ایسے مل جائیں گے جن میں علامات تذکیر وتانیث دونوں موجود ہیں، مختون بچوں کی پیدائش بھی اکثر ہوتی ہے، آپ ﷺ کی مختون ولادت پر استعجاب کا اظہار کرنا یا اسے معجزہ تصور کرنا ناسمجھی کی بات ہے۔ قانون فطرت سے اتفاقیہ انحرافات کی مثالیں موجود ہیں۔[۱۲۶]

آنحضور ﷺ کی پشت پر سیاہ غدود تھا، اس کے متعلق حضرت صفیہ سے منقول ہے کہ آنحضور ﷺ کی مہر نبوت ان کی پشت پر نور کے حرفوں میں مرقوم تھی، اسے سر ولیم میور نے عجائبات اسلام میں شمار کیا ہے اس سلسلے میں سر سید کا خیال ملاحظہ فرمائیں:

''تمام مسند حدیثیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک سیاہ غدود سا تھا اور اس پر بال تھے خود آنحضرت ﷺ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ میری رسالت کی مہر ہے اور نہ کبھی اس کو اپنی رسالت کے برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ید بیضا کو نبوت کے ثبوت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہر چیز کی حرمت اور تعظیم کی جاتی تھی اس خیال سے بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی پشت کے غدود کو عام نام بولنا ایک بے ادبی اور گستاخی خیال کر کے استعارتاً اس کو مہر نبوت کے معزز اور گرامی نام سے موسوم کیا تھا''۔ ۱۲۷؎

خطبات احمدیہ کے محاسن بے شمار ہیں اس تصنیف کے بعد سیرت نگاری نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ عقیدت کے ساتھ ساتھ علمی اور تحقیقی رنگ اپنایا۔ یہ حقیقت ہے کہ سر سید نے سیرت نگاری میں ایک نئی تاریخ رقم کی، اس نئی تاریخ کے لیے بڑے پاپڑ بیلے، قرض لیے، کتب خانہ فروخت کیا، گھر کے برتن بیچے اور اپنی بیگم کے زیورات تک فروخت کیے انھوں نے اردو دنیا میں استشراق کا تعارف کرایا، مستشرقین کی گستاخیوں کا جواب دیا، بالخصوص سیرت نگاری کے میدان میں ان کی سازشوں اور عداوتوں کو بے نقاب کیا۔ یقیناً یہ مبالغہ نہیں کہ استشراقی مآخذ و مصادر پر جو دسترس سر سید کی تھی اس کی مثال عالم اسلام میں مفقود ہے۔ خطبات احمدیہ میں ولیم میور کی علمی خباثتوں کا مدلل جواب دیتے ہوئے بہت سے دیگر معروف مستشرقین کی غلطیوں کی گرفت بھی کی گئی۔

مآخذ کے اعتبار سے خطباتِ احمدیہ کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس

میں قرآن کریم کو اولین ماخذ کی حیثیت دی گئی ہے۔ سرسید قرآنیات کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ مفسرین کی آراء سے واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی تاریخ، ذبیح اور بیت عتیق وغیرہ کے سلسلے میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ خطبات احمدیہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں جگہ جگہ صحف آسمانی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ سرسید عبرانی زبان سے بخوبی واقف تھے اس لیے انھوں نے مترجم توریت، زبور اور انجیل سے استفادہ کرنے کے بجائے براہ راست اصلی صحف آسمانی سے استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جابجا خطباتِ احمدیہ میں عبرانی اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔ بالخصوص توریت اور انجیل میں آپ ﷺ کی آمد سے متعلقہ بشارتیں براہِ راست عبرانی زبان میں نقل کی گئی ہیں۔ یہ امتیاز کسی اور سیرتی تصنیف کو حاصل نہیں۔ یہاں یہ نکتہ بیان کرنا مناسب ہوگا کہ ایک مدلل سیرت رسول ﷺ لکھنے کے لیے عبرانی زبان سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عبرانیات کے سلسلے میں اگر سرسید کو کہیں کوئی اشکال پیش آتا تو مولانا عنایت رسول سے رجوع کرتے۔

خطباتِ احمدیہ میں احادیث سے بھی بکثرت استدلال کیا گیا ہے لیکن احادیث کے تئیں سرسید کا نقطہ نظر قابل قبول نہیں، کیوں کہ اپنے قانون فطرت کے سامنے ایک سے ایک صحیح، معتبر اور مستند روایت کے چھوڑنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہر بات پر قانون فطرت کی بالادستی رکھنے کی خواہش مند ہوتے ہیں لیکن یہ بھی ایک بڑی حقیقت ہے کہ ہمارے یہاں حدیث کے نام پر بہت سی چیزوں کو حدیث کے زمرے میں داخل کر دیا گیا ہے۔ خود اموی اور عباسی خلفاء کی سیاسیات نے بہت سی بے بنیاد چیزوں کو جنم دیا، اسی طرح فضائل کے نام پر بہت سی روایات وضع کی گئیں، سرسید نے ان تمام گوشوں کو ہدف تنقید بنایا، حدیث کے مقام ومرتبہ سے متعلق ان کی تحقیق ان کے مختلف مباحث میں پھیلی ہوئی ہے۔ تہذیب الاخلاق کی ابتدائی تین جلدوں میں ان کے تین مضامین حدیث سے متعلق ہیں ان میں شاہ صاحب کے نظریہ حدیث سے استفادہ کیا ہے۔ احادیث سے متعلق ان کی منتشر بحثوں کو یکجا کر دیا گیا جائے تو نوے

فیصد ان کے خیالات قابل قدر ہیں اور دس فیصد نا قابل قدر۔ مثلاً شق صدر کا واقعہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کو تسلیم نہ کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لٹھیا مارنے سے دریائے نیل کا دولخت ہو جانے وغیرہ کو نہ ماننا فاش غلطی ہے۔ اس حوالے سے خطبات احمدیہ کی بہت سی بحثیں لائق تردید ہیں۔ سرسید نے احادیث کے مختلف مجموعہ ہائے حدیث کے متعلق بھی اپنے خیالات پیش کیے ہیں جو نہایت اہم ہیں۔

خطباتِ احمدیہ کے مقدمہ اور اس کے ابواب کی روشنی میں یہ بات بڑے اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری کی مدد سے سیرت کے موضوع پر عربی تصانیف اور مخطوطات کا مطالعہ کیا، اس میں کلام نہیں کہ سیرتی امہات الکتب آپ کی نظر سے گزر چکی تھیں۔ فارسی زبان کے سیرتی مآخذ بھی آپ کی نظر میں تھے۔ مذکورہ سطور سے متبادر ہے کہ خطبات احمدیہ ایک اہم علمی کاوش ہے اور اس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے، خطبات احمدیہ کا ایک اہم مآخذ یہ ہے کہ کلام عرب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر تاریخ تمدن عرب کی تکمیل ناممکن ہے۔ اسی لیے ''الشعر دیوان العرب'' کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بھی کلام عرب سے استشہاد کیا، بالخصوص مفسرین نے توضیح مفردات اور تنقیح اسالیب عرب کے لیے کلام عرب کو لازمی قرار دیا۔ ہندی مفسرین میں مولانا فراہی کو اس حیثیت سے امتیاز حاصل ہے۔ سرسید نے خطبات احمدیہ میں کلام عرب کو اساسی مآخذ قرار دیا ہے۔ خطبات احمدیہ کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو ایک بڑا نام علامہ شبلی نعمانی کا ہوگا جن کی سیرۃ النبی کی علمی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے سرسید کے بعد ایک معروف شخصیت علامہ ہی کی ہے جس نے مطالعۂ استشراق کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے مستشرقین کی عیاریوں کا پردہ فاش کیا۔ یہ سب آپ کو کتب خانۂ سرسید، رفاقتِ سرسید، اور علی گڑھ کے علمی و استشراقی ماحول سے ملا۔ سیرۃ النبی کے اعلیٰ معیار میں ان کے سیدی کی کاوشیں ضرور کارفرما ہیں لیکن افسوس کہ مقدمہ یا مباحث سیرۃ النبی میں کہیں

بھی سرسید کا ذکر نہیں ملتا۔ خاکستار کے نزدیک یہ ایک احسان فراموشی اور غیر علمی انداز ہے۔ اسی طرح سیرۃ النبی کو آگے بڑھانے والے علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی سرسید کے احسانات کے تئیں کچھ نہ لکھنا ہی بہتر تصور کیا۔ اس ہیچ مداں کا خیال ہے کہ سیرۃ النبی، رحمت عالم، اور خطبات مدراس میں حقیقتاً سرسید ہی کی جلوۂ دانش وری ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسدس حالی بھی سیرت کا ایک دردمند پہلو ہے اور اس اظہارِ دردمندی کے پیچھے سرسید کی سیرتی کاوشیں جلوہ افروز ہیں۔ خود سرسید نے یہ کہا بھی کہ اگر بروز قیامت مجھ سے سوال کیا گیا کہ تم دنیا سے کیا لائے ہو تو جواب میں حضور خداوندی یہی کہوں گا کہ حالی سے مسدس حالی لکھوائی ہے۔ حالی کی یہ خدمت بھی لائق تعریف ہے کہ مشہور پادری عماد الدین کی ''تحقیق الایمان'' کے جواب میں ''تریاق مسموم'' لکھی، اور اسی پادری کی دوسری کتاب ''تاریخ محمدی'' کے جواب میں ''تاریخ محمدی پر ایک منصفانہ رائے'' تحریر کیا، ان تمام سیرتی خدمات کے ماوراء سرسید کی سیرتی عقیدت مندیاں رواں دواں ہیں۔ سرسید نے خطبات احمدیہ کا ایک چراغ روشن کر کے نہ جانے کتنے چراغ روشن کر دیئے۔ سرسید کی سیرت نگاری نے جن لوگوں کو متاثر کیا ان میں سے ایک بڑا نام مولوی چراغ علی کا ہے، جن کی کتاب "Mohammad the true Prophet" اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اور اسی طرح پادری عماد الدین کی ناروائیوں کے جواب میں ''تعلیقات'' لکھی یہاں وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ چراغ علی کے تعقل اور تجدد پسندی کے بہت سے مسائل کھڑے کر دیئے۔ ان کے بعض خیالات حد درجہ تکلیف دہ ہیں، لیکن یہ اعتراف ضرور کیا جائے کہ ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ عربی، فارسی، انگریزی، سریانی، عبرانی اور کالڈی زبانوں کے ماہر کامل تھے۔ (دیکھیے: آہ مولوی چراغ علی، تہذیب الاخلاق، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول نومبر ۱۹۶۵ء، ۱۶/۸۰ـ۷۷ـ۸۲ـ۷) سرسید کے بہت سے خیالات کے ناقابل قبول ہونے کے باوجود ان کے اثرات کے دائرہ کار کی وسعت سے انکار ممکن نہ ہوگا۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مقدمہ میں سیرۃ النبی کے ایک مقصد کی توضیح کرتے ہوئے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

''یورپ کے مؤرخین آنحضرت ﷺ کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے۔ آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے اس لیے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلام کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو ان ہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں اور لوگوں کو خبر تک نہیں۔ یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیغمبر ﷺ کو فقط ایک مصلح سمجھتا ہے جس نے اگر مجمع انسانی میں کوئی اصلاح کر دی تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔ اس بات سے اس کے منصب نبوت میں فرق نہیں آتا کہ اس کے دامن اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں''۔۱۲۹

علامہ نے مذکورہ بالا سطور میں یورپ کے مؤرخین، احوال پیغمبر اسلام میں معائب اور منصب نبوت کو صرف اصلاح معاشرہ کی بات کہی ہے۔ یہ تمام چیزیں انھیں سرسید کے مطالعہ استشراق سے ملیں۔ علی گڑھ آنے سے قبل علامہ کو دنیائے استشراق کی ہرزہ سرائیوں کی فکرمندی نہ تھی، یہ سب خطبات احمدیہ کے عطیات ہیں۔ سیرۃ النبی میں حدیث سے استفادہ کرنے کو بھی علامہ نے موضوع بحث بنایا۔ حدیث کے تئیں یہ سوچ اور روایات کے تعلق سے یہ تفتیش و تحقیق سرسید ہی کی دین ہے، لیکن اس تفتیش میں بعض سنگین غلطیاں سرسید سے بھی ہوئی ہیں۔

سرسید کے زیر اثرات مصنفین میں ایک مقتدر ہستی سید امیر علی کی ہے، انھیں بھی یورپ کے مؤرخین کی ناسمجھیوں پر قلق تھا اور نئے علوم سے آراستہ نسل نو کے کچے اذہانِ پر جو ان کی اختراعات سے غلط اثرات مرتب ہو رہے تھے وہ ان کا بزبان انگریزی جواب دینا چاہتے تھے۔ "A critical examination of the life and teachings of Mohammad" اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اپنے ان ہی خیالات

کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے:

"In the fallowing pages my object has been to embody the principal features of the life and teachings of the Arabian Prophet in a popular shape; to disabuse the minds of many readers of false impressions and false prejudices; to try and prove that Islam has been a real blessing to mankind; that it also has helped to elevate. Humanity, as Christianity partially did before; that, in fact, it is one of those manifestations of Divine Wisdom by which the Universal Father leads us on towards the final object of our existence. ۱۳۰

امیر علی نے اپنی ایک دوسری کتاب "Life of Mohammad" میں اسلام کی ثقافتی عظمت اور حقانیت کو بیان کرنے کی مستحسن کوشش کی ہے اس کتاب کے لکھنے کی نوبت اس لیے پیش آئی کہ آپ نے مؤرخین اسلام کا فلسفیانہ مطالعہ کرنا شروع کیا جنھوں نے اس حیثیت سے اسلام کے نقائص بیان کرنے شروع کیے تو امیر علی نے بھی اسلام کی فلسفیانہ عظمت پر توجہ مبذول کی تاکہ ملت اسلامیہ کی نئی نسل حقائق کائنات کو مغرب میں تلاش کرنے کے بجائے اسلام میں تلاش کرے۔

"I have endeavored to embody in these pages the philosophical and ethical spirit of Islam in the hope that it may assist the Moslems of India to achieve their intellectual and moral regeneration under the auspices of the great

European power that now holds their destinies in its hands. At the same time, I trust this book may prove of some practical value to those Seekers of Truth in the West whose minds have gone forth in quest of a positive and eclectic Faith suited for the noblest and by its disciplinary character also for the lowest natures. The glamour of the poet had not succeeded in making the Greed of Negation popular in England, that home of common sense for Buddhism had no vitality as a system its religious life is represented now by the prayer-wheels of the lamas. But the general spread of liberalism in the West had without the factitious assistance rendered to Buddhism, also led to the diffusion of Islamic ideas in Europe and cultured America, and even to the formation of a genuine Islamic centre in England. Unitarianism and Theism are neither more nor less than the Islam of Mohammed, shorn of the disciplinary rules framed for the guidance of the common folk. For these in every land something more is needed than mere philosophy, they require

practical rules and positive directions for their daily life. Dogmatic Christianity and philosophical Unitarianism both increate the churches and chapels reduce to any *appreciable extent the drunkenness the* *brutality the licentiousness of the lowest* natures. ۱۳۱

پیر کرم شاہ ازہری کی 'ضیاء النبی' میں بھی سرسید کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں، انھوں نے بھی مستشرقین کو موضوع بحث بنایا ہے، لیکن آپ کے مطالعۂ استشراق کی بنیاد ثانوی مآخذ پر ہے۔ براہ راست مستشرقین کے خیالات سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ ایسا انھوں نے اپنی بیماری کی وجہ سے کیا۔ لیکن ازہری صاحب کی یہ خدمت لائق مبارک باد ہے کہ انھوں نے اپنی سیرت نگاری میں ان کی فتنہ انگیزیوں اور معاندانہ کارفرمائیوں کی تردید و تنسیخ کی۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اردو سیرت نگاروں نے اس پہلو سے عدم توجہی برتی ہے بہر کیف سرسید کی برپا کردہ تحریک مطالعۂ استشراق نے اسلامی مفکرین کو غور و خوض پر آمادہ کیا۔

اس کا ذکر مذکورہ سطور میں آچکا ہے کہ سرسید کی سیرت نگاری میں قرآن کریم کو اولیت دی گئی ہے اور سیرت مقدسہ سے متعلق بہت سی موضوع روایات کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ نیز تدوین قرآن کے باب میں اٹھنے والے بہت سے ابہامات کو بھی دور کیا گیا، اسی تناظر میں خالد مسعود کی کتاب ''حیات نبی امی'' کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ خالد مسعود نے دو چیزوں پر خصوصی توجہ مبذول کی ہے، ایک تو انھوں نے اپنی کتاب میں قرآن کریم کو اساسی درجہ دیا اور آپ ﷺ کے اوائلِ زندگی سے متعلق بہت سی احادیث جو نقل ہوتی چلی آرہی تھیں، ان کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے تاریخی اور استنادی ضعف کی طرف اشارہ کیا۔ ۱۳۲

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱ مجلّہ ''السیرۃ'' اور مجلّہ ''تعمیر افکار'' کراچی کے ایڈیٹر مولانا عزیز الرحمٰن نے اپنی سیرت سے متعلق کتاب میں جلاء القلوب بذکر المحبوب اور خطبات کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے اور سیرت نگاری کے میدان میں ان کے قائدانہ اور مجددانہ کردار کا اعتراف کیا ہے۔

۲ سیرت سے متعلق سرسید کے چند مقالات: (ا) کیا اسلام زبردستی اور جبر سے پھیلا اور کیا آنحضرتؐ نے دین حق کی اشاعت تلوار سے کی؟ (مقالات سرسید، گیارہویں جلد)، حضرت ابراہیم اور کعبہ کی تعبیر (مقالات سرسید، جلد چہاردہم)، ازواج مطہرات رسول خدا ﷺ (مقالات سرسید، حصہ چہارم)، ان کے علاوہ بھی مقالات سرسید میں سیرت طیبہ سے متعلق متعدد مقالات موجود ہیں۔

۳ ولیم میور کی حیات وخدمات کے لیے دیکھیے: انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا

۴ سرسید احمد خاں اور ان کا عہد، ثریا حسین، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۳۸

۵ الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، سرسید احمد خاں، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۳ء، ص: ۸

۶ سرسید احمد خاں اور ان کا عہد، ثریا حسین، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۱۳

۷ حیاتِ جاوید: مولانا الطاف حسین حالی مرحوم، اکادمی پنجاب لاہور، فروری ۱۹۵۷ء، ص: ۴۹۲، وضاحت کے لیے دیکھیے: مکتوبات سرسید، ص: ۴۳-۴۴

۸ خطبات احمدیہ، (مقدمہ از جناب شیخ اسماعیل پانی پتی)، ص: ۱۱

۹ مکتوبات سرسید، ص: ۶۲

۱۰ مکتوبات سرسید، (مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی، زیر نگرانی سید عابد علی عابد)،

مجلسِ ترقی ادب، لاہور، ص:۶۲

۱۱؎ مکتوباتِ سرسید، ص:۷۴-۷۵

۱۲؎ مکتوباتِ سرسید، ص:۶۷

۱۳؎ خطوط سرسید، نظامی پریس، بدایوں، ص:۷۲

۱۴؎ خطباتِ احمدیہ(مقدمہ از جناب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)، ص:۹-۱۰

۱۵؎ سرسید احمد خاں کے خطوط (مرتبہ وحیدالدین سلیم)، حالی پریس پانی پت، ص،۶۴-۶۵

۱۶؎ مکتوبات سرسید، ص:۶۷-۶۸

۱۷؎ الخطبات الاحمدیہ، ص:۱۱-۱۲

۱۸؎ خودنوشت، ص:۲۸۵

۱۹؎ دیکھیے :تبیین الکلام، سرسید احمد، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۴ء، (مقدمہ)

۲۰؎ The life and work if Syed Ahmad Khan G.F.I. Graham Idrah-i-sdaliyat-i-Delhi, Delhi1974, p.106

۲۱؎ وضاحت کے لیے دیکھیے، خطبات احمدیہ، ص:۱۹۱-۱۹۶

۲۲؎ وضاحت کے لیے دیکھیے :الخطبات الاحمدیہ، ص:۸-۹، موضوع روایت کے حوالے سے سید برکات احمد رقم طراز ہیں۔

۲۳؎ ماہنامہ تہذیب الاخلاق (مئی ۲۰۱۴ء، ۳۳/۵) میں حدیث کے تعلق سے سرسید کی تین تحریریں ہیں جن سے ان کے حدیث کے تئیں نقطہ نظر سمجھا جا سکتا ہے۔

۲۴؎ الخطبات الاحمدیہ، ص:۱۰

۲۵؎ المیزان بحوالہ الخطبات الأحمدیہ، ص:۱۰

۲۶؎ الخطبات الاحمدیہ، ص:۱۱

۲۷۔ ایضاً، ص: ۱۲

۲۸۔ الخطبات الاحدیہ، ص: ۱۴

۲۹۔ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۲

۳۰۔ ایضاً، ص: ۱۴

۳۱۔ ایضاً، ص: ۱۹۔۲۰

۳۲۔ ایضاً، ص: ۳۷۔۳۷۸

۳۳۔ ایضاً، ص: ۳۸

۳۴۔ خطبات احمدیہ، ص: ۳۸۔۳۹

۳۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص: ۹۱۔۹۲

۳۶۔ مولانا فراہی کی کتاب ''الرای الصحیح فی من ھو الذبیح ۱۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں توریت، قرآن مجید اور بہت سی روایات اور اقوال علماء کرام کی روشنی میں بتایا گیا کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں ''دارالعلم'' دمشق سے شائع ہوئی ہے۔

۳۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، طبع جدید، ۱/ ۱۹۔۱۰۰

۳۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا فراہی مکاتیب شبلی کے آئینہ میں، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علامہ حمیدالدین فراہی: حیات وافکار، مقالات فراہی سمینار)، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الفلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۴۲۔۴۵۲

۳۹۔ کتاب الامالی، اسماعیل بن القاسم القالی، مطبعۃ دارالکتب المصریۃ، القاہرۃ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۳۴۴ھ۔ ۱۹۲۶ء، الجزء الاول، ص: ۱۶

۳۹۔ دیوان تأبط شرا، اعتنی بہ، عبدالرحمٰن المصطاوی دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ص: ۳۴

۴۰۔ دیوان امراؤ القیس، عبدالرحمٰن المصطاوی دارالمعروف، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء، ص:۵۳

۴۱۔ دیوان الہذلیین، الدار القومیۃ للطباعۃ والنشر، القاہرۃ، ۱۳۸۵ـ۱۹۶۵ء، القسم الثانی، ص:۱۵

۴۲۔ شرح القصائد العشر، ابوزکریا یحیی بن علی التبریزی، المطبعۃ السلفیۃ، بمصر، ۱۳۴۳ھ، ص:۲۲۹

۴۳۔ الخطبات الأحمدیۃ، ص:۱۲۳

۴۴۔ دیوان حاتم الطائی، شرح غریبہ، وقدم لہ عبدالرحمٰن المصطاوی، دارالمعروفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۶ھ ـ ۲۰۰۵ء، ص:۸۱

۴۵۔ یہ شعر دیوان حاتم طائی میں موجود نہیں ہے۔

۴۶۔ البیان والتبیین، عمرو بن بحر الجاحظ، داراحیاء التراث العربی، دارالفکر للجمیع، ۱۹۶۸ء، ص:۵

۴۷۔ شرح القصائد العشر، ابوزکریا یحیی بن علی التبریزی، المطبعۃ السلفیۃ، بمصر، ۱۳۴۳ھ، ص:۲۵۳

۴۸۔ دیوان لبید بن ربیعہ، اعتنی بہ حمد وطماش، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۸ھ ـ ۲۰۰۷ء، ص:۷۵

۴۹۔ شرح دیوان کعب بن زہیر، الحسن بن الحسین بن عبیداللہ السکری، الدار القومیۃ للطباعۃ والنشر، القاہرۃ، ۱۳۶۹ھ ـ ۱۹۵۰م، ص:۲۱۲

۵۰۔ دیوان لبید بن ربیعہ، ص:۱۱۵

۵۱۔ دیوان لبید بن ربیعہ، ص:۵۱

۵۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیۃ، ص:۱۲۱ـ۱۳۴

۵۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر سرسید میں کلام عرب (مطالعات سرسید، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اکتوبر

۲۰۱۳ء، ص: ۵۹۔۷۵

۵۴ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر القرآن: ہوالہدیٰ والفرقان، سرسید احمد خاں، نولکشور، لاہور، ۵

۵۵ وضاحت کے لیے دیکھیے: تحریر فی اصول التفسیر، سرسید احمد خاں، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۸۔۵۹

۵۶ دیکھیے: سیرت عائشہ اور عباس محمود العقاد: سیرت نگار، ابوسفیان اصلاحی، فکرونظر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ۲۹/۵۳۔۷۳

۵۷ وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۲۶

۵۸ ایضاً، ص: ۱۳۳

۵۹ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۳۰۔۱۳۱

۶۰ وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۵۴

۶۱ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص: ۱۵۷۔۱۵۹

۶۲ ایضاً، ص: ۱۵۹

۶۳ ایضاً، ص: ۱۶۰

۶۴ ایضاً، ص: ۱۶۴

۶۵ الخطبات الاحمدیہ، ص: ۱۶۷

۶۶ خطبات احمدیہ، ص: ۱۶۷

۶۷ سرسید کا رسالہ "ابطال غلامی، سب سے پہلے قسط وار تہذیب الاخلاق کی جلد دوم میں شائع ہوا۔ دیکھیے تہذیب الاخلاق (مدیر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی)، مئی ۲۰۱۴ء، ۳۳/۵، ص: ۱۳۔۸۰

۶۸ جامعہ کراچی کی استاذہ ڈاکٹر حمیرہ ناز نے مولانا سعید اکبرآبادی کے تاریخی شعور سے متعلق اپنے تحقیقی مقالہ میں اس رسالہ پر اظہار خیال کیا ہے۔

۶۹ الرق فی الاسلام: ایک جائزہ، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (مولانا سعید

اکبرآبادی: احوال وآثار، مرتبہ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، شعبۂ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۳۷۔۱۵۱

۷۰؎ الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۱۷۷

۷۱؎ ایضاً، ص: ۱۸۳

۷۲؎ ایضاً، ص: ۱۹۲

۷۳؎ ایضاً، ص: ۱۹۴

۷۴؎ ایضاً، ص: ۱۹۸

۷۵؎ حیات رسول امی، خالد مسعود (تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی)، قرآن وسنت اکیڈمی نئی دہلی، طبع اول مارچ ۲۰۰۴ء، ص: ۵۳۴۔۵۳۵

۷۶؎ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القرآن، علامہ حمید الدین فراہی، امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ۱۴۱۱ھ، ص: ۲۰۷۔۲۱۳

۷۷؎ مقالات شبلی (باہتمام مولانا مسعود علی ندوی)، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۴ء، ۱/۱۔۲۲، علامہ کے اس مضمون کا جائزہ لینے کے لیے مقالہ ''تاریخ تربیت قرآن از علامہ شبلی نعمانی۔ایک جائزہ'' تحریر کیا گیا ہے، دیکھیے شبلی نمبر (شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۸ء۔۲۰۰۷ء) شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ، ص: ۱۱۴۔۱۲۲

۷۸؎ دیکھیے: تفسیر فصل الخطاب الحاج سید العلماء مولانا السید علی نقی النقوی، مجتہد اللکھنوی، ادارہ ترویج علوم اسلامیہ کراچی، پاکستان، بار اول، جمادی الثانی، ۱۴۰۶ھ/ مارچ ۱۹۸۷ء، ۱

۷۹؎ وضاحت کے لیے دیکھیے، الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۲۷۱۔۲۷۶

۸۰؎ وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۲۷۵صم ۲۷۶

۸۱؎ ایضاً، ص: ۲۷۹

۸۲ ایضاً،ص ۲۸۱

۸۳ ایضاً،۲۸۳

۸۴ ایضاً،ص:۲۸۵۔۲۸۶

۸۵ ایضاً،ص:۲۹۸۔۲۹۹

۸۶ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً،ص:۲۹۲۔۲۹۴

۸۷ ایضاً،ص:۲۹۴

۸۸ ایضاً،ص:۲۹۶

۸۹ ایضاً،ص:۲۷۱۔۲۷۲

۹۰ وضاحت کے لیے دیکھیے: Biblography of Translations of the meanings of the Glarious Quran into English 1649-2002, Abdurrahim Kidwai, King Fahad Quran Lerning Comples, 2005, pp.1-469

۹۱ ایضاً،

۹۲

۹۳ دیکھیے: The Gloarious Quran: Text translation and commintary Abdul Majid Daryabadi, The Islamic Foundation, 2001/1422 H, pp1-1146

۹۴ الخطبات الاحمدیہ،ص:۲۹۹

۹۵ وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیۃ،ص:۲۹۹۔۳۰۱

۹۶ ایضاً،ص:۳۰۴

۹۷

۹۸ تفسیر قرآن کے اصول ، علامہ حمیدالدین فراہی (ترتیب وترجمہ خالد مسعود)،قرآن وسنت اکیڈمی،نئی دہلی،طبع اول اکتوبر۲۰۰۳ء،ص:۱۰۵

۹۹۔ مولانا فراہی نے قرآن کریم کی چودہ مختصر سورتوں کی تفسیر لکھتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم میں نظم و مناسبت کے ربانی نظام کو جسے نظر انداز کر کے فہم قرآن کے حقوق ادا کرنا مشکل ہے۔ یہ مجموعہ ہائے تفسیر اولاً دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سے شائع ہوئے، اس کے بعد ان کے تراجم میں مولانا امین احسن اصلاحی کی سعی مشکور شامل ہے۔ اب یہی مجموعے دمشق سے شائع ہو چکے ہیں۔ سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ الحج وغیرہ کی نامکمل تفسیر بھی دمشق سے شائع ہو چکی ہیں۔ اور دو جلدوں میں مولانا فراہی کے حواشی بھی ''تعلیقات'' کے نام سے آچکے ہیں۔ ان تمام چیزوں میں نظم قرآن کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

۱۰۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تدبر قرآن میں کلام عرب سے استدلال، (قرآنیات کے چند اہم مباحث، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اشاعت اول، مارچ ۲۰۰۲ء، ص: ۱۰۳۔۱۳۰

۱۰۱۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۳۰۲۔۳۰۷

۱۰۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الخطبات الاحمدیۃ، ص: ۳۱۴۔۳۱۶

۱۰۳۔ ایضاً، ص: ۳۱۶

۱۰۴۔ ایضاً، ص: ۳۱۷

۱۰۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص: ۳۲۰، مزید وضاحت کے لیے دیکھیے، مکتوبات سرسید، ص: ۸۸

۱۰۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص: ۳۲۷۔۳۳۹

۱۰۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص: ۳۳۹۔۳۴۰

۱۰۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص:

۱۰۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، ایضاً، ص: ۳۴۰۔۳۴۱

۱۱۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص: ۳۴۳۔۳۴۴

۱۱۱۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص:۳۴۴

۱۱۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص:۳۴۴۔۳۴۶

۱۱۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص:۳۴۴۔۳۵۸

۱۱۴۔ ایضاً، ص:۳۵۹

۱۱۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: آنحضرت کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، علامہ حمید الدین فراہی، مرکزی مکتبہ اسلامی، بار اول، جنوری ۱۹۹۱ء، ص:۷۔۳۰

۱۱۶۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص:۳۸۳

۱۱۷۔ ایضاً، ص:۳۷۴

۱۱۸۔ ایضاً، ص:۳۸۰

۱۱۹۔ ایضاً، ص:۳۸۰

۱۲۰۔ ایضاً، ص:۳۹۷

۱۲۱۔ ایضاً، ص:۳۹۷

۱۲۲۔ ایضاً، ص:۳۹۸

۱۲۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، الخطبات الاحمدیۃ، ص:۴۰۲۔۴۰۵

۱۲۴۔ الخطبات الاحمدیۃ، ص:۴۳۸

۱۲۵۔ ایضاً، ص:۴۴۷

۱۲۶۔ ایضاً، ص:۱۴۴

۱۲۷۔ ایضاً، ص:۴۴۴۔۴۴۵

۱۲۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: سرسید کے تین مقالات، مقالہ "کتب احادیث، ص:۹۰۔۹۳، مقالہ احادیث غیر معتمد، ص۱۰۴۔۱۰۷، مقالہ: اقسام حدیث، ص۱۲۴۔۱۳۰ (تہذیب الاخلاق، مئی ۲۰۱۴ء، ۵/۳۳)

۱۲۹۔ سیرۃ النبی (مقدمہ، ۱/۵۔۶

۱۳۰۔ A Critical Examination of the Life and Teaching of

Mohammed, Syed Ameer Ali: Moulvi, 40 Chartered Bank Chambers Taopur Road, Karachi-2, Pakistan, 1978. pp viii

۱۳۱۔ Life And Teaching of Mohammad, Amir Ali (Preface), Edinburge, Morrison and Gibb, 1890

۱۳۲۔ سیرت کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے ترجمان ''ساز حرم'' (۲۰۱۲ء) میں ''حیات نبی امی'' پر خاکسار کا مضمون ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

مشاہداتِ حرم - ایک مطالعہ

مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۰۳ء-۱۹۹۷ء) اپنی گوناگوں علمی خدمات کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اصلاً وہ قرآنیات کے حوالے سے زیادہ معروف ہیں۔ان کی تفسیر ''تدبر قرآن'' دنیا کی تمام تفاسیر میں امتیازی خصوصیت کی حامل ہے، اپنے نظریۂ نظم قرآن کے سبب یہ تفسیر دنیا کی تمام تفاسیر کے مابین ایک انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔مولانا کی تصانیف کو بھی اہلِ نظر قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔مولانا کی تمام تر تصانیف علمی اور فکری اعتبار سے بالعموم قرآن مجید سے مستفاد ہیں۔مولانا کے اسلوب بیان کی تین اساسی شناخت ہیں۔ایک تو مولانا کی تحریروں میں خاصی ادبی کشش ہے، دوسرے یہ کہ مولانا کا انداز تحریر منطقی اور استدلالی ہے۔ جسے ادبی چاشنی اور رعنائی تحریر مزید پرکشش بنا دیتی ہے۔اور تیسرے یہ کہ ان پر قرآنیات کی گہری چھاپ ہے۔

مولانا کی ایک قابل ذکر تصنیف ''مشاہداتِ حرم'' ہے جسے مقبول الرحیم مفتی نے ترتیب دیا ہے۔سرنامۂ کتاب ہی سے عیاں ہے کہ یہ حج کا سفرنامہ ہے۔مولانا کو حج کرنے کا شدید اشتیاق تھا، لیکن جب ۱۹۵۸ء میں جماعت اسلامی کی رکنیت سے سبکدوش ہوئے تو یہ خواہش اور سر اٹھانے لگی، مولانا ان دنوں حد درجہ رنجور اور فگار تھے۔ وہ زیارت کعبہ کو اپنے زخم کا مرہم بنانا چاہتے تھے۔ نیز اس خواہش کے پیچھے مولانا کے استاذ گرامی مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۳ء-۱۹۳۰ء) کی ایک تقریر بھی کارفرما تھی۔جس میں مولانا فراہی نے آیت ''ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً ومن كفر فان الله غني عن العالمين''

(اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور جس نے کفر کیا تو اللہ دنیا والوں سے بے پروا ہے۔) پر دوران تقریر فرمایا کہ ''جو شخص استطاعت کے باوجود حج سے بے پروا ہو جاتا ہے اللہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر''[1] مولانا کو اپنے استاذ کی اس رائے پر مزید ایقان اس وقت ہوا جب انھیں مطالعہ کے دوران ایک ایسی صحیح حدیث ملی جس سے اس کی تائید ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس کی وجہ سے مولانا کے حج بیت اللہ سے متعلق اضطراب کو ایک اور دھچکہ لگا، نیز استاذ گرامی کی تصانیف نے میرے بحر اشتیاق میں مزید تلاطم برپا کر دیا۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ''بعد میں اس خوف پر شوق کا اضافہ بھی ہوا اور وہ بھی مولانا کی بعض کتابوں سے ہوا۔ میں نے جب مولانا کی تفسیر سورہ کوثر کا مطالعہ کیا تو اس سے بیت اللہ کی روحانیت کی تصویر میرے سامنے آئی اور یہ حقیقت واضح ہوئی کہ خانہ کعبہ دنیا میں حوض کوثر کا مجاز ہے۔ جو شخص دنیا میں اس کوثر پر نہیں پہنچے گا وہ آخرت کے حوض کوثر کی برکتوں سے محروم رہ جائے گا[2] اسی طرح مولانا کی تفسیر سورہ فیل[3] اور ان کے رسالہ ذبیح[4] کے مطالعہ سے مجھ پر قربانی، طواف، حجر اسود، رمی جمرات اور دوسرے مناسک کے اسرار کے بعض گوشے بے نقاب ہوئے اور ایسے موثر انداز میں بے نقاب ہوئے کہ میرے دل میں گھر کر گئے'' [5]

مولانا نے حج بیت اللہ کے قصد کرنے کا ایک سبب وہ حدیث بھی بتائی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ تین کام ایسے ہیں جن کے کرنے سے انسان کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک کفر سے نکل کر اسلام میں آنا، دوسرے خدا کی راہ میں ہجرت کرنا اور تیسرے حج کرنا۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے لیے ایک بہت بڑا سہارا بن گئی اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گناہ گار

بندوں کے لیے ایک ایسی راہ کھلی رکھی ہے جس پر مغفرت کے لیے مجھ جیسے کم ہمت بھی چل سکتے ہیں۔[6] آخر میں مولانا لکھتے ہیں کہ میری دل برداشتگی اور دل گرفتگی کا سب سے بہتر سامان زیارت بیت اللہ ہوسکتی ہے۔[7]

مولانا ۱۸/مئی ۱۹۵۸ء کو حج بیت اللہ کے لیے کراچی سے روانہ ہوئے۔ مولانا کے ذہن میں ابتداً اپنے سفرِ حج کی روداد لکھنے کا کوئی خیال نہ تھا لیکن سفرِ حج کے دوران بہت سے ایسے حالات اور مشاہدات سے دوچار ہوئے جن کی وجہ سے مولانا کو سفرِ حج کی روداد قلم بند کرنے کی تحریض ہوئی۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک تو اس وجہ سے کہ مناسک حج کے سلسلے میں بہت سے نوجوان خلجان کے شکار ہیں، دوسرے اس وجہ سے کہ بہت سی لایعنی خرابیاں سفر کے دوران نظر آئیں جن کے سلسلے میں اصلاح کے نقطہ نظر سے اشارہ کرنا میرے لیے ضروری ہوگیا، اور تیسرے اس لیے سفرنامہ کے لیے قلم اٹھانا پڑا کہ حجاز روحانی مرکز ہونے کے بجائے رفتہ رفتہ مادی مرکز ہوتا چلا جارہا ہے''[8]

یہی وجوہات تھے جن کی وجہ سے آج ''مشاہدات حرم'' سے ارباب علم مستفیض ہورہے ہیں۔ مشاہدات حرم بالاقساط رسالہ ''المنیر'' میں شائع ہوتے رہے اور دوبارہ یہی مشاہدات ''المیثاق'' میں ۹۱۔۱۹۹۰ء کے دورانیہ شائع ہوئے۔

یہ سفرنامہ حج ''مشاہداتِ حرم'' تکلفات اور تصنعات سے پاک ہے۔ مولاناؒ نے اس میں صرف انھیں واقعات کو قلم بند کیا ہے جن کے اثرات دل نے قبول کیے۔ یہ واقعات زیب داستان اور تفریح طبع کے لیے بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبان وبیان کی دلکشی اور رعنائی سطر سطر سے نمایاں ہے۔ مولانا رقم طراز ہیں:

> ''میں نے اس سفرنامہ میں صرف ان ہی واقعات وحالات کا ذکر کیا ہے جن کا میرے دل پر کوئی نقش قائم ہوگیا تھا میں نے وہ نقوش بے تکلف دل کے صفحے سے اٹھا کر کاغذ کے صفحات پر رکھ

دیئے ہیں۔ نہ کسی بات کی یاد کرنے کے لیے حافظے پر زور ڈالا ہے نہ کہیں آرائش بیان کی کوشش کی ہے۔ جو دل کے صفحے پر موجود ہو۔'' ۹

''مشاہدات حرم'' کا آغاز معلم کے انتخاب سے ہوتا ہے اس کے بعد ضروریات سفر پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا کہ احکام حج اور مناسک کے سلسلے میں کوئی قابل اعتبار رسالہ ضرور پڑھ لیا جائے۔ اس تعلق سے مولانا منظور احمد نعمانی کا رسالہ۱۰ مولانا کو بہت پسند تھا جسے بہت پہلے مولانا نے پڑھ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا کی اس فرمائش پر مولانا نعمانی نے اپنے رسالہ کے ساتھ بہت سے دیگر رسائل بھی آپ کو ارسال کیے اور ساتھ ہی ساتھ امام ابن تیمیہ (۱۳۲۸ھ۔۱۲۶۳ء) کا رسالہ بھی روانہ کیا۔۱۱ کیوں کہ انھیں پتہ تھا کہ مولانا کو افکار تیمیہ سے خصوصی لگاؤ ہے۔ مولانا کی تصانیف اور خصوصاً تزکیہ نفس میں افکار ابن تیمیہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے خیالات ونظریات سے دائرہ فکر فراہی نے خاصہ فائدہ اٹھایا ہے۔ خود مولانا فراہی نے اپنی تصانیف میں دونوں ائمہ کے افکار جگہ جگہ نقل کیے ہیں۔

اس سفر نامہ سے ایک انکشاف یہ ہوا کہ مولانا کی اہلیہ نے بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جس کا نام ''مدرسہ اصلاح البنات'' تھا، جس کے متعلق مولانا نے یہ لکھا ہے کہ اب وہ کافی ترقی کر چکا ہے، اسی مدرسہ میں مولانا خلیل عرب کی بیٹی پروفیسر عطیہ خلیل عرب بھی پڑھا چکی ہیں جو کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کی صدر رہ چکی ہیں اور عربی زبان وادب کے حوالے سے کافی قابل ذکر خدمات انجام دے چکی ہیں، آپ کے والد محترم پر مولانا علی میاں کا مضمون ''پرانے چراغ'' میں خاصے کی چیز ہے۔ بہت پہلے مولانا امین احسن اصلاحی کی اہلیہ صاحبہ اس دنیا سے جا چکی ہیں اور اب مولانا بھی انتقال کر چکے ہیں۔ پتہ نہیں اب اس مدرسے کا کیا حال ہے یہاں بتانا تو یہ مقصود ہے کہ سرحد پار چلے جانے کے بعد بھی مولانا اپنی مادر علمی کی یاد کو کسی نہ کسی عنوان سے حرزِ جاں بنائے رکھا اور اسی کی ایک

شکل یہ بھی تھی کہ جب آپ کی اہلیہ صاحبہ نے لڑکیوں کے لیے مدرسہ قائم کیا تو اس کے نام کے ساتھ بھی مولانا نے ''اصلاح'' کو جوڑ دیا[۱۲] چنانچہ اپنی تصانیف اور تحریروں میں جابجا اپنی مادر علمی سے اپنے عمیق تعلق کا اظہار بڑے جذباتی انداز میں کیا ہے۔

مولانا نے سفرنامہ کو آگے بڑھاتے ہوئے کراچی میں چیچک اور ہیضے کے ٹیکے کے معائنے کی داستان کو بڑے پُرلطف انداز میں ذکر کیا ہے۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں:

''وہاں بڑا شدید ہجوم تھا، تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، مولانا نے اسے دارالابتلاء قرار دیا''۔ مزید اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے ''اس دارالابتلاء سے چھوٹ کر گھر واپس لوٹنے کے لیے جب رکشہ میں بیٹھے تو میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیسی گزری؟ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ غصہ سے بھری ہوئی ہوں گی اور سارا غصہ میرے اوپر نکالیں گی، لیکن میرے اندیشہ کے بالکل خلاف وہ نہایت ٹھنڈے لہجہ میں بولیں کہ اس راہ میں سب کچھ جھیلنا عبادت ہے۔ تکلیف تو ہوئی مگر اللہ کا شکر ہے کہ کام ہوگیا۔ میں نے کہا کہ تمہارا خیال صحیح ہے۔ ہمارے لیے تو یہ عبادت ہے۔ یہ ہمارے ارباب کار بھی ہمارے ستانے کے لیے یہ طریقے عبادت ہی سمجھ کر کرتے ہیں۔ ان کو علم ہے کہ ان تکلیفوں اور ذلتوں سے حاجیوں کے اجر وثواب میں اضافہ ہوتا ہے''[۱۳]

احرام باندھنے سے حج کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ احرام کی یہ شکل اصلاً معنوی وروحانی سپردگیٔ خدا کی ایک ادا ہے اور یہ بتاتی ہے کہ حصار ایمان میں آجانے کے بعد بندہ مومن کا ہر عمل رضائے الٰہی سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ مولانا اصلاحی نے اس شان کو بڑے حقیقی ادبی پیرائے میں بیان کیا ہے:

''اس سے پہلے بار بار میرے دل میں یہ شوق پیدا ہوا تھا کہ کاش کبھی وہ دن آئے کہ میں احرام باندھے ہوئے ''لبیک لبیک''

کہتا ہوا جدہ کے ساحل پر اتروں، احرام میں حنفیت اور یکسوئی کی جو شان ہے۔ سب سے کٹ کر ہجرت الی اللہ کی جو کیفیت ہے، زندگی اور زندگی کی لذتوں سے منھ موڑ کر فنا فی اللہ ہو جانے کی جو ادا ہے اور اسلام میں رہبانیت نہ ہونے کے باوجود، احرام میں تبتل اور ترکِ دنیا اور فقر و درویشی کا جو جمال ہے، علاوہ ازیں تلبیہ کے پاکیزہ کلمات میں جو جذبہ جو ولولہ، جو فدویت اور جو جوش و سرمستی ہے، ان ساری چیزوں کا تصور میں اس سے پہلے بارہا کر چکا تھا اور حج کے زمانوں میں وارفتگی کی یہ صورت و ہیئت اپنے اوپر بھی طاری کرنے کی آرزوئیں میرے دل میں بارہا پیدا ہوئی تھیں'' [۱۴]

احرام کی حالت سے انسان کے اندر ایک فقر اور ترک دنیا کا تصور پیدا ہوتا ہے اور اسلام میں رہبانیت ممنوع ہے۔ اگر کہیں یہ چیز موجود ہے تو بقول مولانا:

''احرام میں پابندیاں ضرور ہیں لیکن یہ اس دین فطرت کا کمال ہے کہ اس نے اپنی عبادت میں ترک دنیا اور درویشی جیسی کوئی چیز شامل بھی کی ہے تو وہ صرف اس حد تک ہے کہ نفس کو خدا کی طرف موڑ تو سکے لیکن اس کو توڑ نہ سکے'' [۱۵]

احرام باندھنے کے بعد جہاز کے گوشہ گوشہ سے تلبیہ کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں نماز پنجگانہ کے بعد تو ان صداؤں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

''خصوصاً نمازوں کے بعد تو یہ شور اتنا وجد انگیز ہوتا کہ میں سر دھانا جہاز کی ہر چیز بھول سکتا ہوں لیکن اس چیز کو میرا حافظہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا'' [۱۶]

مولانا جدہ پہنچنے کے بعد کسٹم والوں کا سامنا کرتے ہوئے اور اس کی ایک بہت اہم خامی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ ہر طرح کے لٹریچر کا بڑی گہری نظر سے

جائزہ لیتے ہیں۔ کسٹم عملہ کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی زبان کا ایک حرف ان کے ملک میں نہ جانے پائے اور خود حکومت سعودیہ اپنے نظریات کا پرچار پوری دنیا میں کرتی پھرے۔ سعودیہ دراصل ایک مسلک بن چکی ہے، اس نے اپنے مسلک کے احیاء اور فروغ کے لیے ہر ملک اور ہر خطے میں اپنے لوگوں کو متعین کر دیا ہے جو مختلف حوالوں سے اپنے مسلک کی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کام کے لیے روپے پانی کی طرح بہائے جا رہے ہیں۔ اس صورتِ حال کا جائزہ مولانا نے ان لفظوں میں کیا ہے:

> ''ان لوگوں کے لیے عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے ناواقفیت بڑی زحمت کا سبب ہے لٹریچر کے معاملہ میں یہ لوگ نہایت شکی بلکہ وہمی واقع ہوئے ہیں اس وجہ سے یہ ہر اخبار، ہر رسالے اور کتاب سے ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں اس میں ملوکیت کے خلاف کیا مواد بھرا ہوا ہے، اپنے اس وہم میں بسا اوقات یہ ترمذی کی شرح اور قرآن کی کسی تفسیر کو بھی باغیانہ لٹریچر سمجھ کر روک لیتے ہیں'' ۔ ۱۷

مولانا کی تمام تصانیف ادبی رنگ میں نہائی ہوئی ہیں۔ مولانا واقعات کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں اور ان الفاظ سے بڑی سچی تصویر سامنے آتی ہے۔ یہاں ایک مثال آپ کے ترجمہ قرآن کریم سے حاضر ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں لفظ ''سلطان'' آیا ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا نے ''پروانۂ راہداری'' کیا ہے۔ سیاق وسباق اور نظم قرآن کی رو سے یہ ترجمہ مناسب ہے۔ بالعموم مفسرین نے قدرت، غلبہ اور اللہ وغیرہ کیا ہے جو مناسب نہیں ہے مولانا نے اس لفظ کی تشریح میں سلطان کے لفظ ''سند'' بھی استعمال کیا ہے۔ ۱۸ مولانا اسلامی اسکالر اور ادیب دونوں تھے۔ یہ ادبیت اس سفرنامہ کی سطر سطر سے متبادر ہے۔ مثلاً ایک جگہ اس میں مدینۃ الحجاج کے ایک واقعہ کے لیے ''آفت'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مولانا کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''میں مسجد سے عصر کی نماز پڑھ کر لوٹ رہا تھا کہ چند بنی ٹھنی بے پردہ لڑکیاں مدینۃ الحجاج کے بازار میں سیر کرتی نظر پڑیں، میں نے ان کے لباس اور انداز سے قیاس کیا کہ ہو نہ ہو یہ آفت کراچی یا لاہور سے نازل ہوئی ہے''۔ [19]

جدہ سے مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ روانگی کے وقت مولانا کی کیفیت خود ان کے لفظوں میں یوں تھی: ''اڑ کر وہاں پہنچ جانے کو دل چاہ رہا تھا''۔ تا کہ بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کی سعادت حاصل کریں۔ مولانا کا یہ سفر بذریعہ بس ہوا۔ بس ڈرائیور درمیان راہ اپنی ''بخشش'' کا مطالبہ کرتے ہیں، اور جب تک تمام مسافروں سے یہ بخششیں نہ مل جائے وہ بس کو آگے نہیں بڑھاتے، مولانا لکھتے ہیں:

''ہم لوگوں سے یہ بخششیں وصول کرنے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی پوری رفتار سے چلائی۔ یہاں کے ڈرائیور گاڑیاں بہت تیز رفتار سے چلانے کے عادی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اونٹ کے بعد جوان کو موٹریں مل گئی ہیں تو اونٹ کی سست رفتاری کا انتقام وہ موٹروں سے لینا چاہتے ہیں''۔ [20]

مولانا مکہ معظّمہ پہنچنے کی داستان جب بیان کرتے ہیں کہ اس کے ایک ایک لفظ سے ایمان کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ بہت سے سفرناموں میں خانہ کعبہ کی زیارت کا ذکر عجیب وغریب انداز میں ملتا ہے۔ ممتاز مفتی نے تو ''لبیک'' میں خانہ کعبہ کو ''کالے کوٹھے'' کہہ کر خطاب کیا ہے، اس کی وجہ سے انھوں نے اپنی اسلوب میں ایک جان ڈال دی ہے اور اسی جان کے پیچھے مرحوم کو کفر کے فتویٰ کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ لاہور کے ''نقوش'' نے ممتاز مفتی پر اچھا گوشہ شائع کیا ہے۔ اور ان کی دیگر ادبی خصوصیات کا اس میں احاطہ کیا گیا ہے۔ [21] مولانا بیت اللہ کی زیارت کے وقت اپنی داخلی کیفیات کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے:

''جس وقت بیت اللہ کے دیدار سے آنکھیں روشن ہوئیں ہیں

اس وقت میرے دل کی جو کیفیت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے، مجھ پر خانہ کعبہ کی عظمت کا ایسا رعب طاری ہوا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں بے سکت ہو رہے ہیں۔ اور میں لڑکھڑا کر پڑوں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے سنبھال لیا، پھر جتنے ہی قریب ہوتا گیا یہ دہشت انس اور محبت سے تبدیل ہوتی گئی، بیت اللہ کے دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے دل اگرچہ بڑی حد تک مطمئن ہو گیا، لیکن پھر بھی اس وقت بہت سی پڑھی اور سیکھی ہوئی چیزوں کو مستحضر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس وجہ سے اس وقت وہی رہنما بس غنیمت معلوم ہوا جو نیم بیداری اور نیم خواب کی حالت میں ہماری رہنمائی کر رہا تھا''۔[۲۲]

خانہ کعبہ کی عمارت کے پتھر آڑے ترچھے لگے ہوئے ہیں، پتھر کے رنگوں میں بھی کوئی دلکشی نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی نقش ونگار ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں ایک فطری کشش ہے۔ دیکھتے ہی صاحب ایمان کھنچتا چلا جاتا ہے، کراچی کے مرحوم علی اکبر رضوی نے اسی لیے اپنے سفرنامہ حج کے عنوان کو لفظ ''جلال'' کے ارتباط سے ضروری تصور کیا۔ اس کا پورا عنوان ''جلال و جمال'' ہے۔ لفظ جلال سے مکہ مکرمہ کی عکاسی ہوتی ہے اور لفظ جمال سے مدینہ منورہ کی رعنائیوں کی غمازی ہوتی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اسی جلال کی یوں تصویر کشی کی ہے:

''غرض ظاہری زیب وزینت کی کوئی چیز بھی دل کو مائل کرنے والی نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو محبوبیت، جو دلکشی، جو حسن وجمال، جو سادگی و پرکاری اور جو عظمت وشوکت اس عمارت میں میں نے پائی وہ کسی اور چیز سے نہیں پائی''۔[۲۳]

خانہ کعبہ نشیب میں واقع ہے اس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں اس کی طرف جاتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ بلندی سے نشیب کی طرف آ رہے ہیں احادیث

میں خانہ کعبہ کو حوض کوثر کا مجاز کہا گیا ہے۔ اس کی شکل کافی حد تک حوض سے مشابہ ہے۔ سرسید نے خطبات احمدیہ میں خانہ کعبہ کی اسی تصویر مکعب کی اچھی تصویر اتاری ہے۔[۲۴] خانہ کعبہ کی اسی جائے وقوع کو پیش نظر رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ:

''حرم کے وسط میں خانہ کعبہ سیاہ غلاف میں ملبوس چشم تصور کو کچھ اس طرح نظر آتا ہے جیسے ایک حوض ہو اور اس حوض کے وسط میں سیاہ گلاب کا ایک پھول کھلا ہوا ہے''۔[۲۵]

ممتاز مفتی اگر اسے کالا کوٹھا کہنے کے بجائے سیاہ گلاب کہہ کر اس کے حسن کی تفسیر کرتے تو کیا خوب ہوتا اور انھیں سارے اعتراضات کا بھی سامنا نہ کرنا پڑتا اور مفتیان کرام انھیں دائرہ کفر میں نہ کھڑا کرتے۔ محمد ذاکر علی خاں نے اپنے سفر نامہ ''میاں کے اٹریا تلے'' میں خانہ کعبہ کی عظمت اور جاہ و جلال کو بڑے خوبصورت انداز میں قلم بند کیا ہے۔ چند سطور ملاحظہ ہوں:

''خدا آباد رکھے کیا بات ہے اپنے میاں کی ''اٹریا'' کی 'میاں' اونچے 'میاں' کی 'اٹریا' اونچی اور اونچی بھی کتنی کہ کوہ پیما تو کوہ پیما فلک پیما بھی اس کی بلندیوں کو ناپنے سے قاصر اور قمر نورد اس کی چوٹی کو سر کرنے سے معذور ہیں۔ جلال ایسا کہ عام انسان کجا خود 'میاں' کے اپنے چہیتے قدم رکھتے ہی مارے خوف کے رو دیا کرتے اور ماتھے رگڑتے رگڑتے زمین گھس ڈالتے۔ دنیاوی اعتبار سے کوئی کتنا ہی عز و جاہ کا مالک ہو اور اپنے ظلم سے اللہ کہلوانے کا عادی کیوں نہ ہو لیکن یہاں پہنچتے ہی سارا رعب دبدبہ ختم ہو جاتا ہے، شان ماند پڑ جاتی ہے اور بڑے بڑے شیر نر بھیگی بلی بنے کونے جھانکتے رونے کے لیے بے چین پھرتے ہیں۔ جمال ایسا کہ دنیا کے گوشے گوشے میں بن دیکھے کروڑوں دیوانے صبح شام اس کی تصور میں ہی کبھی ہاتھ باندھ کر کھڑے

ہوتے ہیں کبھی جھک جاتے ہیں کبھی زمین پر ماتھا لگا کر اپنے مالک کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دمِ آخر ادھر کو ہی رخ کیے لیٹ رہتے ہیں۔ اسی طرف منہ کیے ابدی نیند سویا کرتے ہیں ایسے لاکھوں نادیدہ عاشق دنیا کے ہر کونے سے طرح طرح کی صعوبتیں جھیلتے دور دراز کے سفر طے کر کے اپنا سب کچھ لٹانے کھنچے چلے آتے ہیں، اور اس سے بھی کہیں زیادہ فارق دیدار میں تڑپا کرتے ہیں۔ کشش جمال اس درجہ کی شب وروز پہروں ٹکا کرتے ہیں ٹکٹکی باندھ کر کنکھیوں سے، پلکوں کی آبی چلمن سے حتی کہ نماز میں بھی چوری چوری نظریں ڈال لیتے ہیں، لیکن جی نہیں بھرتا نگاہ ہٹانے کی طبیعت نہیں چاہتی''۔[۲۶]

خانہ کعبہ کی تعمیر نشیب میں کیوں ہوئی؟ اس میں اللہ کی کون سی حکمت پنہاں تھی، اس کی طرف مولانا حمید الدین فراہی نے اپنی کتاب ''الرأی الصحیح فیمن ھو الذبیح'' میں یوں اشارہ کیا ہے:

''ہاں یہ ایک دوسرا گھر ہے اس کو دیکھ کر تو اس کے ہر گوشے اور ہر کونے میں ابراہیمی سادگی کا جمال فطرت ابھرا ہوا نظر آئے گا۔ بطحائے مکہ کا بیت اللہ الحرام! وہ بت پرستوں، آفتاب پرستوں اور ستارہ پرستوں کے معابد کے بالکل برعکس، نشیب زمین میں تعمیر ہوا اور گویا اپنی ہیئت ہی سے اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان بلندیوں پر چڑھ جائے، بلکہ اس کا قرب زیادہ سے زیادہ جھک جانے اور پست ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے''۔[۲۷]

مولانا نے طواف کے روح پرور منظر کو بھی اپنے مخصوص اسلوب میں یوں بیان فرمایا ہے:

> ''ہر گھڑی ہر آن اور ہر موسم میں خانہ کعبہ کا طواف جاری رہتا ہے، گرمیوں میں جب آگ برس رہی ہوتی ہی اس وقت بھی طواف کا سلسلہ نہیں رکتا، ہزاروں خدا کے بندے اس طرح طواف میں منہمک رہتے ہیں گویا فرشِ گل پر چل رہے ہیں''۔[۲۸]

مکہ معظّمہ میں مولانا کی بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک صاحب اٹک کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مولانا سے اپنا تعارف کراتے ہوئے ایک فقرہ کہا کہ آپ نے بھی جماعت اسلامی چھوڑ دیا یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ مولانا پر اس کا شدید اثر ہوا۔ ایک بار پھر ان کی مولانا سے ملاقات رہی اور اس بار بھی وہی فقرہ کہہ کر زاروقطار رونے لگے۔ مولانا کے اخلاص دینی سے حددرجہ متاثر ہوئے۔[۲۹] یہ بات میں نے یہاں پر صرف اس لیے نقل کی ہے کہ یہ بتایا جاسکے کہ ابتداء میں جماعتِ اسلامی کے بیشتر اراکین کا یہ حال تھا، لیکن آج تحریک اسلامی کے بیشتر اراکین اپنے مستقبل کے سنوارنے اور اپنے گھر کے چمکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ مولانا نے اپنے مقالات کی جلد اول میں اس علاحدگی کے اسباب ووجوہ کو بتانے کے لیے دوسو صفحات مختص کیے ہیں۔ اس کے بڑھنے سے بہت سے حقائق منظر عام پر آجاتے ہیں۔ ان صفحات میں مولانا نے مولانا مودودی کے خصوصی اختیارات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جس کے سامنے کسی ٹکنا آسان نہیں ہے۔

مولانا مکہ معظّمہ سے مدینۃ الرسول کے لیے روانہ ہوئے اور جب آپ کی بس شہر سے قریب ہوئی تو فرمایا:

> ''سورج نکلا تو ساتھ ہی مدینۃ الرسول کے آثار طلوع ہونے شروع ہوگئے''۔[۳۰]

مدینۃ الرسول کی نورانیت کے انعکاس کی کیفیت مولانا کے الفاظ سے صاف جھلک رہی ہے۔ مولانا نے دس روز مدینہ منورہ میں قیام کیا اور مسجد نبوی، روضۂ اقدس، جنت البقیع، اطراف شہر اور بہت سے دیگر آثار متبرکہ سے اپنی آنکھوں کو

شاد کیا۔ جنت البقیع کی صورتحال سے مولانا کو بہت دکھ پہنچا کہ صحابہ کرام اور ابطال اسلام کی قبروں کو بالکل مٹا دیا گیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:

''جنت البقیع کی حالت دیکھ کر میرے دل پر بڑا صدمہ گزرا، مجھے یہ علم تو پہلے سے تھا کہ نجدی فوجوں نے اپنے غلبہ سے ابتدائی دور میں تمام قبریں زمین کے برابر کر دی تھیں۔ لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ سرے سے قبروں کے نشانات ہی مٹا ڈالے گئے ہیں۔ سارا قبرستان بس ایک تودہ خاک کی شکل میں نظر آتا ہے۔ بہت کم قبریں ایسی ہیں جن کے کچھ نشانات موجود ہیں۔ ان پر بھی چوں کہ کتبے اور تختیاں وغیرہ لگانے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ فلاں نشان کس کی قبر کا ہے، بے خبر معلّموں کے بیان ہی پر اعتماد کرنا پڑتا ہے اس قبرستان میں امت کے گنج ہائے گرانمایہ دفن ہیں۔ اس کی خاک کے نیچے وہ لوگ محو خواب ہیں جن سے زیادہ پاک اور پاکیزہ لوگ ان کے بعد اس زمین کی پشت پر نہ کبھی چلے ہیں اور نہ کبھی چلیں گے۔ اس کے پردوں میں وہ لوگ چھپے ہوئے ہیں جن کے چہروں سے زیادہ نورانی چہرے چشم فلک نے نہ دیکھے ہیں اور نہ کبھی دیکھے گی۔ ایسے لوگوں کی قبروں کا اس طرح بے نشان ہو جانا طبیعت پر بڑا شاق گزرتا ہے'' [۳۱]

مولانا نے اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ''میں جو ان قبروں کے محفوظ رکھنے کی بات کرتا ہوں تو اس کے پیچھے کوئی بدعت پرستانہ رجحان نہیں ہے اور نہ ہی استعانت کو ان سے جائز تصور کرتا ہوں۔ میرے نزدیک قبر پرستی صرف اسلام ہی کی رو سے ناجائز نہیں بلکہ عقل کی رو سے بھی ناجائز ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اعاظم رجال کی قبروں کو محفوظ رکھنے میں ایک افادیت ہے''۔ افادیت کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

''جس وقت میں سیدنا عثمان غنیؓ کی قبر پر حاضر ہوا ہوں، اور مجھے یہ خیال آیا کہ یہ اس عظیم انسان کی قبر ہے جس نے طاقت واقتدار کو رکھتے ہوئے بھی مظلومانہ شہادت کو ترجیح دی، لیکن یہ پسند نہ فرمایا کہ اس کو ذات امتِ محمد میں کسی خونریزی کا سبب بنے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس امت کی محبت اور خیر خواہی کا حقیقی مفہوم آج زندگی میں پہلی بار سامنے آیا ہے۔ میرے نزدیک ان کی قبر اس دنیا میں ان کے اس کردار کا واحد نشان ہے''۔[۳۲]

مولانا صحابہ کرام اور صحابیات کی قبور کو بے نشان بنادینے پر مزید اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اسلام قبروں پر قبے وغیرہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن اسلام کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ قبریں بے نشان کردی جائیں۔ بالخصوص ان لوگوں کی قبریں جس کے علم اور عمل سے دنیا نے ہدایت کے نشانات راہ پاتے ہیں۔ اور جن کی قبریں فی الواقع دوسروں کے زندہ وجودوں سے زیادہ زندگی بخش ہیں''۔[۳۳]

مولانا دوبارہ مکہ معظّمہ واپس آتے ہیں اور بہت سی چیزوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، منیٰ میں قیام کے دوران مولانا کے پاس ایک مصری یا شامی نوجوان آئے اور انھوں نے سلام وکلام کے بعد پوچھا کہ کیا آپ سعید[۳۴] رمضان کو جانتے ہیں؟ مولانا نے جواب دیا کہ ''جی ہاں! ان کو جانتا بھی ہوں اور ان سے محبت بھی کرتا ہوں''۔ مولانا سعید رمضان سے ملنے کے لیے ''فندق تیسیر'' روانہ ہوئے منیجر سے سعید رمضان صاحب کا کمرہ مولانا پوچھ رہے تھے کہ اتنے میں اوپری منزل سے

ایک صاحب اترے اور ''استاذ امین، استاذ امین'' کہتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئے۔ یہی سعید رمضان تھے جن کے خلوص اور بے تکلفی کا مولانا پر غیر معمولی اثر ہوا۔ گفتگو کے دوران انھوں نے مولانا سے جماعت سے علاحدگی کے اسباب دریافت کرنا چاہا اور دوبارہ جماعت میں شمولیت کی درخواست کی تو مولانا نے کہا کہ ان تمام مسائل پر پاکستان میں شام کے سابق سفیر عمر بہاء الدین امیری (۱۴۱۲۔۱۳۳۷ھ/۱۹۹۲۔۱۹۱۸ء)[۳۵] سے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ آپ ان سے ان چیزوں کو معلوم کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جماعت کے لوگوں نے ان کی ایک نہ سنی اور ان کی تمام کاوشیں اکارت ہوئیں، جب کہ میں نے ایک بار پھر ان کے کہنے کی وجہ سے جماعت میں واپس آنے کا ذہن بنا لیا تھا۔[۳۶]

مولانا نے سعید رمضان (۱۳۴۴۔۱۴۱۵ھ/ ۱۹۲۶۔۱۹۹۵ء)[۳۷] کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ بلاد عربیہ میں انھیں بڑی عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ان سے ملنے والوں کا تانتا نہیں ٹوٹتا۔ اخوان کے اندر انھیں ایک عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ ان تمام چیزوں کے ہوتے ہوئے زعیمانہ تمکنت نام کی ان کے اندر کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کے ایک ایک عمل سے اخلاص کی خوشبو آتی ہے۔[۳۸]

بے شمار اخوانی ممبران اور اخوانی نوجوانوں سے مولانا کی ملاقاتیں رہیں مولانا کا کہنا ہے کہ ان تمام لوگوں کے نام یادداشت سے غائب ہو گئے۔ ایک اخوانی عبداللہ بن کلیب ملنے کے لیے تشریف لائے تو اپنے ساتھ ایک تعارفی خط بھی ساتھ لائے۔ خط پڑھنے کے بعد مولانا نے فرمایا:

> ''آپ کے لیے کسی تعارفی خط کی ضرورت نہیں تھی، آپ کی پیشانی گواہی دیتی ہے کہ آپ کا تعلق اخوان سے ہے اور اخوان سے محبت میرے نزدیک ایمان میں سے ہے''۔[۳۹]

ایک دوسرے اخوانی مقبول عبدالکافی سے بھی ملاقات ہوئی۔ اخوانی احباب نے مولانا کی حد درجہ پذیرائی کی اور انھوں نے اپنے اپنے گھروں پر کھانے پر

مدعو کیا۔ مولانا اخوانی صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''ان لوگوں کے اخلاص نے ہمیں اس طرح مسخر کرلیا تھا کہ ہمارے لیے ان کی کسی بات کا انکار کرنا ممکن ہی نہیں رہ گیا تھا''۔[۴۰]

مولانا کی ایک عرب عالم سے ملاقات ہوئی جو حرم میں درس دیتے ہیں، جس کا ادبی ذوق نہایت شستہ اور پاکیزہ تھا۔ ان کے ساتھ مولانا کی ایک دلچسپ گفتگو رہی۔ وہ یہ کہ مولانا کی نظر جدہ ریڈیو نشریات کے پروگرام پر پڑی تو انھوں نے دیکھا کہ اس میں تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی ذکر ہے۔ مولانا نے عرب عالم دین سے فرمایا کہ ''حضرات آپ کے ریڈیو سے کون سی موسیقی نشر ہوتی ہے؟ انھوں نے جواب میں یہ چھپتا ہوا فقرہ فرمایا کہ ''جلالۃ الملک کی حمد و نعت اور کون سی موسیقی''۔[۴۱]

اس سفرنامہ میں عرب، غیر عرب اور خصوصاً اخوانیوں نے بار بار مولانا سے جماعت اسلامی سے علاحدگی کے وجوہات دریافت کیے، مولانا اسے بار بار ٹالتے رہے لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جو اسباب جاننے کے لیے بضد ہو گئے تو مولانا کو ناگواری کے باوجود کچھ کہنا ہی پڑا۔ اسی سوال کے جواب میں ایک بار مولانا نے فرمایا کہ: ''میں نے کہا کہ میں اسلام کی سرپرستی کا نظریہ نہیں رکھتا بلکہ اسلام کی خدمت کا نظریہ رکھتا ہوں''۔[۴۲]

مولانا کی ایک جاوی صاحب سے مقالات ہوئی، وہ مولانا سے لپٹ گئے، مولانا کو ان کی اس بے تکلفی پر حیرانی ہوئی تو انھوں نے کہا کہ ''آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ آپ تو میرے باپ اور میرے بزرگ ہیں۔ میں سماترا کا رہنے والا زکریا صابر ہوں اور مدرسۃ الاصلاح میں دو سال آپ کی تربیت میں رہ چکا ہوں۔ میں نے جب انھیں پہچانا تو جوش محبت سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ فی الواقع مدرسۃ الاصلاح میں میری نگرانی میں رہ چکے تھے اور ان کی نیکی و سعادت مندی کا میں بڑا قدردان تھا''۔[۴۳]

آگے بڑھتے ہوئے مولانا نے حجر اسود، ملتزم، حطیم اور بیت اللہ کے اندرونی مناظر وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے جلالۃ الملک کے طواف پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

''طواف کے بعد جلالۃ الملک اور ان کے ساتھیوں نے مغرب کی نماز حرم میں پڑھی۔ پہلی رکعت کے سجدے سے جب میں نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے کچھ مسلح فدائی اثنائے نماز میں بھی صفوں کے درمیان جلالۃ الملک کی نگرانی کرر ہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ بادشاہ ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے۔ عین حرم الٰہی میں جب میں نے دیکھا کہ جلالۃ الملک کی ذات کے لیے اتنے خطرے ہیں تو میں نے اپنی خوش قسمتی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں اس کی عنایت سے کوئی بادشاہ نہیں ہوا''۔[۴۴]

کتاب کے آخر میں مولانا نے سعودی حکومت کی بعض خدمات کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ خامیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عرب والے دلدل میں جا پھنسے ہیں، جس کی وجہ سے اخوت اسلامی کا رشتہ کمزور ہوتا جارہا ہے۔ سعودی حکومت کے یہاں بھی ملکی اور غیر ملکی ایک اہم مسئلہ ہے۔ وہ معاملات کو محدود قومی تصورات کی عینک سے دیکھتی ہے۔ عرب کے دیگر ممالک میں اگر یہ مرض موجود ہے تو اس پر ہمیں زیادہ افسوس نہیں ہے لیکن سرزمین حجاز اور بلد امین میں اس کا پایا جانا نہایت افسوس ہے۔ خانہ کعبہ اہل عرب اور اہل عجم دونوں کے لیے برابر برابر ہے دوسری خرابی یہ ہے کہ اس مہبط وحی پر ایسے اخبارات ورسائل کثرت سے بکتے ہیں جن میں عرب قومیت، الحاد واباحیت اور فحش جنسی مضامین ہوتے ہیں اور نیم عریاں تصاویر کی ان میں بھر مار ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ سعودی حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ شاہی خاندان کے افراد کی دلچسپیوں اور بیرونی سیاحتوں پر صرف ہوتا ہے جب کہ فلاح وبہبود کے نام پر بہت قلیل رقم خرچ ہوتی

ہے۔ اللہ انھیں اسراف سے بچائے۔ چوتھے تعلیمی اداروں میں زیادہ تر وہ مصری اساتذہ ہیں جو ملحد ہیں اور دین سے بالکل بے پروا ہیں۔ سعودی کے محکمہ حفظان صحت کے ڈائریکٹر مصری ہیں جن کا نام نامی فرعون رشاد ہے۔ ان کے نام ہی سے ان کے رجحان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چوتھی ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں کے تمام اخبارات ورسائل، ادباء وشعراء اور علماء کرام بادشاہی فرامین کے پابند ہیں۔ تمام ذرائع ابلاغ حکومت کے وفادار ہیں اور تمام ادارے حکومت کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ ہر شخص حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ کرے یہاں آزادیٔ رائے کی فضا سازگار ہو۔[۴۵]

مولانا اپنے آخری طواف میں مصروف ہیں اور جاتے ہوئے ان پر کیا گزر رہی ہے؟ اسے اس طرح بیان کیا ہے ''باب ابراہیم کی دہلیز سے جدا ہوتے ہوئے میرے دل پر جو کچھ گزری بعض عرب شاعروں نے اپنے شعروں میں اس کی بڑی سچی تصویر کھینچی ہے۔ لیکن وہ اور کوچے کی باتیں ہیں اور یہ ایک دوسرے ہی عالم کی باتیں ہیں، اس وجہ سے دل نہیں چاہتا کہ ان ادارات کے بیان کے لیے ان شاعروں کے الفاظ مستعار لوں''۔[۴۶]

مولانا کا یہ سفر دس مئی ۱۹۵۸ء کو شروع ہو کر ۱۴؍اگست ۱۹۵۸ء کو ختم ہوا۔ مولانا کا یہ سفرنامہ کئی خصوصیات کا حامل ہے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے اپنے دیگر موضوعات کی طرح اسے بھی ادبی انداز میں پیش کیا ہے۔[۴۷] پڑھتے ہوئے جگہ جگہ ادبی گل کاریاں نظر آئیں گی، اپنی تفسیر تدبر قرآن میں ''تصریف[۴۸] ریاح'' پر جو تحریر فرمایا ہے وہ تو ادبی شہ پارہ ہے۔ کیوں کہ صاحب ''ظہور قدسی'' کی سرزمین سے یہ تحریر نمو ہو رہی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سفرنامہ میں جابجا قرآنیات کی جلوہ فرمائیاں ہویدا ہیں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سے تحریک اخوان المسلمون کے متعلق ایک خوبصورت تاثر ابھرتا ہے۔ یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ مولانا اخوانیوں کے مابین اچھی طرح متعارف تھے۔ اس تحریک کے قائدین اور ارکین سبھی مولانا سے واقف تھے، مولانا ان کی قربانیوں کے دل سے قدرداں تھے۔ ان کے تئیں ان کے

دل میں محبت کے جذبات موجزن تھے۔ ڈاکٹر سعید رمضان اخوان اور دنیائے عرب کے ایک بڑے شخص تھے انھوں نے جس انداز سے مولانا کو اعزاز واکرام بخشا ہے اس سے مولانا کے قد کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے بہت سے شعائر حج اور تاریخی مقامات تک رسائی ہوتی ہے اور ایک قابل تعریف پہلو اس کا یہ ہے کہ مولانا نے سعودی حکومت کی خوبیوں اور خامیوں پر بڑے کھلے انداز میں روشنی ڈالی ہے بالخصوص سعودی حکومت کا تاریخی مقامات، صحابہ کرامؓ کے مکانات، ان کی قبور، جنت البقیع اور ان کے باغات کے ساتھ رویہ حد درجہ قابل افسوس ہے۔ سابقہ مذکورہ چیزوں سے بیجا عقیدت کے لیے دین اسلام ضرور منع کرتا ہے، لیکن یہ ہرگز اسلامی نقطہ نظر نہیں ہے کہ انھیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ یا صفحہ قرطاس سے دھل دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے سعودی کے اس عمل پر اپنا شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ گنجہائے گراں مایہ کے یہی ایک نشانات تھے جو سعودیہ حکومت کی طرف سے ناپید کردیئے گئے تھے۔ پاکستان کے معروف انشاء پرداز اور ادیب جناب محمد ذاکر علی خاں نے بھی اپنے حج ناموں میں سعودی حکومت کی بہت سی خامیوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ نیز مولانا اصلاحی کی طرح انھوں نے بھی حجاج کی مختلف اقسام کو موضوع بحث بنایا ہے اور اپنے انشاء اور رعنائی اسلوب کی بنیاد پر اسے سحر انگیز بنا دیا ہے۔ یہ ذکر بھی یہاں مناسب ہوگا کہ ذاکر صاحب کے سفرنامہ 'میاں کی اٹریا تلے' میں خانہ کعبہ کی بڑی حسین تصویر کشی کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحی کا یہ سفرنامہ حج بے شمار سفرناموں کے مابین ضرور ایک منفرد مقام کا حامل ہوگا اسلامیات کے حوالے سے تین شخصیات مولانا مودودیؒ، مولانا وحید الدینؒ خاں اور مولانا اصلاحی اپنے دلکش اسلوب تحریر کی وجہ سے ہمیشہ زندہ وتابندہ رہیں گے۔ یقیناً مرتب جناب مقبول الرحیم مفتی صاحب مبارک باد اور شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے صفحات کی تہوں سے ایک قیمتی تحفہ نکال کر اہل علم کے سامنے پیش کردیا۔ اللہ انھیں اور تمام مرسلین علم وادب کو ثواب دارین سے سرفراز کرے۔

☆☆☆

حواشی وحوالے

۱ مشاہدات حرم، مولانا امین احسن اصلاحی، (مرتب: مقبول الرحیم مفتی)، دارالتذکیر، لاہور، ۱۴۲۰ھ، ص: ۱۱

۲ مولانا فراہی نے اپنی تفسیر سورہ کوثر میں خانہ کعبہ کے حقائق پر بڑے موثر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ پہلے حوض کوثر کی تصویر کشی کی ہے جس کا معراج میں آنحضور ﷺ کو مشاہدہ کرایا گیا تھا، اس کے بعد مولانا فراہی نے خانہ کعبہ کی منظر کشی کرتے ہوئے بتایا کہ خانہ کعبہ حوض کوثر کا مجاز ہے۔ مولانا کے الفاظ ملاحظہ ہوں: ''اب ایک لمحہ توقف کر کے کعبہ اور اس کے ماحول کے مشاہدات پر غور کرو۔ جب تمام عالم سے جاں نثاران توحید کے قافلے، عشق ومحبت کی پیاس بجھانے کے لیے اس چشمہ خیر وبرکت کے پاس اکھٹے ہوتے ہیں کیا ان کے احساس روحانی میں اس مقدس وادی کے سنگریزے یاقوت وزمرد سے زیادہ پُر جمال، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار اور اس کے اردگرد حجاج کے خیمے، مجوف موتیوں کے قبول سے زیادہ حسین وخوبصورت نہیں ہیں؟ پھر حجاج اور ان کے ساتھ قربانی کے اونٹوں کی قطار پر ایک نظر ڈالو، کیا یہ ایک چشمہ کے کنارے لمبی گردن والی چڑیوں کا جھنڈ نہیں ہے؟ پھر ان کی خوش بختی اور فیروزمندی پر غور کرو، یہ اشرف المخلوقات کے قائم مقام بن کر خدا کے سامنے قربان ہوں گے۔ گویا وہ بمنزلہ انسان ہیں۔ ان سے بڑھ کر خوش بخت اور فیروز مند کون ہوسکتا ہے؟ پھر ان کے خوش قسمت کھانے والوں کو دیکھو، یہ کون ہیں؟ اللہ کے مہمان؟ کیا اللہ کے مہمانوں سے بڑھ کر کسی کا نصیب اچھا ہے''۔ (تفسیر نظام القرآن، علامہ حمید الدین فراہی (ترجمہ: از امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص: ۴۲۲)

۳ تفسیر سورہ فیل میں مولانا نے خانہ کعبہ کے آٹھ خصائص ذکر کیے ہیں، ایک

تو یہ کہ دین اسلام کی اساس ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا پانی ایک بڑی عظمت کا حامل ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کی تعمیر منجانب اللہ ہوئی، چوتھے یہ کہ خانہ کعبہ کمال اسلام کی تصویر ہے۔ پانچویں یہ کہ جوار بیت اللہ میں آباد ہونے والی ذریت ابراہیم حد درجہ صابر تھی، چھٹی یہ کہ بنی اسرائیل نے بنی اسحاق کی بدسلوکیوں کے باوجود بھی ان کے ساتھ اچھے سلوک کیے۔ ساتویں یہ کہ بنی اسماعیل کا بنی اسرائیل کے مقابلے میں اللہ سے زیادہ لگاؤ تھا اور آٹھویں یہ کہ یہود کے مقابل میں بنی اسماعیل کا عذر بھی زیادہ واضح ہے۔ وہ اپنے دین سے اس وقت ہٹے جب امتداد زمانہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات بالکل فراموش ہوگئیں۔ (تفسیر نظام القرآن، وضاحت کے لیے دیکھیے: ص۳۷۴۔۳۷۹)

۴ مولانا کی تصنیف ''ذبیح کون ہے؟'' اس سے بھی خانہ کعبہ کی عظمت منظر عام پر آتی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا فراہی کے وہ تیرہ دلائل ملاحظہ فرمائیں جن سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہِ السلام (ذبیح کون ہے؟ مولانا حمیدالدین فراہی (ترجمہ: از مولانا امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص: ۳۴۔۷۷)

۵ مشاہدات حرم، ص: ۱۲

۶ مشاہدات حرم، ص: ۱۳

۷ ایضاً، ص: ۱۴

۸ وضاحت کے لیے دیکھیے، ص: ۹۔۱۰

۹ مشاہدات حرم، ص: ۶

۱۰ مشاہدات حرم، ص: ۱۹

۱۱ مشاہدات حرم، ص: ۱۹

۱۲ مشاہدات حرم، ص:۱۹۔۲۰

۱۳ مشاہدات حرم، ص:۲۵

۱۴ مشاہدات حرم، ص:۳۵

۱۵ مشاہدات حرم، ص:۳۵

۱۶ مشاہدات حرم، ص:۳۶۔۳۷

۱۷ مشاہدات حرم، ص:۴۰

۱۸ وضاحت کے لیے دیکھیے، تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، بار اول ۱۹۸۹ء، ۱۴۰/۸

۱۹ مشاہدات حرم، ص:۴۳

۲۰ مشاہدات حرم، ص:۴۷

۲۱

۲۲ مشاہدات حرم، ص:۵۱

۲۳ مشاہدات حرم، ص:۶۰

۲۴ خطبات احمدیہ،

۲۵ مشاہدات حرم، ص:۶۱

۲۶ میاں کے اٹریا تلے، محمد ذاکر علی خاں، علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن آف پاکستان، کراچی، طبع پنجم، نومبر ۱۹۸۵ء، ص:۱۷۔۱۸

۲۷ (ذبیح کون ہے؟ مولانا حمیدالدین فراہی (ترجمہ: از مولانا امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، (بدون تاریخ) ص:۷۹

۲۸ مشاہدات حرم، ص:۶۴۔۶۵

۲۹ مشاہدات حرم، ص:۶۷

۳۰ مشاہدات حرم، ص:۷۳

۳۱۔ مشاہدات حرم، ص:۸۱۔۸۲

۳۲۔ مشاہدات حرم، ص:۸۲۔۸۳

۳۳۔ مشاہدات حرم، ص:۸۳

۳۴۔ ڈاکٹر سعید رمضان کی شخصیت علمی اور تحریکی حیثیت سے غیر معمولی وقیع ہے۔ ۱۹۲۶ء میں مصر کے مشہور مردم خیز شہر طنطا میں پیدا ہوئے، قاہرہ کے لا کالج سے ۱۹۴۶ء میں فارغ ہوئے۔ دوران تعلیم انھیں اخوانی قائدین کے افکار وخیالات سے سابقہ پڑا۔ اخوان المسلمون سے ایسا متاثر ہوئے کہ اپنی ساری زندگی اس تحریک کے دعوتی کاموں میں صرف کردی۔ مجلّہ ''الشباب'' اور مجلّہ ''المسلمون'' کے مدیر ہوئے اپنی خطابت اور قلم دونوں سے دین اسلام کی خدمت انجام دی۔ حکومت نے انھیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا اور جب انھیں جان کا خطرہ محسوس ہوا تو ملک سے باہر چلے گئے۔ شام، لبنان اور اردن میں کچھ شب وروز بسر کیے۔ رابطہ عالم اسلامی کی تاسیس میں آپ کے مشوروں سے استفادہ کیا گیا۔ ۱۹۵۸ء میں جنیوا کو اپنی مستقل سکونت بنایا اور وہاں پر اسلامی سینٹر قائم کر کے مسلمانوں کے اندر زبردست اسلامی خدمات انجام دیں۔ جرمنی یونیورسٹی سے قانون میں پی ایچ. ڈی. بھی کی۔ ۱۹۹۵ء میں جنیوا میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے اور آپ کی میت مصر لائی گئی اور امام حسن البنا کے بغل میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ حسن البناء کے داماد بھی ہیں۔

۳۵۔ عمر بہاء الدین الامیری ایک اچھے شاعر ہیں ان کا ایک نعتیہ دیوان آچکا ہے۔ مولانا علی میاں نے الامیری کا اپنی کتاب ''مشرق اوسط کی ڈائری'' میں تین جگہ پر ذکر کیا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، ص:۳۰۸، ۳۴۸، ۳۵۱، مزید دیکھیے، تتمۃ الاعلام، الزرکلی، محمد خیر رمضان

یوسف، الطبعۃ الثانیۃ، بیروت لبنان، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء، ۲/۲۷-۷۳

۳۶؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۱۳

۳۷؎ سعید رمضان کی شخصیت کو جاننے کے لیے دیکھیے: شرق اوسط کی ڈائری، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، (ترجمہ از شمس الحق ندوی)، مکتبہ فردوس نگر، لکھنؤ، بار اول ۱۹۷۷ء ص۔ ۳۷-۳۹، ۴۵، ۷۱-۷۳، ۲۸۸، ۳۴۰، ۴۰۲، نیز مزید دیکھیے، اتمام الاعلام، للزرکلی، الدکتور نزار اباظۃ، محمد ریاض المالح، الطبعۃ الثانیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴، ص: ۱۶۸-۱۶۹

۳۸؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۱۴

۳۹؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۲۰

۴۰؎ مشاہدات حرم، ص: ۲۲۳

۴۱؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۲۴

۴۲؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۲۷

۴۳؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۲۸

۴۴؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۳۹

۴۴؎ وضاحت کے لیے دیکھیے مشاہدات حرم، ص: ۱۴۷-۱۵۴

۴۶؎ مشاہدات حرم، ص: ۱۵۷

۴۷؎ وضاحت کے لیے دیکھیے، مولانا امین احسن اصلاحی کا اسلوب نگارش، محمد الیاس اعظمی، ششماہی علوم القرآن، (خصوصی اشاعت مولانا امین احسن اصلاحی نمبر) ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، جلد: ۱۳-۱۵، جنوری ۱۹۹۸ء-دسمبر ۲۰۰۰ء، شعبان ۱۴۲۰ھ رمضان ۱۴۲۱ھ، ص: ۴۷۲-۴۸۷

۴۸؎ وضاحت کے لیے دیکھیے، تدبر قرآن امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، بار اول، ۱۹۸۹ء، ۱/۳۹۸-۳۹۹

☆☆☆

حیات رسول امی۔ایک جائزہ

سیرت پاک ایک ایسا موضوع ہے جس پر مسلمین اور مستشرقین کی جانب سے تصانیف اور مقالات کا ایک انبار وجود میں آ گیا اور یہ ایک ایسا محمود و مسعود سلسلہ ہے جس کی انتہا وانقطاع ناممکنات میں سے ہے۔احادیث کے علاوہ قدیم مآخذ ومصادر اتنے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جائے۔[۱] یہ لامتناہی سلسلہ دو چیزوں کا غماز ہے۔ ایک تو موضوع کی عظمت واہمیت اور دوسرے سیرت پاک سے عقیدت وانسیت ،اسی سلاسل زریں کی ایک قابل قدر کڑی ''حیات رسول امی'' ہے جس کے مصنف تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی جناب خالد مسعود (۱۹۳۵ء۔ ۲۰۰۳ء) ہیں۔ جنھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم.ایس سی.کی ڈگری حاصل کی اور کنگز کالج لندن سے کیمیکل انجینئرنگ میں ڈپلومہ کیا، ۱۹۵۸ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا تاکہ قرآنیات اور اسلامیات کی سنجیدگی سے مطالعہ کرسکیں ، اسے یوں بھی کہیے کہ انھوں نے خود کو مکتب فراہی سے وابستہ کرلیا جس کی اساس اور بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ تمام علوم وفنون کا مطالعہ قرآن کریم کی روشنی میں کیا جائے۔[۲] چنانچہ جناب خالد مسعود صاحب نے مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تصانیف کا نہایت گہرائی وگیرائی سے مطالعہ کیا۔ نیز فکر فراہی کی ترویج کے لیے کئی مقالات تحریر کیے اور مولانا فراہی کی کئی چیزوں کو اردو میں منتقل کیا۔ بالخصوص حکمت قرآن کو اردو میں منتقل کیا، اسی طرح دلائل النظام، اسالیب القرآن اور التکمیل فی اصول التاویل میں جو تفسیری اصول بکھرے ہوئے تھے انھیں مرحوم خالد مسعود صاحب نے ''تفسیر قرآن کے اصول'' کے عنوان سے اردو میں ترتیب دیئے ہیں۔ یہ کتاب

۲۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے علاوہ ''اسباق النحو'' کو بھی نئے انداز میں پیش کیا۔ مرحوم خالد مسعود کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے احادیث پر دیے گئے مولانا امین احسن اصلاحی کے لکچرز کو کتابی صورت میں جمع کر کے اہل علم کے لیے پیش کیا۔ مولانا اصلاحی کے مقالات کو دو جلدوں میں ترتیب دیا۔ اسی فکر کی احیاء کے لیے ۱۹۸۱ء میں سہ ماہی مجلّہ ''تدبر'' شائع کیا جس کی ادارت آخری سانس تک انجام دیتے رہے۔

اس مضمون میں ''حیات رسول امی'' کا ایک جائزہ پیش کیا جائے گا خاکسار کو اپنے محدود مطالعہ کی روشنی میں یہ کہنے کا مجاز ہے کہ عربی اور اردو میں موجودہ تمام سیرتی لٹریچر میں موضوع اور مباحث کے اعتبار سے اسے اولیت حاصل ہے۔ اس قابل قدر تصنیف میں قرآن کریم کی وساطت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مذکی و مصفی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ سیرت پاک سے متعلقہ آیات کریمہ کی جس انداز سے تفسیر و توضیح کی گئی ہے وہ ایک انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ اس عظیم کام کے منظر عام پر آنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تفسیر ''تدبر قرآن'' کی تکمیل کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی سے مختلف لوگوں کی جانب سے التماس کی گئی کہ قرآن کریم کی روشنی میں سیرتِ پاک کو ترتیب دیا جائے لیکن آپ عمر کے اس مرحلے میں تھے جہاں اس مقدس فریضے کی تکمیل آپ کے بس سے باہر تھی، لیکن آگے چل کر آپ کے شاگرد عزیز خالد مسعود نے اسے پائے تکمیل کو پہنچایا۔[۳]

یہ کتاب دراصل مندرجہ آیت کریمہ:

قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ	اللہ نے تمہاری طرف ذکر اتارا
ذِكْرًا. رَّسُولًا يَتْلُو	یعنی رسول اللہ، جو اللہ کی واضح
عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ	آیات تمہیں سناتا ہے تاکہ جو
مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ	لوگ ایمان لائے اور عمل صالح
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ	کرتے رہے ان کو تاریکیوں
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ	سے روشنی میں نکال لائے۔

(الطلاق: ۶۵/۱۰-۱۱)

کی تفسیر وتشریح ہے۔ اسی آیت کریمہ کی تفسیر حضرت عائشہ کا وہ جواب ہے جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی قدر کے متعلق بتایئے تو آپ نے اس طرح جواب دیا:

کان خلقه خلق القرآن ؎ — آپ ﷺ کا طرز زندگی، طرز قرآن کے بالکل مطابق تھا۔

مذکورہ بالا اسی خیال کے مختلف پہلوؤں کو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب پچاس ابواب پر مشتمل ہے۔ جس کو اس طرح ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

(۱) تخلیق آدم اور منصب رسالت۔ (۲) نظام نبوت ورسالت۔ (۳) مرکز توحید کی تعمیر اور دعائے ابراہیم۔ (۴) بنی اسرائیل میں ایک عظیم رسول کی آمد کی خبر (۵) بنی اسماعیل کی تولیت بیت اللہ (۶) بنی اسماعیل کو یہود پر ترجیح دینے کے اسباب (۷) نبی موعود کی آمد (۸) کار رسالت کے لیے تربیت (۹) بعثت اور دعوتِ دین کا آغاز (۱۰) قریش کی پریشانی اور مسلمانوں پر سختی (۱۱) قرآن پر قریش کے اعتراضات (۱۲) رسول اللہ کی شخصیت پر اعتراض۔ (۱۳) ہجرت حبشہ۔ (۱۴) اسلام سے قریش کی وحشت کے اسباب (۱۵) طلب مدد کے لیے قریش کا یہود سے رابطہ۔ (۱۶) اہل کتاب پر تنقید۔ (۱۷) بنو ہاشم کا مقاطعہ اور دعوت مصالحت۔ (۱۸) قریش کے عذاب الٰہی کا انداز۔ (۱۹) غموں کا سال۔ (۲۰) رسول اللہ کے لیے بشارتوں کا دور۔ (۲۱) آخری انذار اور اعلانِ برأت۔ (۲۲) بیعت عقبہ ثانیہ۔ (۲۳) ہجرت مدینہ۔ (۲۴) مدینہ میں ابتدائی مصروفیات۔ (۲۵) یہود سے خطاب اور مباحثہ۔ (۲۶) امت مسلمہ کا قیام۔ (۲۷) مدینہ کی حفاظت کی تدابیر۔ (۲۸) غزوہ بدر کے اسباب وواقعات پر ایک نظر۔ (۲۹) حق وباطل کے درمیان پہلا معرکہ۔ (۳۰) دشمنانِ اسلام کی محاذ آرائیاں۔ (۳۱) اصلاحات کا دور اور یہود کا طرزِ عمل۔ (۳۲) قریش کی نئی مہم جوئی۔ غزوہ احد۔ (۳۳) یہود بنی نضیر کی سرکوبی۔ (۳۴)

غزوہ احزاب۔(۳۵)اہل ایمان کی کردار کشی۔(۳۶)فتح مبین۔(۳۷)معاہدہ صلح کے ثمرات۔(۳۸)رسول اللہ کی بعثت عام۔(۳۹)معاہدہ حدیبیہ کی منسوخی۔(۴۰)فتح مکہ۔(۴۱)غزوہ حنین۔(۴۲)غزوہ تبوک۔(۴۳)حج ۹ھ اور عام الوفود۔(۴۴)ختم نبوت اور جمع وتدوین قرآن۔(۴۵)حجۃ الوداع۔(۴۶)بلند و برتر رفاقت کی جانب سفر۔(۴۷)امہات المومنین۔(۴۸)رسول اللہ کے فرائض اور ذمہ داریاں۔(۴۹)رسول اللہ کے حقوق۔(۵۰)اسوۂ حسنہ۔

مذکورہ بالا تمام موضوعات کی توضیح وتبیین قرآن کریم، احادیث نبویہ اور دیگر سیرتی مآخذ کی مدد کی گئی ہے۔ ان موضوعات سے واضح ہے کہ سیرت پاک کے تمام پہلوؤں کا استقصاء کیا گیا ہے اور یہ تمام مباحث اور کرنیں سورہ طلاق کی مذکورہ دو آیتوں اور حضرت عائشہ کے قول سے پھوٹتی ہیں آیت میں جو ''ذکراً رسولاً'' آیا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں دو رائے پائی جاتی ہیں۔۵ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ ''ذکر'' سے قرآن مراد ہے اور رسول اس کا بدل ہے۔۶ اور ایک طبقہ کا خیال ہے کہ ''ذکر'' سے رسول اللہ ﷺ ہی مراد ہیں۔ اس آیت کی خالد مسعود نے مناسب تفسیر کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ذکر یعنی قرآن مجید کے بدل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ گویا قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایک الفاظ کی شکل میں تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں ہے۔ قرآن پڑھیے تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات، آپ ﷺ کی بعثت کے کوائف، دعوتِ دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات، مشرکین اور یہود کے ساتھ اہم بحثوں اور حضور ﷺ کی زندگی سے متعلق دیگر موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ ایک آدمی قرآن کا مطالعہ غور سے کرے تو وہ سیرت النبی کے تمام ضروری مباحث سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔

اسی لیے یہ بات علمی حلقوں میں مانی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک یا سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد احادیث صحیحہ اور اولین کتب سیرت کا مطالعہ اس کے مآخذ کی حیثیت سے رہنمائی دیتا ہے۔ اس اعتراف کے باوجود عملاً یہ دیکھا گیا کہ جدید سیرت نگاروں نے ماضی میں لکھی گئی کتب سیرت ہی پر اعتماد کیا ہے جن لوگوں نے قرآن سے استفادہ کیا ہے وہ بالعموم محض آیات کو نقل کر دیتے ہیں۔ ان سے سیرت نگاری میں مدد نہیں لیتے۔ اس لیے نقل کردہ آیات بے ربط سی نظر آتی ہیں۔ ۷

یہ کتاب پچاس ابواب پر مشتمل ہے اور ان ابواب کو ۵۹۷ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی ایسی روایات کے سقم کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے جن کی سیرت پاک میں ایک مسلم حیثیت بن چکی ہے اس کتاب کی دو بحثیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں ایک تو وہ بحث جن کا تعلق جنگوں سے ہے اور دوسرے جمع وتدوین قرآن کی بحث تو نہایت قیمتی ہے۔ یہ ایک ایسی بحث ہے جو انسانی ذہن کو مختلف شکوک وشبہات سے ہم کنار کرتی ہے۔ ترتیب قرآن کے باب میں بڑے بڑے علماء کرام الجھنوں کا شکار ہوئے۔ علامہ شبلی کا نقطہ نظر بھی اس باب میں فکر راست کا حامل نہیں ہے۔ ۸ مشہور شیعی عالم سید علی نقی نقوی نے اپنی کتاب "تحریف قرآن کی حقیقت" میں قرآن کریم کو غیر محرف تسلیم کیا ہے لیکن ترتیب قرآن پر اس طرح سے بحث کی ہے کہ ذہنوں میں بہت سے ترددات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ۹ اس باب میں مولانا عبداللطیف رحمانی اور مولانا حمید الدین فراہی ۱۰ کے مباحث حد درجہ قابل اطمینان بخش ہیں۔ لیکن اس مسئلے کی مزید تنقیح خالد مسعود نے اس کتاب میں کر دی ہے۔

اس کتاب میں نظام نبوت ورسالت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرعون کے متعلق

تحریر کیا گیا کہ:

''فرعون بڑے جاہ وجلال والا تھا اور اپنے آپ کو خدا کا اوتار سمجھتا تھا۔ پورے ملک میں اس کے بت پوجے جاتے تھے اور عملاً اسی کو خدا سمجھا جاتا تھا''۔[11]

قرآن کریم میں یہ وضاحت سے آیا ہوا ہے کہ خود کو فرعون رب اعلیٰ تصور کرتا تھا، لیکن اس نے خود کو اوتار قرار دیا۔ قرآن اس باب میں خاموش ہے۔

فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الأَعْلَىٰ (النازعات:۷۹/۲۴) پھر کہنے لگا: میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔

اسی باب میں ایک اہم تاریخی نکتہ کی جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تاریخ انسانی میں پہلی بار احکام الٰہی لکھے ہوئے عطا ہوئے''۔[12]

اس میں مصنف نے اکثر یہ اہتمام کیا ہے کہ بہت سے تاریخی اور لغوی پہلوؤں کو واشگاف کرنے کی قابل قدر کاوش کی ہے۔ مثلاً ''بیت اللہ'' کے نام کے متعلق ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

''بیت ایل کے معنی بیت اللہ کے ہیں۔ آثار وقرائن اس بات کے حق میں ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے وادئ بطحا میں پہنچے جہاں اس وقت مکہ مکرمہ واقع ہے، اس میں بیت اللہ بھی موجود ہے اور قربان گاہ مروہ بھی، مکہ کا ابتدائی نام بکہ تھا جو بابلی زبان میں آبادی یا شہر کے معنی میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وادی میں حضرت ابراہیم کی آمد کے بعد جو گھر آباد ہوئے ہوں گے ان کے لیے انھوں نے اپنے پہلے وطن اور وہاں کی زبان کے لحاظ سے نام بکہ تجویز کیا گیا ہوگا جو امتداد زمانہ کے ساتھ مکہ میں بدل گیا۔ قرآن میں مکہ کے لیے یہی قدیم نام استعمال ہوا ہے''۔[13]

خالد مسعود صاحب کے یہ خیالات دراصل مولانا حمید الدین فراہی کی معرکۃ الآراء تصنیف ''الرای الصحیح فیمن ھو الذبیح'' سے ماخوذ ہیں۔[۱۴] مولانا فراہی چوں کہ عبرانی زبان سے واقف تھے، توریت، زبور اور انجیل کے مضامین پر گہری نظر تھی۔ اسی لیے، ''سیرۃ النبی'' کی ترتیب کے وقت ''بکہ'' اور قربان گاہ ''مروہ'' کے باب میں علامہ شبلی نے مولانا فراہی سے بارہا استفسار کیا۔[۱۵]

اس کتاب میں بہت سے ایسے مسائل کا حل بھی پیش کیے گئے ہیں جو طالبین قرآن کے لیے نہایت مفید ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں بنی اسرائیل سے لیے گئے عہد کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۲/۶۳)	اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا (اور تمھیں حکم دیا کہ جو چیز (کتاب) ہم نے تمھیں دی ہے اسے پوری قوت سے پکڑو اور جو کچھ اس میں موجود ہے اسے یاد رکھو (اس طرح) شاید تم بچ سکو۔

اس کتاب میں اس عہد کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا کہ یہ عہد کس مقام پر لیا گیا، رقم طراز ہیں:

''یاد رہے کہ جورب کوہ سینا کے دامن میں واقع اس کا نام ہے جہاں بنی اسرائیل عہد کے وقت جمع ہوئے تھے اور پہاڑ پر زلزلہ طاری کر دیا گیا تھا، اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے یہ التجا کی تھی کہ ان تک احکام پہنچانے کی یہ ہیئت ناک شکل آئندہ اختیار نہ کی جائے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام پر اعتماد کریں گے اور جو

احکام دیں گے ان کو قبول کریں گے"۔۱۶

عربوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ بیٹیوں کو شئی نفرت تصور کرتے، اور اس کی پیدائش کو باعثِ اذیت اور باعث ذلت تصور کرتے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (النحل:۱۶/ ۵۸)	اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو مارے غصے کے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے۔

عربوں کے متعلق یہ بھی عام ہو چکا ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اسی کو قرآن کریم نے یوں ذکر کیا ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ . بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (التکویر:۸۱/ ۸۔۹)	اور جب زندہ درگور لڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی۔

لیکن لڑکیوں کو باعثِ ننگ سمجھے اور انھیں زندہ درگور کرنے کا عمل تمام عربوں میں عام نہ تھا، بلکہ چند قبائل میں یہ مذموم فعل موجود تھا جس کو طرف اس کتاب میں اشارہ کر دیا گیا۔ اس موضوع پر عقاد نے سیر حاصل بحث کی ہے۔۱۸

بالعموم یہی مشہور ہے کہ حضرت ابو طالب نے آپ کی کفالت کی اور مختلف موانع و عوارض میں رسول اللہ کی مساعدت کے لیے آپ تیار رہے۔ جب کہ آپ سے قبل کتب سیرت میں یہ صراحت ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے زبیر کو وصیت کی جنھیں اللہ کے رسول کی ذات سے بہت انس تھا۔ ۲۲۔۲۳ سال کی عمر تک آپ نے آنحضور ﷺ کی کفالت کی حرب فجار میں آپ نے قائدانہ رول ادا کیا۔ معاہدہ حلف الفضول میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔۱۹ ایک طویل عرصہ تک زبیر نے آپ کو ہر طرح کی سہولیات فراہم کیں لیکن انھیں عام سیرت کی کتابوں میں جو مقام ملنا چاہیے تھا وہ نہ مل سکا۔ بالخصوص مکاتب و مدارس میں سیرت پاک سے متعلق جو کتاب

نصاب میں موجود ہیں ان میں زبیر کا نام نہیں ملتا ہے۔

آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل ''حنفاء'' کا ایک گروپ تھا جسے شرک اور دیگر فواحش و منکرات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ خود آنحضور ﷺ فطرت سلیمہ پر تھے اور آپ کو حقائق کی تلاش بھی ہر وقت صراط مستقیم کی تلاش و جستجو میں مضطرب رہتے۔ اسی کو قرآن کریم نے یوں ادا کیا ہے:

مَا كُنتَ تَدرِى مَا الكِتٰبُ وَلا الايمان (الشوریٰ:۴۲/۵۲)	تم نہ کتاب کی حقیقت سے واقف تھے اور نہ ایمان کے بارے میں جانتے تھے۔

اسی مفہوم کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں ادا کیا ہے:

وَوَجَدَكَ ضَالاًّ فَهَدىٰ (الضحیٰ:۹۳/۷)	اس نے تم کو جویائے راہ پایا تو راستہ دکھایا۔

اس کتاب میں خالد مسعود نے تحریف توریت کا بھی مسئلہ اٹھایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''یہود کے علماء اپنی حسب منشا اس میں تحریف کرتے اور خلق خدا کو صراط مستقیم سے محروم رکھتے۔ علماء یہود کی اس حرکت پر اپنے دور نبوت میں سیدنا مسیح علیہ السلام کو یہ کہنا پڑا کہ چراغ اس لیے دیا جاتا ہے کہ اس کو چراغ دان میں رکھا جائے تاکہ اس کی روشنی چاروں طرف پھیلے۔ نہ اس لیے کہ اس کو پیانے سے ڈھانپ دیا جائے۔ یہود اس حرکت کے باعث توریت کے بعض حصے تلف ہوئے، ایک وقت آیا جب تورات گم ہوگئی اس کو یادداشت کی مدد سے دوبارہ مرتب کیا گیا، چنانچہ نزول قرآن کے وقت تورات کے نام سے جو کچھ یہود کے پاس تھا وہ متضاد متناقض روایات کا مجموعہ تھا۔ آج بھی تورات کو پڑھیے تو صاف

معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راوی اپنے الفاظ میں کتاب کی املا کرا رہا ہے، کہیں کہیں بعض اقتباسات ایسے ملتے ہیں جن میں آسمانی کلام کا جمال وجلال نظر آتا ہے۔توریت کی اس ہیئت کزائی کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رہنمائی کا کوئی متبادل انتظام نہ کرتا تو اس میں مخلوق خدا کی حق تلفی ہوتی''۔[۲۰]

سر سید احمد خاں نے ''تبیین الکلام'' میں تحریف قرآن پر تفصیل سے بحث کی ہے۔اس بحث سے سر سید کی عالمانہ نظر اور مبلغ علم کو سمجھا جاسکتا ہے۔سر سید توریت میں صرف معنوی تحریف کے قائل ہیں، لفظی تحریف کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن سر سید نے یہ اعتراف کیا ہے کہ دنیا میں صرف قرآن کریم ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو تمام تحریفات سے پاک ہے۔سر سید کی تحقیق وتشریح سے مجموعی تاثر یہی ابھرتا ہے کہ توریت میں تبدیلی ہوئی ہے۔[۲۱]

یہ پہلو بار بار اجاگر کیا جاچکا ہے کہ سیرت کے موضوع پر یہ ایک عدیم المثال کتاب ہے۔اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں ان مکاتیب کو نقل کیا گیا ہے جو مختلف سلاطین کو اللہ کے رسول ﷺ کی جانب سے ارسال کیے گئے۔ان خطوط سے منصب رسالت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ایک خاص بات یہ ہے کہ مصنف نے یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ یہ خط بروقت کہاں دستیاب ہے؟ دوسرے سلاطین کے تاثرات کو بھی نقل کیا گیا ہے۔مثلاً شاہ حبشہ نے آپ ﷺ کے مکتوب کو پانے کے بعد درج ذیل تاثرات کا اظہار کیا:

''اس نامۂ مبارک کو عمرو بن امیہ الضمری لے کر گئے۔نجاشی نے مضمون سنا تو بے حد متاثر ہوا۔اس نے نامۂ مبارک کو بوسہ دیا اور سر پر رکھ لیا۔اس کے بعد جواب میں لکھا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔میں نے آپ کے چچازاد بھائی (جعفر بن ابی طالب) کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اسلام میں داخل ہوگیا ہوں، میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں، اگر حکم

ہوگا تو خود بھی حاضر ہو جاؤں گا''۔ ۲۲ؔ

اس کے علاوہ شاہ روم، حاکم مصر، بابائے روم، شاہ فارس، گورنر یمامہ اور شاہ شام کے نام اللہ کے رسول ﷺ نے دعوت دین کے لیے خطوط لکھے۔

یہ بات بھی آچکی ہے کہ بہت سی ایسی احادیث جو کتب حدیث میں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ مثلاً حضرت ابوسفیان کے قبول اسلام کے باب میں جو حدیث نقل کی جارہی ہے اس سے حضرت ابوسفیان کا وقار مجروح ہوتا ہے اور اکثر سنی اور تمام شیعی مصنفین نے حضرت ابوسفیان کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اس حدیث پر خالد مسعود صاحب نے گفتگو کی ہے۔ جب حضرت ابوسفیان کے سامنے اسلام پیش کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

> ''ابوسفیان نے کہا کہ میرے ماں باپ پر قربان، آپ ﷺ کتنے حلیم وکریم اور درگزر کرنے والے ہیں بخدا میں ابھی تک اس معاملے میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوں۔ اس جواب پر حضرت عباس نے ابوسفیان سے کہا: تمھارا ناس ہو، اس سے پہلے کہ تمھیں قتل کردیا جائے گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ ۲۳ؔ

حضرت عباس کے مذکورہ کلمات پر صاحب کتاب نے یوں تبصرہ کیا ہے:

> ''اس روایت میں ابوسفیان کو قتل کی دھمکی دے کر اسلام قبول کروانا دین سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا کلام آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں نہیں ہوسکتا، مشرکین اسلام کے لیے جو ضابطہ تھا وہ سورہ برأت کی ابتدائی آیت میں بیان ہو چکا ہے اس میں یہ ہے کہ مشرکین کو چار ماہ کا نوٹس دیا جائے اس کے باوجود اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ قتل کیے جاسکتے ہیں''۔ ۲۴ؔ

قبولیت اسلام کے سلسلے میں مصنف نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے:

> ''اس کے برعکس حافظ ذہبی نے دوسری روایت نقل کی ہے، اس

کی رو سے نبی ﷺ کے استفسار کے جواب میں ابوسفیان کا جواب یہ تھا کہ میں نے اس جدوجہد میں اپنے معبدوں سے مدد طلب کی اور آپ نے اپنے خداوند سے، بخدا ایک بار بھی تو ایسا نہیں ہوا کہ ہمارا مقابلہ ہوا ہو اور آپ غالب نہ رہے ہوں ۔اگر میرے معبود برحق اور آپ کا خدا باطل ہوتا تو کبھی بھی میں آپ پر غلبہ پاتا۔ لہذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ روایت موقع ومحل کے مطابق صحیح معلوم ہوتی ہے"۔ ۲۵

پہلی روایت میں حضرت عباسؓ سے جو کلمات نقل ہوئے ہیں وہ روح اسلام کے برعکس اور نقیض دعوت اسلام ہیں۔ دوسری روایت حقیقت اسلام سے لبریز ہے اور حضرت ابوسفیان کے کلمات صداقت سے مملو ہیں۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے متعلق یہ روایت مشہور ہو چکی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کو قتل کے ارادے سے نکلے تو دوران راہ انھیں بتایا گیا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو کہ تمہاری بہن اور بہنوئی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں...... اس پر دونوں کی اس قدر پٹائی کہ لہولہان ہو گئے، جب حالات کچھ سرد پڑے تو بہن نے سورہ طٰہٰ کے صفحات ان کے سامنے رکھ دیئے پڑھتے ہی ان کے دل کی کیفیت بدل گئی...... اس کے بعد تلوار لٹکائے ہوئے آنحضور ﷺ کے پاس گئے اور اسلام قبول کرلیا۔ ۲۶

مذکور روایت پر مصنف نے کئی سوالات اٹھائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ عرب کی قبائلی زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی شخص کا کسی شخص کو قتل کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ کا ایک کمزور قبیلہ سے تعلق تھا اس لیے اس نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے ایک طاقت ور قبیلہ کے کسی شخص کے قتل کا ارادہ حضرت عمرؓ نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ حضرت عمرؓ ایک زیرک اور جہاں دیدہ انسان تھے۔ تیسرے حضرت عمرؓ کے

بہن اور بہنوئی کو اسلام قبول کیے ہوئے پانچ سال گزر چکے تھے اس لیے اس وقت تک آپ دونوں کا اسلام پوشیدہ رہا ہو یہ ممکن نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ سورہ حدید کی آیات تلاوت کر رہی تھیں۔ یہ سورہ مدنی ہے۔ ۶ھ میں اس کا نزول نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اور وجوہات بھی پیش کی گئی ہیں جن سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے۔ دوسری روایت جس کو مصنف نے قابل اعتبار قرار دیا ہے۔ وہ درج ذیل ہے۔[۲۷]

> ''عامر بن ربیعہ حضرت عمر کے خاندان کے حلیف تھے ان کا کنبہ حبشہ جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ عمر آ گئے اور کھڑے ہو کر تیاری کا سماں دیکھنے لگے۔ اب تک ان کا رویہ سخت رہا تھا اور انھوں نے اس کنبہ کو بہت تکلیفیں دی تھیں عمر پوچھنے لگے: اے ام عبداللہ! روانہ ہو رہی ہو؟ انھوں نے کہا ہاں؟ تم لوگوں نے سخت اذیتیں دی تھیں اور ہم پر ظلم ڈھایا اب ہم اللہ کی زمین میں نکل جائیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ کوئی راہ کھولے۔ عمر نے کہا: اچھا اللہ تمہارا ساتھی ہو یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی دل میں رقت طاری ہو گئی اور وہ اسی کیفیت میں وہاں سے چلے گئے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اس قبیلہ کی روانگی سے دلی صدمہ پہنچا ہے۔ ام عبداللہ نے اپنے شوہر کو بتایا کہ اگر آج تم عمر کو دیکھتے تو ان پر رقت اور غم کے اثرات دیکھتے۔ مجھے تو ان کے اسلام لانے کی امید پیدا ہو گئی ہے''۔[۲۸]

یہ سب منظر دیکھنے کے بعد حضرت عمرؓ رات میں کسی وقت مسجد حرام پہنچے۔ جہاں اللہ کی رسول نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ نماز کے ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔[۲۹]

مذکورہ روایت کو صاحب کتاب نے معتبر قرار دیا ہے کیوں کہ اس میں

فطرت انسانی کا حقیقی عکس موجود ہے۔ انسانی زندگی میں ایسے موڑ اکثر آتے ہیں جب انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔[۳۰]

اس کتاب میں کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں پر تصوف کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ مثلاً ''تحنث'' پر گفتگو کرتے ہوئے تصوف کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ تحنث دراصل دین ابراہیمی کا ایک طریقہ تھا کہ جب کوئی انسان ذہنی وفکری مسائل میں گھرتا تو کچھ دنوں کا کھانا پانی لے کر آبادی سے دور چلا جاتا۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ رسالت سے قبل مختلف الجھنوں کا شکار ہوئے تو سکون قلب کے لیے خورد ونوش کا سامان لے کر پہاڑ پر چلے گئے۔ غار حرا میں بسیرا کرتے اور جب سامان ختم ہو جاتا تو واپس آجاتے اور پھر سامان لے کر واپس چلے جاتے۔ یہ عادت صرف اللہ کے رسول کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی، بلکہ دینِ ابراہیمی کی روایات سے وابستہ دیگر حضرات بھی اس جادہ پر گامزن تھے لیکن اس روایت کو تصوف سے جوڑنا بے معنی ہے۔ صاحب کتاب رقم طراز ہیں:

> ''تحنث کے بارے میں یہ تصور درست نہیں ہے کہ یہ ریاضت، مجاہدہ اور مراقبہ قسم کی کوئی چیز ہے جو کاہنوں، جادوگروں اور نجومیوں کی تربیت کا حصہ ہوتی ہے اور جس کی تعلیم انھیں ان کے استاذ اور گرو دیتے ہیں۔ یہ لوگ ایک منتخب پیشہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ایک عمر کھپا دیتے ہیں ان کے شوق وتمنا سے ایک عالم آگاہ ہوتا ہے۔ ان سے ملنے جلنے والے انھیں تربیت حاصل کرتے، مجاہدے کرتے اور ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ نبوت ورسالت پانے والوں کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اس میں ان کے اکتساب کی کوشش نہیں ہوتی کیوں کہ نبوت کا منصب اکتسابی ہے ہی نہیں یہ فضل یزدانی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے یہ تاج پہنا دے''۔[۳۱]

تصوف کے موضوعات میں ''علم باطن'' کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اورصوفیہ کرام کے نزدیک یہ وہ علم ہے جوانسان کو شریعت اور رسالت سے بے نیاز کر دیتا ہے۔علم باطن کے مقابلے میں علم رسالت خفیف ہے۔[۳۲] اس کے باب میں خالدمسعودوضاحت سے درج الفاظ میں اظہارخیال کیا ہے:

''ارباب تصوف کا طبقہ رسول اللہﷺ کے لائے ہوئے ظاہری علم اور شریعت کے پھل کو ایک چھلکے کی طرح غیر اہم چیز قرار دیا ہے، اس کے بالمقابل ان کے نزدیک اصل علم باطنی علم ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہوتا اور پھل کے مغز کی طرح اہم ہوتا ہے۔ یہ علم طریقت کہلاتا ہے جو کسی مرشد کا دامن تھامے بغیر حاصل نہیں ہوتا، مرشدان طریقوں کے رازوں کا امین ہوتا ہے۔صوفیہ کے نزدیک رسول اللہﷺ کی کاوشیں جو قرآن کا علم پھیلانے کے لیے تھیں، وہ لوگوں کے لیے تھیں ورنہ علم حقیقی تو آپ نے چند مخصوص لوگوں کو ہی دیا تھا جو نہایت راز داری سے اس کو اپنے متوسلین کو منتقل کرتے رہے، گویا جن ذمہ داروں کو ادا کرنے میں رسول اللہﷺ نے اپنی زندگیاں کھپادی وہ صرف ایک بے مغز اور ضمنی سا کام تھا''۔[۳۳]

اسی طرح صوفیہ کرام کے ایک انتہا پسند طبقے کا خیال ہے کہ آنحضورﷺ کے اندر الوہی صفات موجود تھیں۔اس کا ذکر مصنف نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''ان کا تصور یہ ہے کہ حضورﷺ کے اندر الوہی صفات تھیں وہ بشریت سے اتنے بلند مقام پر فائز تھے۔رب کائنات ہی کے ہم پلہ تھے اور تمام امور میں ان ہی کی رضا کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، وہ اب بھی موجود ہیں اور دنیا میں تصرف کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طبقہ کو نبی اور رسول کی حیثیت کا کوئی شعور ہے اور نہ

ان کے حقیقی فرائض سے کوئی لگاؤ، یہ طبقہ خوش فہمیوں میں مبتلا ہے''۔۳۴

اس کتاب میں سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں پر محققانہ انداز اختیار کیا گیا ہے، ایسے بے شمار مقامات ہیں جہاں علم و تحقیق کی ایک ایسی دنیا بسائی گئی ہے جسے دیکھ کر رشک آئے۔ لیکن ان تمام مباحث میں ترتیب و تدوین قرآن کی بحث اتنی جامع اور اتنی مستحکم ہے کہ پوری اردو اور عربی دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مصنف نے بخاری کی ایک حدیث کے توسط سے یہ واضح کیا کہ:

''نبی ﷺ جو کتابت کرواتے وہ اپنے خاص مصحف میں ترتیب سے رکھواتے، ابتداءً یہ مصحف مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس رکھا رہتا، اس ستون کا نام ہی ''اسطوانۂ مصحف'' پڑ گیا۔ صحابہ کرامؓ یہیں بیٹھ کر اپنی ضرورت کا قرآن لکھ لیا کرتے تھے اس طرح اصل مصحف محفوظ رہتا۔ زید بن ثابت کا قول روایات میں نقل ہوا ہے''۔۳۵

کنا عند رسول اللہ نولف القرآن من الرقاع (الاتقان فی علوم القرآن)	ہم رسول اللہ کے پاس اوراق کی مدد سے قرآن مرتب کرتے تھے۔

مذکورہ سطور میں آنحضور ﷺ کے ترتیب دیئے گئے مصحف سے متعلق روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن جب منافقین و معاندین کی ریشہ دوانیاں دن بدن بڑھتی گئیں تو آپ ﷺ نے وہاں سے اٹھوا کر ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس رکھوا دیا۔ گویا من جانب اللہ آپ سے یہ عظیم خدمت لی گئی، اسے ترتیب توقیفی کہا جاتا ہے، اس کی طرف عبداللطیف رحمانی نے اپنی کتاب ''تاریخ قرآن'' میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔۳۶ لیکن اس اہم ترین بحث کو جس سلیقے سے اس کتاب میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا گیا ہے اس کی مثال اردو اور عربی ماخذ میں ملنی دشوار ہے۔ اسی بحث کو مولانا فراہی نے اپنی تفسیر میں نہایت سلیقے سے بالاختصار پیش کیا ہے۔ مولانا فراہی کی اسی بحث

سے خالد مسعود نے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اسے مزید آگے بڑھا کر منقح کر دیا ہے۔ مولانا فراہی نے اپنی بحث کو درج ذیل دو آیتوں پر منحصر کیا ہے:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ .	بلاشبہ ہماری ذمہ داری قرآن کو
فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ	جمع کرنا اور اسے پڑھانا ہے اور
(القیامۃ: ۷۵/۱۷۔۱۸)	اس کے بعد تم اسے سنایا کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ تحریر کیا گیا کہ قرآن کریم جب خاص ترتیب سے جمع ہو گیا تو آپ کو اسی ترتیب سے سنایا جائے گا اگر یہ وعدہ وفات کے بعد پورا ہونے والا ہوتا تو آپ ﷺ کو اس قرات کی پیروی کا حکم نہ دیا جاتا۔[۳۷]

واذا قراناه فاتبع قرآنه	پس جب ہم اس کو سنا دیں تو اس کی پیروی کرو

تفسیر سورہ قیامہ میں مولانا فراہی مزید رقم طراز ہیں:

''یہ باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں اور ان کی روایات سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ تمام باتیں ٹھیک پوری ہوئیں، چنانچہ محمد ﷺ قرآن مجید کی پوری پوری سورتیں سناتے تھے اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ آپ کو وہ اس خاص ترتیب سے سنائی گئی ہوں۔ اور صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی اس پیش کردہ ترتیب کے مطابق قرآن مجید کو سنتے اور محفوظ کرتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ آپ ﷺ خاص خاص آیتوں کو خاص خاص سورتوں میں خاص خاص مقامات میں لکھواتے تھے اور صحابہ کرامؓ اس کی پابندی فرماتے تھے''۔[۳۸]

مذکورہ خیال کی روشنی میں یہ نہایت اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب وتدوین توقیفی یعنی من جانب اللہ ہے۔ اس کا حقیقی جامع اللہ تعالیٰ ہے اور اس مرتب ومدون مصحف کا محافظ بھی تا قیامت بشری قوتیں اس کی حفاظت

وحصانت کے حصار کو توڑ نہیں سکتی ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر: ۹/۱۵)	بے شک یاددہانی کو ہم نے نہایت اہتمام سے اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

''الفرقان الحق''۳۹ کے مرتب ہوں یا کوئی اور کبھی بھی قرآن کریم میں ذرہ برابر تحریف وتبدیل نہیں کر سکتے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بتایا ہے:

''انہ لکتاب، عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (حم السجدۃ: ۴۲/۴۱)	بلا شبہ یہ ایک محفوظ صحیفہ ہے جسکے اندر باطل نہ سامنے سے گھس سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔

یہ بات آچکی ہے کہ اللہ کے اشاروں سے اللہ کے رسول ﷺ نے اسے جمع کیا۔ اب اس کے بعد بخاری کی حدیث کے حوالہ سے حضرت ابوبکر کو جامع القرآن کہنا نہایت خطرناک ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی کارکردگی پر اس کا منفی اثر پڑتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس روایت کا جائزہ لیا جائے۔ اور یہ دیکھا جائے کہ روایت میں جو یہ آتا ہے کہ زید بن ثابت نے بڑی بڑی مشکلات سے آیات اکٹھا کیں اور سورہ برات کی آخری آیتیں خزیمہ اور ابوخزیمہ سے ملیں۴۰

اس پر خالد مسعود نے کئی سوالات اٹھائے ہیں لکھتے ہیں:

''یہ روایت اگر درست مان لی جائے تو کئی حقائق سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اولاً: اللہ تعالیٰ کا وعدہ جمع قرآن معاذ اللہ غیر ایفاء شدہ ثابت ہوتا ہے کیوں کہ اگر قرآن جمع ہو چکا ہے تھا پھر زید بن ثابت کو کون سی شکل درپیش تھی کہ انھوں نے اس مجموعہ قرآن کو نقل نہیں کیا بلکہ آیتوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ثانیاً یہ ماننا پڑے گا کہ مہاجرین وانصار اتنا عرصہ رسول اللہ کے ساتھ

وابستہ رہے لیکن مکمل قرآن حفظ کرنے کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ جب آیات کی تلاش ہوئی تو کوئی حافظ قرآن سامنے نہ آیا جو کہہ سکتا کہ میں نے حضور سے سن کر یوں حفظ کیا۔ جب قدیم صحابہ میں کوئی حافظ قرآن نہیں تھا تو جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے حفاظ کہاں سے آگئے تھے۔ روایت کے الفاظ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ کامل قرآن یمامہ کے شہداء کے پاس بھی نہیں تھا بلکہ دوسرے لوگ بھی کچھ حصے ہی یاد کرتے تھے۔ اسی لیے تو حضرت عمر کو قرآن کے بعض حصوں کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس ہوا۔ اگر صدر اول کے مسلمان مکمل قرآن حفظ کرتے تھے تو پھر حضرت عمر کی بات کا کیا مطلب ہے" رابعاً: اس روایت کو تسلیم کر کے آدمی اس حقیقت کو ماننے سے بچ نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے جو امانت کی گئی اور جسے سارے عالم میں پھیلانے کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی۔ معاذ اللہ آپ ﷺ اس کا حق ادا نہ کر سکے۔ نہ قرآن کو اس کی اصل ترتیب پر جمع کیا اور نہ لوگوں کو اس ترتیب پر حفظ کرایا۔ خامساً: یہ نتیجہ بھی سامنے آتا ہے اور یہی درحقیقت دشمنانِ دین اس روایت سے منوانا چاہتے ہیں کہ موجودہ قرآن کی حیثیت مشکوک ہے۔ معلوم نہیں یہ اصل کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ کیا معلوم اس میں بعض آیات شامل نہ ہو سکی ہوں جو بعض لوگوں کے پاس رہ گئیں اور وقت پر دستیاب نہ ہو سکیں۔ پھر اس کا الزام بآسانی خلفائے راشدین کو دیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ایک ناتمام نسخہ مرتب کروا کر امت میں رائج کر دیا"۔ اھ[۱]

اس طویل گفتگو کے بعد اس روایت کے متعلق خالد مسعود نے بتایا کہ یہ

صرف زید بن ثابت سے مروی ہے اس کی خبر ایک ہی شخص عبید بن السباق کو دیتے ہیں جو آگے ایک ہی شخص ابن شہاب زہری کے علم میں یہ بات لاتے ہیں اس کے بعد زہری کے چار شاگرد یونس، شعیب، ابراہیم اور عبدالرحمٰن بن خالد کو یہ روایت سناتے ہیں جو چاروں ثقہ شیعہ راوی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی مصنف نے اس روایت کی مزید خامیاں بیان کی ہیں۔ مصنف کے نزدیک یہ شیعہ کی خودساختہ روایت ہے۔عملاً ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔۴۲

اس کے علاوہ حضرت عثمان کو بھی جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے درخواست کیا کہ قرآن کریم قریش کی زبان پر لکھا جائے کیوں کہ اسی زبان میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ چنانچہ اسی زبان میں کئی مصحف نقل کروا کے مختلف شہروں میں سرکاری اہتمام کے ساتھ روانہ کردیا تاکہ علاقائی زبانوں میں قرآت کا مسئلہ معدوم ہو جائے۔۴۳ اس پر خالد مسعود نے سوال اٹھائے ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ''یہ روایت بھی لاکھوں صحابہ میں سے صرف حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں اور ان سے واحد شخص ابن شہاب زہری اسے قبول کر کے آگے پھیلاتے ہیں کوئی دوسرا صحابی یا تابعی اس عظیم الشان کارروائی کو بیان نہیں کرتا۔ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں پہلے کسی کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ ایک آیت ''انما یسرناہ بلسانك'' (ہم نے اس قرآن کو تمھاری زبان میں نازل کر کے نہایت موزوں بنا دیا) بھی نازل ہو چکی ہے۔ جس کے مطابق قریش کی زبان ہی قرآن کے معاملہ میں واحد قابل قبول زبان ہے۔ اور اسی پر لوگ قرآن کو سیکھنے اور سکھاتے رہے۔ یہ زبان عربوں کے نزیک بھی نہایت پسندیدہ اور معیاری زبان

تھی۔ جس میں قرآن پڑھنے پر ان کو کوئی تکلف نہیں تھا، پھر حضرت عثمان کے جامع القرآن ہونے کی صورت میں آیت ''انا علینا جمعہ'' (بلاشبہ اس کو جمع کرنے کی وجہ ہم پر ہے) کے وعدہ کی کیا حیثیت رہی جس کے مطابق جامع القرآن خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان غنی نے بطور امیر المومنین قرآن مجید کی نقول تیار کروا کے مختلف شہروں میں ارسال کیں تو اس واقعہ کو ابن شہاب زہری نے ایک افسانے کا رنگ دیا تا کہ حضرت ابوبکر کے جمع قرآن کے موہوم واقعہ کو تقویت پہنچائی جائے اور اس طرح قرآن کی محفوظیت کو مشکوک قرار دیا جائے''۔[۴۴]

مذکورہ سطور کو غور سے پڑھا جائے تو یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جامع القرآن درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اس کی ترتیب وتدوین میں نہ تو اللہ کے رسول کا کوئی دخل ہے اور نہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر اور خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی کا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان غنی کو جن روایات کی بناء پر جامع قرآن کہا جاتا ہے ان کا تجزیہ کر کے ابن شہاب زہری کا مقصد ذہنیت طشت از بام کر دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ اس کے پیچھے شیعی ذہنیت کارفرما ہے۔ یہ وضاحت اور تحلیل وتجزیہ دنیائے قرآنیات میں انفرادیت کا حامل ہے۔

اس مضمون میں اس گراں قدر تصنیف کے تمام محاسن کا استقصاء واحاطہ ممکن نہیں۔ لیکن مذکورہ مباحث سے یہ صداقت مبرہن ہوجاتی ہے کہ سیرتی لٹریچر میں اسے وہ امتیاز وافتخار حاصل ہے جس کی ثانی کوئی اور تصنیف نظر نہیں آتی۔ یہ کتاب جیسا کہ معلوم ہے کہ قرآن کریم کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہے اس لیے حیات مقدسہ کی تمثیل وتقدیم کے ساتھ ساتھ بہت سی قرآنی آیات کریمہ کی تفسیر وتشریح بھی ہے۔

قرآن کے بعد اس کا دوسرا ماخذ حدیث ہے۔ حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے بہت سی احادیث کے ضعف اور رواۃ حدیث کی عدم ثقاہت پر قابل قدر گفتگو کی گئی ہے ۔بعض ضعیف احادیث جو سیرت مقدسہ کی ترجمانی میں جڑ پکڑ چکی ہیں مصنف نے ان احادیث کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کی حقیقت کو واشگاف کیا ہے۔اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآنیات کے ساتھ صاحب کتاب کی حدیث پر بھی گہری نظر ہے۔جس کی شہادت ان کی وہ ریاضت دیتی ہے جو انھوں نے مولانا امین احسن اصلاحی کے حدیث سے متعلقہ محاضرات کی ترتیب میں صرف کی ہے۔[۴۵] اسی طرح آپ کا وہ مقالہ بھی دستاویزی حیثیت کا حامل ہے جو ''مولانا امین احسن اصلاحی کی ''خدمت حدیث'' کے عنوان سے تحریر کیا گیا ہے۔[۴۶] اس کے علاوہ بعض اور چیزیں بھی یہ پتہ دیتی ہیں کہ خالد مسعود کو معرفت حدیث میں مہارت حاصل تھی۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے کتب سیرت کی اولین تصانیف کو مآخذ کے طور پر استعمال کیا ہے مثلاً الطبقات الکبری، الاستیعاب، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، سیرۃ النبی لابن کثیر، تاریخ الیعقوبی ، السیرۃ النبویۃ ہ لابن سعد، تاریخ طبری اور کتاب المغازی للواقدی وغیرہ۔اسی طرح اردو مآخذ میں علامہ شبلی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سلیمان منصور پوری، اور اسحاق النبی علوی کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے، خصوصی طور سے مصنف نے علامہ فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی متعدد تصانیف سے استفادہ کیا۔ دراصل یہ کتاب دبستان شبلی اور مکتب فراہی کی ترجمان ہے۔ بہت سے مباحث میں علامہ فراہی کے فکر کو بنیاد بنایا گیا ہے مثلاً ذبیح اور تدوین قرآن کے باب میں فکر فراہی کو اساسی حیثیت دی گئی ہے۔اس کتاب کے مآخذ معدودے ہیں کیوں کہ مصنف نے توریت قرآن کریم اور احادیث کو سامنے رکھ کر ایک مستند خاکہ پیش کیا ہے جو سیرت پاک کے موضوع پر منفرد ہے۔انگریزی مآخذ میں صرف ولیم میور کا نام ملتا ہے۔ویسے استشراقی ذہنیت کا پردہ چاک کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔اس میں تصوف کی حقیقت واضح کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس کا

دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تصوف کی جو تصویر کشی ''تزکیہ نفس'' میں کی گئی ہے اسی تصویر کو یہاں Enlarge کیا گیا ہے۔

یہ کتاب سیرتی مباحث، تحقیق و تنقید، زبان و بیان میں اپنی مثال آپ ہے۔

اس کتاب کی بنیادی شناخت originilty ہے اس کی فکری اساس میں خود مصنف کا خون جگر شامل ہے اس کی بنیاد ماضی کی آواز بازگشت پر نہیں ہے بلکہ غور و خوض اور تفکر و تدبر پر ہے۔ یہ تعصب اور تحزب کے مسموم عناصر سے پاک ہے۔ ضرورت ہے کہ دنیا کی دیگر زبانوں میں اس منفرد کتاب کو منتقل کیا جائے۔ صاحب کتاب کی خوش بختی دیکھیے کہ علامہ شبلی کی طرح آپ کا بھی ''یوں خاتمہ بالخیر ہوتا ہے''۔

☆☆☆

حواشی

۱۔ اس سلسلے میں لاہور کے رسول نمبر کو دیکھا جا سکتا ہے جو تیرہ جلدوں پر مشتمل ہے اس کی پہلی جلد ۸۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیکھیے: نقوش (رسول نمبر) مدیر: محمد طفیل، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء، ادارہ فروغ اردو، لاہور، پاکستان

۲۔ حیاتِ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص: ۶۹۰

۳۔ حیاتِ رسول امی، خالد مسعود (تلمیذ امین احسن اصلاحی)، طبع اول، رحمان مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ص: ۹

۴۔ اسی مفہوم کو "مسلم" میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ "فان خلق نبی اللہ ﷺ کان القرآن"

۵۔ تفہیم القرآن، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی، پبلشرز، دہلی، اپریل ۲۰۰۳ء، ۵/۵۸۰

۶۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، دہلی، بار اول، ۱۹۸۹ء، ۸/۴۴۶

۷۔ حیات رسول امی، ص: ۱۱

۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ترتیب قرآنی از علامہ شبلی نعمانی، ابوسفیان اصلاحی، شبلی کالج، میگزین، ۲۰۸۔۲۰۷، (مدیر فخر الاسلام اعظمی) اعظم گڑھ، ص: ۱۱۴۔۱۲۲

۹۔ "تحریف قرآن کی حقیقت" میں مولانا سید علی نقی النقوی نے تدوین قرآن اور حدیث کے باب میں کچھ اسطرح کی بات کی ہے۔ اس کا تیسرا ایڈیشن سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

۱۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، تفسیر نظام القرآن، علامہ حمیدالدین فراہی، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء، ص: ۲۱۲۔۲۱۳

۱۱۔ حیات رسول امی، ص:۲۸

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۹

۱۳۔ ایضاً، ص:۳۳

۱۴۔ الرای الصحیح فیمن ہو الذبیح، الامام عبدالحمید الفراہی، دارالقلم، دمشق، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، ص:۹۹

۱۵۔ مکاتیب شبلی (مرتبہ: مولانا سید سلیمان ندوی)، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء، ص:۴۰۔۴۱ (خط نمبر:۶۰ اور ۶۲)

۱۶۔ حیاتِ رسول امی، ص:۴۳

۱۷۔ ایضاً، ص:۷۰

۱۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، المراۃ العربیۃ، عباس محمود العقاد (الصدیقۃ بنت الصدیق، دارالمعارف، مصر، ۱۹۴۹ء، ص:۵۔۱۸

۱۹۔ حیات رسول امی، ص:۸۲۔۸۳

۲۰۔ ایضاً، ص:۱۷۸

۲۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے خاکسار کا مضمون: تبیین الکلام۔ ایک اختصاری جائزہ، تہذیب الاخلاق، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ۲۶/۱۰، ص:۲۹۔۳۶

۲۲۔ حیات رسول امی، ص:۴۵۶

۲۳۔ ایضاً، ص:۴۸۶

۲۴۔ ایضاً، ص:۴۸۶

۲۵۔ ایضاً، ص:۴۸۷

۲۶۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ص:۳۴۳۔۳۴۶

۲۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، حیات رسول امی، ص:۱۵۷۔۱۵۶

۲۸۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ص:۳۴۲

۲۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، ایضاً، ص: ۳۴۸

۳۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، حیات رسول امی، ص: ۱۵۸

۳۱۔ حیات رسول امی، ص: ۹۸

۳۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، تصوف کا ایک تجزیاتی مطالعہ، ڈاکٹر عبیداللہ فراہی، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار اول، جنوری ۱۹۸۷ء، ص: ۱۲۸۔۱۵۵

۳۳۔ حیات رسول امی، ص: ۵۷

۳۴۔ ایضاً، ص: ۵۶۹۔۵۷۰

۳۵۔ ایضاً، ص: ۵۳۴

۳۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، تاریخ القرآن، علامہ عبداللطیف رحمانی: شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ص: ۷۹۔۸۰، مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، علامہ جلال الدین سیوطی، فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ)، نئی دہلی طبع اول، اگست ۲۰۰۴ء، ۱/ ۱۵۶۔۱۶۳

۳۷۔ تفسیر نظام القرآن، ص: ۲۱۲

۳۸۔ ایضاً، ص: ۲۱۳

۳۹۔ الفرقان الحق، دراصل قرآن کریم کے خلاف ایک سازش ہے۔ کتاب الٰہی کی مقبولیت اور اس کی تعلیمات عالیہ کے خلاف ایک کوشش ہے لیکن اللہ چوں کہ خود اس کا محافظ ہے اس لیے اس طرح کی تمام ریشہ دوانیاں خاک میں مل کر خاک ہوجائیں گی۔ دیکھیے: شیطانی آیات کا مجموعہ ''الفرقان الحق'' (ترجمہ: محمد صلاح الدین عمری)، علوم القرآن، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، ۲۱/ ۱، جنوری۔ جون ۲۰۰۶ء، ص: ۹۵۔۱۱۴

۴۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: حیات رسول امی، ص: ۵۳۶۔۵۳۷

۴۱۔ حیات رسول امی، ص: ۵۳۶۔۵۳۷

۴۲؎ ایضاً،ص:۵۳۷

۴۳؎ وضاحت کے لیے دیکھیے ،ایضاً،ص:۵۳۸

۴۴؎ حیاتِ رسول امی،ص:۵۳۸

۴۵؎ ۱۹۸۰ء میں تدبر قرآن، کی تکمیل کے بعد ادارہ قرآن وحدیث صرف حدیث پر کام کرنے کے لیے تشکیل دیا، چنانچہ اصول حدیث پر لکچرز دیئے جو''مبادی تدبر حدیث'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔اس کے بعد موطا امام مالک اور صحیح بخاری کے دروس کا آغاز کیا قرآن کریم کی طرح حدیث سے بھی مولانا کو خاصا شغف تھا اور اس ذوق کی مہمیز میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا کلی دخل تھا۔ ہندوستان کے جن علماء کرام نے حدیث میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں ان میں آپ کا نام نامی طغرائی حیثیت کا حامل ہے۔

۴۶؎ مولانا امین احسن اصلاحی کی خدمتِ حدیث، خالد مسعود(علوم القرآن،علی گڑھ،جنوری ۱۹۹۸ء،دسمبر ۲۰۰۰ء،۱۳۔۱۵،ص:۲۵۶۔۲۷۰

☆☆☆

''ہمارے رسول ﷺ'' - تنقیدی جائزہ

آنحضور ﷺ کے مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت سے متعلق متعدد آیات کریمہ اور احادیث شریفہ نقل کی جاسکتی ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کے بے شمار ایسے ارباب سخن ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لیے نذرانۂ عقیدت پیش کیے۔ اسی کے ساتھ مستشرقین اور معاندین اسلام کو بھی آپ کی عظمت و رفعت کو تسلیم کرنا ہی پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور زمانہ کتاب "The Hundred"[1] میں آپ ﷺ کو اولیت و اسبقیت دینی ہی پڑی۔ تصانیف و تالیفات کے ساتھ ساتھ دنیا کی مختلف زبانوں میں آپ ﷺ کو بے شمار منظوم خراج تحسین بھی پیش کیا گیا۔ اس پہلو سے دنیا کی دیگر زبانوں کے بالمقابل عربی، فارسی اور اردو کو برتری حاصل ہے۔ ان زبانوں کے شعراء نے رسول اکرم ﷺ کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اردو شعراء میں ایک بڑی تعداد ہمارے ہندو بھائیوں کی بھی ہے جنھوں نے آپ ﷺ کے تقدس و ترفع کو گلہائے عقیدت پیش کیے۔ آنحضور ﷺ کی انفرادیت و یکتائیت تو دیکھیے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر گزشتہ آسمانی صحیفوں میں بھی تھا۔ ارشاد ربانی ہے: ''ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمه احمد'' (اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام 'احمد' ہوگا)

آپ ﷺ کی اسی غیر معمولی حیثیت کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ذکر کیا گیا:

''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ''[2] اور ہم نے تمہارا آوازہ بلند کر دیا۔

یعنی کیا یہ کتاب نہیں ہے کہ ہم نے تمہارا آوازہ بلند کیا۔ ''لَکَ'' جس طرح

پہلی آیت میں اختصاص، تائید اور نصرت کے اظہار کے لیے ہے، اسی طرح یہاں بھی ہے۔ یعنی تمہاری تقویت وحوصلہ افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارا ذکر دور دور تک پھیلا دیا ہے۔

اس آیت سے سورہ کا زمانہ نزول متعین ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں اتری ہے جب آپ ﷺ کی دعوت کا چرچا عرب کے اطراف واکناف میں پھیلنے لگا ہے۔ یہ امر یہاں واضح ہے کہ مکہ کے سادات جن کو نبی ﷺ نے سب سے پہلے دعوت دی وہ تو ایک عرصہ تک دعوت اور داعی کی مخالفت پر جمے رہے۔ لیکن حج کے موسم میں باہر کے جو لوگ آئے ان کے ذریعہ یہ دعوت مکہ کے اطراف خصوصیت کے ساتھ مدینہ کے انصار میں پھیل گئی پھر بالتدریج نہ صرف عرب کے دور وقریب کے قبائل بلکہ اطراف کے دوسرے ملکوں میں بھی اس کا ذکر پہنچ گیا اور یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں رہا کہ یہ آواز دبنے والی نہیں ہے بلکہ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ بچہ بچہ کی زبان پر اس کا چرچا ہوگا اور گوشہ گوشہ اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھے گا۔[۳]

اسی طرح قرآن کریم میں ایک جگہ آپ ﷺ کی جلالتِ شان کا ذکر اس اسلوب میں کیا گیا:

"عَسٰی أَن یَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً"[۴]

[عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔]

مولانا آزاد نے اس آیت کریمہ کی تفسیر وتوضیح مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

"یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی۔ حتی کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کرسکتا تھا کہ انھیں مظلومیتوں سے فتح وکامرانی پیدا ہوسکتی ہے لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح وکامرانی کی بشارت نہیں دی کیوں کہ فتح وکامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت وارتفاع کی سب سے آخری

بلندی ہے یعنی ’’عَسٰی أَن یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحمُوداً ‘‘حسن وکمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت حقائق کی عالم گیراور دائمی مرکزیت حاصل ہوجائے گی، کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو،لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی۔ اَن گنت زبانوں پراس کی مدحت طرازی ہوگی۔محمود یعنی سرتاسر ممدوح ہستی بن جائے گی۔

ماشئت قل فیه فانت مصدق

فالحب یقضی والمحاسن تشهد۵

اس مقالہ میں قابل قدر تصنیف ’’ہمارے رسول ﷺ ‘‘ کا تعارف وتجزیہ پیش کیا جائے گا،اس کے مؤلف جناب ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ ہیں۔اوراس کا مقدمہ ڈاکٹر علی رضا قزوہ نے تحریر کیا ہے،اس اہم ترین کتاب کی طباعت کا شرف ایرانی سفارت خانہ نئی دہلی کو حاصل ہے۔اس حیثیت سے ایران مبارک باد کا مستحق ہے کہ اپنی تمام سفارتی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے بعد اپنی زبان کے ارتقاء اور ثقافت وحضارت کے احیاء میں خصوصی توجہ مبذول کرتا ہے۔اس عظیم تصور سے عربوں کا ذہن عاری ہے اوراس بیش بہا دولت سے ان کا دامن خالی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ’’ضُرِبَتْ عَلَيهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَة‘‘۶ ان کی تقدیر بن چکا ہے۔اس کے برعکس ایران کی عزت وعظمت میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔مغرب کی غلامی اسے ہرگز پسند نہیں۔اس کا نام سنتے ہی ایران فیل بے زنجیر ہوجاتا ہے۔ یہ کتاب جنوری ۲۰۱۱ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔اس کے ۶۲۶ صفحات میں ۳۷۶ ہندو شعراء کے نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ ان کے سوانحی کوائف بھی بااختصار قلم بند کیے گئے ہیں۔ان میں بہت سے ایسے شعراء بھی ہیں جن کے سوانحی احوال تک رسائی نہ ہوسکی۔اس کے علاوہ فارسی کے ۲۵ ، ہندی کے سات، پنجابی کے چار، سندھی کے دو اور مراٹھی کے دو ہندو شعراء کے نعتیہ کلام کو بھی اس میں جمع کرنے کی سعی مشکور کی گئی ہے۔

مناسب ہوگا کہ قدرے مرتب اوران کی خاندانی ثقافت پر بھی روشنی ڈالی

جائے۔ دھرمیندر ناتھ کی پیدائش ۲۴/اپریل ۱۹۳۴ء کو دہلی میں ہوئی۔ جن کے والد محترم کا نام گوپی ناتھ امن لکھنوی ہے، جو ایک نامور شاعر، معتبر صحافی اور قابل قدر نثر نگار تھے۔ جن کی سیاسی خدمات بھی کم نہ تھیں، تحریک آزادی ہند میں ایک مجاہد کا کردار ادا کیا۔ ابتدائی تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں حاصل کی۔ اسلامیات آپ کا مضمون رہا۔ اسی اثناء میں سیرت پاک کے عنوان سے مسابقے کا اہتمام کیا گیا جس میں دہلی کے تمام مسلم اسکولز حصہ لے رہے تھے۔ اس میں آپ نے بھی حصہ لیا اور اول آکر زریں تمغہ کے مستحق قرار پائے۔

مذکورہ سطور سے دھرمیندر کی ابتدائی نشو ونما اور خاندانی ثقافت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ آپ نے کس طرح کے ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ مرتب نے اپنے خاندان کے متعلق خود تحریر کیا ہے کہ ہمارے گھر میں ہندوستانی تکثیری تہذیب کی ایک مکمل نمائندگی تھی۔ بالخصوص مسلم تہذیب سے ایک گہری عقیدت تھی۔ کئی پشتوں سے اس گھر میں محمد ﷺ اور آل ﷺ کو نذرانہائے عقیدت پیش کرنے کی صحت مند روایت چلی آرہی تھی۔ والد محترم جناب گرسرن لال ادیب لکھنوی نے ملکی اور غیر ملکی مجالس اور کانفرنسز میں تقاریر کیں۔ اخبارات اور رسائل میں آپ کے مضامین اور کلام شائع ہوئے۔ آپ کے والد محترم نے اپنے مجموعہ ''سبل عقیدت'' اور ''ایشور اللہ تیرے نام'' میں سرور کونین ﷺ سے اپنے عشق کا اظہار کیا اور اس کے علاوہ بہت سے دیگر موضوعات پر اظہار خیال کیا ان تمام ادبی و علمی سرگرمیوں سے مترشح ہے کہ دین اسلام کے تئیں ان کے کیا احساسات ہیں اور آپ کے چچا جناب ادیب لکھنوی نے اپنے دینی کلام کو ''نذرانۂ عقیدت'' کے عنوان سے پیش کیا۔ اسی دینی موروثی روایت کو حمد، نعت، مناقب، قصائد اور سلام و مراثی کے ذریعہ آگے بڑھایا اور مختلف مواقع کے تعلق سے اپنے جذبات واحساسات کو پیش کیا۔ مختلف جرائد ومجلات میں آپ کی ادبی و تخلیقی کاوشیں منظر عام پر آتی رہی ہیں۔ جس کا ایک مظہر یوں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ اردو تصانیف: (۱) گوپی ناتھ امن لکھنوی: حیات اور شخصیت ۲۰۰۳ء، (۲) ایشور

اللہ تیرے نام (جناب امن لکھنوی کے مذہبی کلام کی ترتیب وپیش کش ۲۰۰۴ء)، (۳) آئینہ در آئینہ (کہانیوں کا مجموعہ ۲۰۰۵ء)، (۴) سبل عقیدت اور صحیفہ نور (خاندان امن کا دینی کلام مرتب کیا ۲۰۰۸ء)، (۵) ہمارے رسول ﷺ (تقریباً ۴۰۰ غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام جمع کیا۔)

۲۔ **ہندی تصانیف:** (۱) دلی اور آزادی ۱۹۹۰ء، (۲) دلی اور اگست کرانتی ۱۹۹۲ء، (۳) چیتا کے استر ۱۹۹۷ء، (۴) یورشا کی اور ۱۹۹۷ء، (۵) وار تالاب پری چرچا اور بھاشن کلا ۲۰۰۳ء، (۶) اجالے کا شیلی (کہانیوں کا مجموعہ ۲۰۰۴ء)، (۷) اجالے کی اور (۸) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، (۹) جیوتی پنج (۱۸۵۷ء کے مجاہدین)

۳۔ **انگریزی تصانیف:** (۱) اسکاوٹنگ اینڈ گائیڈنگ اِن انڈیا: مائل سونز ۲۰۰۵ء، (۲) کمیونل ہارمونی اینڈ اسکاوٹنگ (زیر تصنیف)

مذکورہ تصانیف کے علاوہ مختلف سمینارز میں آپ نے مقالات پیش کیے اور مختلف رسائل میں آپ کے مقالات شائع بھی ہوئے۔ مذکورہ تصانیف کی روشنی میں دو پہلو سامنے آتے ہیں ایک تو یہ کہ علم وادب سے گہرا شغف ہے اور سیرت مقدسہ اور آل رسول ﷺ کی محبت سے ان کا دل سرشار ہے۔ جس سرشاری کا ذکر ڈاکٹر علی رضا قزوہ نے یوں کیا ہے:

''اس دانش مند کا عظیم کارنامہ ''ہمارے رسول'' نامی کتاب ہے۔ جو نعت رسول پر مبنی ہے۔ ان کی یہ ادا بھی قابل ستائش ہے کہ اس کتاب کی تالیف اور ترتیب وتدوین میں جو رقم صرف ہوئی ہے ان کا معاوضہ قبول کرنا بھی قبول نہیں۔ موصوف اس رائے کے حامی ہیں کہ یہ کارنامہ صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی وسیلہ نجات ورستگاری ثابت ہوگا۔ یہ کتاب ان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا کرے گی۔ وہ اس کے ذریعے کسی نئی راہ پر گام زن ہوں گے۔ اس کتاب کا معنوی صلہ جو اس عظیم الشان شخص کو حاصل ہوگا۔ اس کا مقابلہ بہشت بریں ہی سے کیا جاسکتا ہے''۔[۷]

اس کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالنے سے قبل مناسب ہوگا کہ مشہور

تذکرہ نگار، ادیب اور نعت شناس مرحوم نور احمد میرٹھی (متوفی ۱۶/جون ۲۰۱۱ء) کی معروف ومشہور کتاب ''بہرزماں، بہرزماں ﷺ'' ضرور پیش نظر ہو۔ قبل اس کے کہ اس کتاب کی عظمت پر اظہار خیال کیا جائے ضروری ہے کہ قدرے نور احمد میرٹھی کی شخصیت کو موضوع بحث بنایا جائے۔ نور احمد میرٹھی سے میرے بیس سالہ تعلقات رہے ہیں۔ اخلاص، دردمند اور عشق ومحبت کے مجموعے کا نام نور احمد میرٹھی ہے۔ اور اسی مجموعے کا دوسرا نام علم دوست اور عاشق سیرت طیبہ ہے۔ شہر کراچی کے عمائدین علم وادب آپ کے علمی مرتبے کے تہہ دل سے قائل تھے۔ مرحوم معاشی مسائل سے مستقل دوچار رہے، لیکن نعتیہ کلام کی تدوین وترتیب میں کوئی تساہلی ہوجائے یہ ممکن نہیں۔ چنانچہ اپنی مشہور ومعروف کتاب ''بہرزماں بہرزماں صلی اللہ علیہ وسلم'' کی تکمیل وتبییض میں اپنی زندگی کے سالوں بتادیئے۔ میرٹھی صاحب کی معیشت کمپاؤنڈری پر منحصر تھی جو کمپاؤنڈری صبح دس بجے سے ڈھائی بجے تک چلتی اور دوبارہ مغرب سے دس بجے رات تک جاری رہتی۔ اب اس زندگی میں انسان تحقیق وتصنیف کا وقت کہاں سے نکال سکتا ہے؟ لیکن اسی میں انھوں نے مشاہیر میرٹھ، تذکرہ شعراء میرٹھ، شخصیات میرٹھ، نور سخن، غیر مسلم حمد گو شعراء، کراچی کے صاحب کتاب نعت گو شعراء، تذکرہ شعراء طنز ومزاح اور بوستان عقیدت جیسی اہم تصانیف کیں اور بہرزماں بہرزماں صلی اللہ علیہ وسلم جیسا گراں قدر علمی کارنامہ انجام دیا۔ اس سے قبل ہندو بھائیوں کے نعتیہ کلام کی اس قدر توضیح وتفسیر نہیں ملتی۔ یہ ایک موسوعاتی کام ہے جسے ایک انجمن ہی انجام دے سکتی ہے۔ میرٹھی صاحب رات کو گیارہ بجے اپنا تصنیفی کام شروع کرتے تو صبح چار بجے تک بے تعب وتکان چلتے رہتے۔ صرف اس لیے کہ جسے ذاتِ رسول ﷺ سے عشق ہوجائے وہ اپنی ذات اور اپنے تعیش سے بے پروا ہوجاتا ہے۔ اس کے ذہن ودماغ پر صرف تصور سرور کونین ہی چھایا رہتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دن چھٹی ہوتی تو کراچی کے کتب خانوں کے چکر کاٹتے تاکہ ماخذ ومراجع کو جمع کرکے اپنا کام آگے بڑھا سکیں۔ اس سلسلے میں مرحوم مشفق خواجہ کے علمی تعاون اور ان کے کتب خانہ کا خاصا ذکر کرتے

اور بار بار جگن ناتھ آزاد کا بھی نام لیتے۔ اس ''بہر زماں بہر زماں صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ترتیب میں حقیر سی شراکت خاکسار کی بھی تھی جو شاید باعث نجات ہو۔ اس سلسلے میں انھوں نے ہندوستان کی متعدد علمی وادبی شخصیات کو بے شمار خطوط لکھے اور ان خطوط کی وجہ سے انھیں بہت سارا مواد حاصل ہوا۔ ہندو بھائیوں کے نعتیہ کلام کا اتنا بڑا سرمایہ پاکستان میں بیٹھ کر کرنا حیرت واستعجاب سے کم نہیں۔

یہاں پر ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ صاحب کی کتاب ''ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' سے مزید استفادے کرنے سے مترشح ہوا کہ مصنف نے اس موضوع پر قدرے اضافہ (یعنی سمندر میں قطرہ) اور نیا عنوان دے کر ''ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مؤلف بن گئے ہیں جسے علمی سرقہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ مناسب تھا کہ مؤلف اپنے مقدمہ میں میرٹھی صاحب کا پُرزور لفظوں میں شکریہ ادا کرتے، ان کی تحقیقی عرق ریزیوں کا ذکر کرتے، لیکن افسوس کہ انھوں نے صرف ان الفاظ ''میری اس مشکل کو بڑی حد تک جناب نور احمد میرٹھی کی کتاب ''بہر زماں بہر زماں صلی اللہ علیہ سلم''[۸] اور جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد کی کتاب ''سوغات صنم'' نے آسان کیا لیکن میری حالت اب بھی وہی ہے کہ فہرست مکمل نہیں ہونے پاتی کہ ایک دو نئے شعرا کے نام مل جاتے ہیں اور جستجو مجھے سرگرم رکھتی ہے''۔[۹]

''ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نور مرحوم کی پوری کتاب شامل کر لی گئی ہے لیکن مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے پہلو تہی برتی گئی ہے۔ اس علمی بددیانتی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ضروری تھا کہ بتایا جاتا کہ اس میں کتنی کاوشیں نور صاحب کی شامل ہیں اور کتنے اضافے مؤلف کے ہیں۔ اب کوشش ہو گی کہ اس میں شامل نعتوں کا ایک جائزہ پیش کیا جائے۔ مؤلف نے ہندو بھائیوں کا نعتیہ کلام پیش کرنے سے قبل قدرے عربی نعتیہ کلام سے بھی بحث کی ہے اور بغیر کسی ترتیب کے چند شعراء کے کلام بھی نقل کیے تھے۔ ان عربی اشعار کی پروف ریڈنگ پر توجہ نہ دی گئی جس کی وجہ سے بہت سی غلطیاں در آئی ہیں۔ اس میں چند اشعار درج ذیل ہیں:

ماذا علی من شم تربة احمد
الا یشم مدی الزمان غوالیا

[جس نے ایک مرتبہ بھی خاک تربت احمد مجتبیٰ سونگھ لی تعجب کیا اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے۔]

ان الرسول لنور یستضاء به
مهند من سیوف الله مسلول

[بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا نور ہیں، جس سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔]

فامسی سراجاً منیراً وهادیا
یلوح کمالاح الصیقل المهند

[پس آپ دنیا میں چراغ روشن اور راہنما کی حیثیت سے تشریف لائے۔ آپ ﷺ صیقل شدہ ہندی تلوار کی مانند چمکدار رہے تھے۔]

قصرت فی مدحی فان یك طیبا
اذ کرك من اریج الطیب

[میں خود کو مدائح النبی ﷺ تک محدود رکھنا چاہتا ہوں، اگر یہ (مدح سرائی) لائق قدر ہے تو اسے میں آپ ﷺ کی معطر یاد کا صدقہ قرار دوں گا۔]

ان الرسول لقد فاق وعزته
سفینتهٔ سواها الجود، لا الجودی

[بے شک رسول ﷺ کو (تمام لوگوں پر) فوقیت حاصل ہے اور آپ ﷺ صاحب مرتبت ہیں اور آپ ؐ کی کشتی جس کا پڑاؤ جود وسخا ہے نہ کہ جودی پہاڑ۔]

اسی طرح اس میں چند فارسی شعراء کے نعتیہ اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ عربی کے بعد فارسی زبان میں بھی بے شمار نعتیہ اشعار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کی تفسیر میں منظوم کیے گئے ہیں۔ لیکن یہاں بھی بے ترتیبی ہے۔ فریدالدین عطار نیشاپوری کے تین اشعار ملاحظہ ہوں

خواجۂ دنیا ودیں گنج وفا
صدر و بدرِ هر دو عالم مصطفی
مهترین و بهترین انبیاء
رهنمائی اولیاء واصفیاء
خواجۂ ای کز هرچه گویم پیش بود
وزهمه چیز از همه در پیش بود

مولانا جلال الدین رومی نے اللہ کے حبیب مصطفیٰ کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

بود در انجیل نام مصطفی
آن سر پیغمبراں بحرصفا
بود ذکر حلیه ها وشکل او
بود ذکر غزو صوم اکل او

علامہ اقبال کا قلب وذہن بھی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور تھا۔ مندرجہ اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ذات قدسی سے کس قدر سرشار تھے۔

اے ظہور نو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
ذکر تو سرمایہ ذوق وسرور
قوم را دارد بہ فقر اندر غیور
اے مقام ومنزل بر راہرو
جذب تو اندر دل ہر راہرو

عربی اور فارسی کی نعتیہ شاعری کا مختصراً بے ترتیبی سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس اردو کی نعتیہ شاعری کا سلیقہ مندی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری کی ابتدائی تاریخ کے بیان کرنے کی قابل قدر کوشش کی گئی ہے۔ مختلف ادوار کی خصوصیت کو منظر عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔ ان تمام ادوار کے شعراء اور ان کے کلام کو یہاں نقل کرنا کار دشوار است بہر کیف اس جائزے کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مؤلف نے اس بحث کو سمیٹنے کی غرض سے خاصا تلاش وتتبع سے کام لیا ہے۔ اور اس سے متعلق مآخذ ومراجع کی روشنی میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ مؤلف نے اپنے موضوع سے اخلاص کا ثبوت دیا ہے۔ اردو نعتیہ شاعری کے ارتقاء کے باب میں رقم طراز ہیں:

''اردو مشترکہ تہذیب کی ترجمان ہے۔ میل جول کی اس شیریں زبان میں ناقوس واذان کی صدائیں بھی ہیں اور مدحت وثنا کی گونج بھی۔ یہ زبان کسی خاص خطے، فرقے یا مذہب تک محدود نہیں رہی۔ ہندو مسلم، سکھ، عیسائی وغیرہ سبھی نے اس گلشن کی آبیاری کی ہے۔ رامائن، گیتا کے تراجم بھی شائع ہوئے اور مختلف مذاہب کے پیغمبروں اور بزرگوں کو مدحت ومنقبت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے عقیدت سے سرشار اردو شعراء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھی منظوم نذرانے پیش کیے ہیں جن میں ایرانی، وایقانی اقدار کے ساتھ فنی اور جمالیاتی نقطہ نظر کے معیار کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ اردو شاعری میں نعتیہ شاعری کے اعلیٰ اور عمدہ نمونے بھی ملتے ہیں۔ اور رسمی وروایتی اشعار بھی۔ اردو میں نعت گوئی فارسی سے منتقل ہو کر آئی ہے''۔[۱۰]

مؤلف کا یہ خیال کہ اردو میں نعتیہ شاعری فارسی سے منتقل ہو کر آئی ہے۔ اس خیال سے کس حد تک اتفاق یا اختلاف کیا جائے ایک مسئلہ ہے؟ لیکن یہ وضاحت از حد ضروری ہے کہ اردو شاعری اس وقت نہ صرف فارسی بلکہ عربی سے بھی کافی دور نکل چکی ہے۔ بالخصوص پاکستانی شعراء نے نعتیہ شاعری کو ایک ممتاز مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ اور جملہ ''نعت رنگ'' نے نعتیہ شاعری کے ارتقاء اور اس کے فنی امتیازات کی دریافت

میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ مناسب ہو گا کہ چند شعراء کے کچھ اشعار نقل کیے جائیں۔
بہادر شاہ ظفر کے نعتیہ جذبات کی عکاسی کو ملاحظہ فرمائیں:

سبوئے جاں میں چھلکتا ہے کیمیا کی طرح
کوئی شراب نہیں عشق مصطفیٰ کی طرح
وہ عرش وفرش وزماں ومکاں کی نقش مراد
وہ ابتداء کے مطابق وہ انتہا کی طرح

مرزا سلامت علی دبیر نے اپنے نعتیہ احساسات کو اس طرح قلم بند کیا ہے:

کیا قامتِ احمد نے ضیاء پائی ہے
چہرے میں عجب نور کی زیبائی ہے
مصحف کو نہ کیوں فخر ہو اس صورت پر
قرآن سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

اکبر الٰہ آبادی نے اپنے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کتنی خوبصورتی سے کیا ہے:

اڑا لے چل ہمیں سوئے محمد
دکھا دے جنتِ کوئے محمد
چمن قرآن ہے ہر لفظ ہے گل
نہاں ہر گل میں ہے بوئے محمد
درود اس پر ملائک بھیجتے ہیں
توجہ جس کی ہو سوئے محمد
خدا کا لطف ہے اس دل پر اکبر
کشش جس دل کی ہو سوئے محمد

مؤلف نے دور جدید کے شعراء کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ کیا ہے۔ لیکن یہ تجزیہ نہ صرف مختصر ہے بلکہ جدید نعتیہ شاعری کا تجزیہ نہایت ناقص اور نامکمل ہے۔ صرف چند شعراء کے کلام پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جن میں سے کچھ اشعار سے آپ بھی محظوظ ہوں:

مرا کچھ نہ کرسکے گی نئے دور کی اداسی
ابھی اے زمین بطحا تری آرزو جواں ہے

(مظفر حنفی)

زندگی کا فقط سوال نہیں
موت بھی چاہیے مدینے کی

(حامد امروہی)

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم ،صلی اللہ علیہ وسلم

(اقبال سہیل) [۱۱]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مثال میں صرف چند شعراء کے اشعار پیش کیے گئے ہیں۔اس حوالے سے جدید نعتیہ شاعری کی ایک مبہم اور ادھوری تصویر پیش کی گئی ہے۔ان اشعار سے جدید نعتیہ شاعری کی نمائندگی کے برعکس اس کی شبیہ بگاڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں جدید پاکستانی نعتیہ شاعری سے انحراف ہے۔ یہاں پاکستانی شعراء کی ایک طویل فہرست کو نقل کرنا مناسب نہیں ہے۔اسی طرح خواتین کی جدید نعتیہ شاعری کے ساتھ بھی نا انصافی برتی گئی ہے۔ پاکستانی شاعرات کی اس میدان میں گراں قدر خدمات ہیں لیکن اس سے بھی پہلو تہی برتی گئی ہے۔اسی طرح عالمی نعت گو شعراء کی نعتیہ شاعری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔لیکن یہ بحث انتہائی ناقص ہے۔اس تعلق سے گیارہ شعراء کے گیارہ اشعار نقل کیے گئے ہیں۔اسے دیکھ کر بڑے واضح انداز میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک طرح کا مذاق ہے۔

باب سوم ''ہندوستان میں نعت گوئی پر مقامی اثرات: اندازِ فکر، آداب نعت گوئی اور زبان'' کے عنوان سے ہے۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ جناب دھرمیندر صاحب اس موضوع کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں کیوں کہ قرآنیات اور احادیث سے ان کی واقفیت نہیں کے برابر ہے۔ انھیں کیا پتا کہ وحدت الشہود اور وحدت الوجود

کا اسلام اور ذاتِ سرورِ دو عالم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تصوف سے وحدانیت اور شخصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر ہوتی ہے:

وہی جو مستولی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
پردہ میم میں چھپے ہیں حضور
ہم سے نزدیک ہیں ہیں کچھ دور
صورت انسان میں آ کر خود دکھاتا تھا کمال
رکھ لیا نام محمد تاکہ رسوائی نہ ہو

اس طرح کے بے شمار اشعار نعت گوئی کے حوالے سے موجود ہیں جس کی وجہ سے قرآن کریم کا تصور الٰہ اور ”کان خلقہ خلق القرآن“ کے برخلاف تصویر ابھرتی ہے۔ جس کا قرآن کریم اور شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح بعض ہندی الفاظ سے بھی آپ ﷺ کی تصویر بگاڑی گئی ہے۔ نیز نعت کو تغزل کا رنگ دے کر آپ کی عظمت و رفعت کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا ہے۔ یہاں ایک شعر حاضر ہے:

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹا لے آجا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

مذکورہ شعر سے متبادر ہے کہ شاعر نعتیہ اشعار کے اسلوب بیان سے واقف نہیں ہے۔ اس میں سفلی اور مبتذل جذبات کی عکاسی ہے جس کا شمائل النبی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک ہندی کے الفاظ ہیں کیوں کہ ان الفاظ کا تعلق غیر الوہی تصورات، دیوی دیوتاؤں اور رشیوں سے ہے۔ جب یہ الفاظ تفسیر سرور کائنات ﷺ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں تو ان کی وجہ سے امتیازات رسول ﷺ کے برخلاف ایک غیر اسلامی تصویر سامنے آتی ہے۔ صرف ایک شعر دیکھیے:

جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے

اس بت کو رام کردے او رام نام والے

اس کتاب میں مؤلف نے چند ممتاز ہندو نعت گو شعراء سے بھی بحث کی ہے اور اسے مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ان نعت گو شعراء کے یہاں غیر اسلامی تصورات موجود ہیں۔ یہاں ان شعراء کے کچھ اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔ تا کہ ان ممتاز شعراء کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا جا سکے۔ اس صداقت کا اعتراف ناگزیر ہے کہ ان میں بہت سے شعراء ایسے ہیں جن کے اشعار صداقت و دیانت سے مملو ہیں۔ ذات اقدس ﷺ سے ان کی وابستگی میں اخلاص و ایثار ہے۔ وہ آپ ﷺ کو دنیا کا عظیم ترین انسان مانتے ہیں کسی منافقت کا شکار نہیں۔ ان کے فکر اور ان کے الفاظ میں ہم آہنگی ہے۔ انھیں اپنی عظمت کی پیش کش سے کوئی غرض نہیں۔ ان کے دل کا ان کی زبان سے گہرا رشتہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مندرجہ اشعار ان کی صداقت و دیانت سے عبارت ہیں:

نہ کیوں مائل ہو دل سوئے محمد
کہ دلکش ہے بہت خوئے محمد
تمنا ہے کہ بعد مرگ سالک
مرا مدفن بنے کوئے محمد

(منشی سالک رام سالک)

وہ لطف رنگِ سحاب بھی ہے
نسیم رحمتِ مآب بھی ہے
رسولوں میں انتخاب بھی ہے
زمین پر گردوں رکاب بھی ہے

(چنڈی پرشاد نگم شیدا دہلوی)

ہندو شعراء میں کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کا نام امتیازی حیثیت کا حامل ہے، جن کے آداب و انداز میں انفرادیت ہے۔ انھوں نے اپنے انداز و آہنگ سے ایک نئی نعتیہ شاعری کی بنیاد ڈالی ہے۔ اپنے والہانہ جذبات اور عقیدت مندانہ احساسات کی وجہ

سے ایک نئی شناخت کے حامل بن گئے۔ غالباً یہ مبالغہ نہیں کہ بعض مسلم شعراء کی بھی ان کی انتہاء نعت تک رسائی نہیں۔ ان کا ایک شعر ان کی بقا کا ضامن ہے:

عشق ہو جائے، کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

مذکورہ شعر میں کس قدر اعتماد واعتبار ہے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ سے اپنی عقیدت کا اعلان کرنے میں کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں۔ نیز یہ کتنا قوی تر انداز ہے کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی پر صرف امت مسلمہ کا اختیار واقتدار نہیں۔ یہاں لفظ ''اجارہ'' کا کس قدر برمحل اور خوبصورت استعمال ہے۔ جدید نعتیہ شاعری کی آبرو یہ شعر بھی ہے۔ مؤلف نے آپ کے کچھ اشعار بھی نقل کیے ہیں جس سے آپ کی نعتیہ جہات طے کی جاسکتی ہیں:

فزوں ہوا شوق کا تقاضا، تڑپ رہی ہے ہر اک تمنا
چلو مدینے، چلو مدینے یہ دل سے آواز آرہی ہے

اس کے علاوہ بھی بہت سے شعراء کے اشعار نقل کیے جاسکتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ غیر مسلم شعراء کے یہاں کبھی کبھی اچھے اشعار مل جاتے ہیں، لیکن موضوعات، اسالیب اور معانی کے نقطہ نظر سے بہت سی قابل اعتراض چیزیں ہیں جن کا اسلامی ثقافت سے کوئی میل نہیں۔ لیکن مرتب کا یہ خیال بھی قابل گرفت نہیں کہ یہ موضوعات وخیالات ہمارے مسلم شعراء کے یہاں بھی موجود ہیں۔ یہ بات نہایت اہم ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے مابین فرق ہے۔ اس فرق مراتب کو ملحوظ کرنا ازحد ضروری ہے۔ کیوں کہ ایک خالق ہے اور دوسرا مخلوق۔ لیکن افسوس کہ بے شمار اہم شعراء نے اس فرق مراتب سے آنکھیں میچ لی ہیں۔ اس کتاب میں غیر مسلم شعراء کے موضوعات کو موضوع بحث بنانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کن کن اصناف کے تحت اللہ کے رسول ﷺ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔

دوسرے حصہ میں ۳۷۶ غیر مسلم شعراء کے سوانحی کوائف بیان کرتے ہوئے

نموناً ان کے نعتیہ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض شعراء کے سوانحی کوائف دو ایک سطری ہیں اور چند کے صرف اسماء گرامی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ یہ ایک عظیم کام ہے۔ لیکن اس عظمت کے حقیقی خالق مرحوم نور احمد میرٹھی ہیں۔۱۲؎ اس میں چند شعراء کا غالباً اضافہ ہو، لیکن اس اہم خوبصورت دنیا کے بسانے میں تمام عرق ریزیاں مرحوم کی ہیں۔ لیکن مرحوم کی ان علمی عرق ریزیوں اور تحقیقی کاوشوں کے لیے مؤلف نے دو تین سطور لکھنی بھی ضروری نہ سمجھا۔ انتہائی دیانت کا کام تھا کہ مقدمہ میں مرحوم میرٹھی کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا اور یہ وضاحت کی جاتی کہ اس میں انھوں نے کن شعراء کا اضافہ کیا ہے۔ یہ ضروری اس لیے نہیں تصور کیا کہ مؤلف کی اصل حقیقت منظر عام پر آجاتی کہ اس موضوع پر ان کی خدمات صفر ہیں۔

اب مندرجہ سطور میں چند شعراء کے حسین اشعار کو نقل کیا جائے گا تاکہ یہ وضاحت منظر عام پر آسکے کہ ہمارے ہندو بھائیوں نے بھی دنیائے نعت کو کس طرح سجایا اور کس طرح بنایا ہے اور کس طرح اپنے اخلاص وعقیدت سے اسے معمور کیا ہے؟ یہ بھی اعتراف حقیقت ہے کہ بعض مقامات پر اپنے مسلم شعراء سے آگے نکل گئے ہیں۔ انھوں نے مختلف امتیازات نبوی کو موضوع نعت بنایا۔ اس طرح کے کچھ اشعار یہاں حظ طبع کے لیے حاضر ہیں:

سب سے پہلے ست نام سنگھ خمار کے جذبات کو دیکھیے کہ انھوں نے اپنی قلبی کیفیات کو کس قدر ڈھنگ سے منظوم کیا ہے:

حجاب دل میں نہیں، چہرے پر نقاب نہیں
شعورِ عشقِ محمد، ترا جواب نہیں
میں پُرخطا ہوں، گنہگار ہوں بہت لیکن
مجھے یقین ہے کہ مٹی مری خراب نہیں
خمار دور سے ان کا کروں گا نظارہ
انھیں قریب سے دیکھوں نظر میں تاب نہیں

اچھے کمار عقیدتاً ہندو ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ آپ ﷺ سے راہ ہدایت کے طلب گار ہیں۔ اور اپنے ایمان وعمل کی کھیتی کو دربار رسالت سے سرسبز وشاداب کرنے کے خواست گار ہیں۔ ذرا دیکھیے ان کا لہجہ کس قدر مبنی بر اخلاص ہے:

جو تم نے دکھائی تھی کبھی اہل عرب کو
میں بھی انھیں راہوں کا سفر مانگ رہا ہوں
سرسبز ہو جس سے مرے ایمان کی کھیتی
وہ ابر کرم، دیدۂ تر مانگ رہا ہوں

ہندو شعراء نے آنحضور ﷺ کے اوصاف وفضائل کو بھی موضوع بحث بنایا۔ ان شعراء میں ایک نام امرقیس جالندھری کا ہے۔ مندرجہ نعت میں فضائل النبی کا ذکر کرتے ہوئے عجیب سلاست کا ثبوت دیا گیا ہے۔ جسے پڑھنے سے سرشاری کی کیفیت بن جاتی ہے:

وہ ابرِ فیضِ نعیم بھی ہے، نسیمِ رحمتِ شمیم بھی ہے
شفیق بھی ہے، خلیق بھی ہے، رحیم بھی ہے، کریم بھی ہے
وہ معنیِ حسن آفرینش، نظر نواز اہل بینش
حبیبِ ربِ جلیل بھی ہے، جمیل بھی ہے سلیم بھی ہے
وہ علم وعرفاں کا ہے مدینہ، خزینۂ راز اس کا سینہ
وہ پیکرِ نورِ سرمدی ہے، وہ حسنِ خلقِ عظیم بھی ہے
اٹھائیں جس نے اذیتیں، پھر انھیں کے حق میں دعائیں مانگیں
کسی میں یہ شانِ حلم بھی ہے، اور ایسا کوئی حلیم بھی ہے

ایک مثنوی میں آپ ﷺ کی صفات کتنے حسین پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں اور اپنی چاہتوں کو دربار رسالت میں کتنی التجا سے رکھا گیا ہے:

کتنی معصوم ہے تری فطرت
نور ہی نور ہے تری صورت

جس قدر دہر میں تصویریں ہیں
سب ترے حسن کی تفسیریں ہیں
ایک ادنیٰ سا اشارہ کردے
بس ہوں قطرہ مجھے دریا کردے
مجھے آسودۂ منزل کردے
میں ہو ناقص مجھے کامل کردے

پرویز پرکاش ناتھ نے آنحضورﷺ کے حقائق کا دل سے اعتراف کیا ہے۔ اس اعتراف صداقت کا رنگ وآہنگ تو دیکھیے:

خیال افروز ہے نام محمد
بہت افضل ہے پیغام محمد
دل وجاں کیوں نہ ہو مرہون منت
دل وجاں پر ہے اکرام محمد
فراز زندگی کا ہے یہ زینہ
جسے کہتے ہیں الہام محمد
مٹادی تیرگی قلب ونظر کی
تجلی پاش ہے جام محمد

ڈاکٹر دیانند سکینہ کو دیکھیے کہ انھوں نے کتنی صدق دلی سے دربار رسالت میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ اور آپﷺ کی عظمتوں کو جرأت مندی کے ساتھ پیش کیا ہے:

جہاں میں کتنے رسول آئے، نہ آیا لیکن عظیم تم سا
فہیم تم سا، علیم تم سا، نعیم تم سا، حکیم تم سا
ہزار ڈھونڈا، تمام دیکھا، کسی نے لیکن کہیں نہ پایا
حسین تم سا، امین تم سا، خطیب تم سا، وسیم تم سا،

ورودِ آدم سے تا بہ ایں دم، نظر میں میری کوئی نہ آیا
عدیل تم سا، خلیل تم سا، جلیل تم سا، حلیم تم سا

سادھک جگدیش بھی عشق رسول سے مخمور ہیں۔ ان کے نزدیک ''محمد'' کا نام آتے ہی قلبی سکون کا آغاز ہو جاتا ہے۔:

زباں پر محمد کا نام آ رہا ہے
کہ تسکینِ دل کا پیام آ رہا ہے
مدینے کی جانب قدم اٹھ رہے ہیں
مرا جذبِ دل میرے کام آ رہا ہے
کرم مجھ پر کیوں نہ محمد کا ہوگا
درِ مصطفیٰ پر غلام آ رہا ہے
محمد کا در تو سبھی کا ہے سادھک
یہاں سے ہر ایک شاد کام آ رہا ہے

مہندر سنگھ بیدی کا ذکر آچکا ہے جن کی لے نے ایک نئی نویلی دنیا آباد کی ہے۔ اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کہ بیدی کے اس انداز اور اس حب رسول کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

خراب حالو، گناہ گارو، سنو سنو، ہمتیں نہ ہارو
کہ چشمِ رحمت کریمیوں سے ہر ایک بگڑی بنا رہی ہے
نوازنے کے لیے وہ دیکھو کہ اپنے لاچار بیکسوں کو
کسی کی بخشش پکارتی ہے، کسی کی رحمت بلا رہی ہے
کرم ہے اس سنگِ ستاں کا کہ آخر کار رفتہ رفتہ
رسائی سجدوں کی ہو رہی ہے، جبیں یہ عظمت بھی پا رہی ہے
ہو آرزوئے نہاں میں تیری، جبیں رہے وقت سجدہ ریزی
کہ جذبِ صادق کو آج اپنے مری وفا آزما رہی ہے

یقیناً بیدی ایک ایسا نام ہے جس نے دنیائے نعت میں ایک عجیب رنگ و آہنگ چھوڑا ہے۔ پڑھتے ہوئے قاری حب رسول میں ڈوب جاتا ہے۔ ایک ایسی فضا طاری ہوتی ہے جو اس کے لیے تسکین قلب اور طمانیت فکر کا باعث ہے۔ بیدی کا نعتیہ انداز اس قدر مؤثر ہے کہ اس کی تاثیر و تنویر سے کسی کا محفوظ رہنا ممکن نہیں۔ چند اشعار اور دیکھیے:

بلندی پہ اپنا نصیب آگیا ہے
درِ پاک مولیٰ قریب آگیا ہے
زباں پہ جو ذکرِ حبیب آگیا ہے
مرا وقت بخشش قریب آگیا ہے
دعا یاد مولیٰ میں جس وقت مانگی
لبوں پر مرے یا مجیب آگیا ہے
ادھر روضۂ شہ ادھر بیقراری
یہ موقع بھی کیسا عجیب آگیا ہے
نکلنے کو ہیں دل کے ارمان سحر اب
وہ دیکھو مدینہ قریب آگیا ہے

ایک دوسری نعت میں بیدی صاحب کے جذبات اسی طرح بہتے ہیں کہ اس کے بہاؤ سے کوئی نکلنے نہ پائے کیوں کہ اس کی لذت و لطافت ہی ایسی ہے کہ سب اس کے اسیر ہو جائیں۔

جو کام عشقِ نبی میں تمام ہو جائے
حصول لذتِ کیفِ دوام ہو جائے
یہی ہے ایک تمنائے زندگی ہم دم
حریمِ پاک میں عرض سلام ہو جائے
درِ رسول پہ جا کر جو ہوں میں سر بسجود

تو مشام صبح بنے، صبح شام ہو جائے
وفورِ شوق میں روضہ کے سامنے گرنا
مرا رکوع وسجود وقیام ہو جائے

مظفر لکھیم پوری بابو رام کی چند نعتوں سے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ان اشعار کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ بابو رام نے نعتیہ شاعری میں اپنا ایک منفرد مقام بنایا ہے۔ اور آپ کے نعتیہ جذبات سے اسلامی ثقافت کی خوشبو آ رہی ہے۔ یہ سارا کمال صرف آنحضور ﷺ کی آفاقیت و ہمہ گیریت کا ہے جو سب کو گرویدہ بنا لیتی ہے۔

بابو رام نے اپنی قدرت کو نعتیہ اشعار میں اس طرح سمولیا ہے:

الٰہی اب یہی اک آرزو ہے
مرا سر ہو، نبی کا سنگِ در ہو
مرا غم اے صبا کہنا نبی سے
مدینہ میں اگر تیرا گزر ہو
مسلماں سارے بخشے جاچکے ہیں
اب اک کافر پہ بھی مولا نظر ہو
وہی دل ہے جہاں میں رشکِ کعبہ
محبت کا نبی کی جس میں گھر ہو

غیر مسلم نعت گو شعراء میں ایک نام موج فتح گڑھی راجیند ر بہادر کی ہے جنھوں نے تاجدار مدینہ سے اپنی عقیدت کے اقوال واعمال کی عظمت پر روشنی ڈالی ہے۔ معراج کو بھی بیان کیا ہے آپ ﷺ کے خمخانہ وحدت اور شمع ہدایت سے تعبیر کیا ہے۔ اپنی ایک نعت میں اپنے قلبی کوائف کو اس طرح قلم بند کیا ہے:

ابتدا تم ہو، انتہا تم ہو
عقل حیراں ہے کہ کیا تم ہو
صرف نظروں سے پردہ داری ہے

ورنہ ہر شی سے رونما تم ہو
جز تمہارے نہیں کوئی دل میں
میری فطرت سے آشنا تم ہو
ساز تار نفس جہاں بھی رکے
کاش اس وقت نغمہ زا تم ہو
سخت طوفاں میں ہے سفینۂ نوح
آخری ایک آسرا تم ہو

مذکورہ نعتیہ اشعار کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائیوں نے اردو ادب کے ارتقاء وانتہاء میں بین خدمات انجام دی ہیں۔ بہت سے دینی موضوعات بھی ان کے فکروفن کی جولان گاہ ثابت ہوئے، نعت، منقبت، مدح صحابہ اور مراثی میں اپنے جذبات واحساسات کی جوت جگائی۔ بالخصوص دنیائے نعت کی تعمیر وتزئین میں نمایاں خدمات انجام دیں جس پر نور احمد میرٹھی کی معرکہ آراء کتاب ''بہر زماں بہر زماں صلی اللہ علیہ وسلم'' پوری طرح دال ہے۔ مرحوم میرٹھی کا یہ اتنا عظیم کام ہے کہ علمی دنیا انھیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ مرحوم نے خاکسار کو بتایا اور دکھایا بھی کہ انھوں نے منقبت اور مراثی کے حوالے سے غیر مسلم بھائیوں کا معتد بہ کام اکٹھا کرلیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پاکستانی اہل علم ان کی ان جمع کردہ چیزوں کو منظر عام پر لانے کی کوئی سبیل نکالیں گے۔ ہمارے ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ صاحب نے مرحوم کے اسی کام کو ہندوستان میں ''ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے پیش کیا ہے۔ ہاں اس کتاب کا حصہ اول جو سات ابواب پر مشتمل ہے اسے دھرمیندر صاحب نے ترتیب دیا ہے جسے اس طرح ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

باب اول: نعت: تعریف وماہیئت

باب دوم: ارتقاء نعتیہ شاعری (۱) عربی نعتیہ شاعری (۲) فارسی کے نمائندہ نعت گوشعراء (۳) اردو میں نعت گوئی

باب سوم: ہندوستان میں نعت گوئی پر مقامی اثرات: انداز فکر، آداب نعت گوئی اور زبان

باب چہارم: غیر مسلم اردو شعراء کی نعت گوئی

باب پنجم: نعتیہ شاعری کے مختلف ادوار میں ممتاز غیر مسلم نعت گو شعراء

باب ششم: غیر مسلم شعراء کی نعتوں کے موضوعات اور ہیئتیں: تجزیہ اور توضیح

باب ہفتم: غیر مسلم اردو شعراء کی نعتیہ شاعری۔ ایک جائزہ

مذکورہ ابواب پر قابل قدر گفتگو ممکن ہے، لیکن دھرمیندر صاحب نے نہایت رواروی کا ثبوت دیا ہے۔ توقف اور تفکر سے پہلو تہی کی گئی ہے۔ اب دوسرا حصہ ''گلشن بے خزاں یعنی تذکرہ شعراء'' کے کچھ اشعار کی روشنی میں یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ غیر مسلم نعت گو شعراء کے یہاں بہت سی بے احتیاطیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ حصہ دوم غیر مسلم نعت گو شعراء کے کوائف، حیات اور نمونہ نعتیہ کلام پر مبنی ہے۔ اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے ۳۷۶ شعراء کے نعتیہ اشعار پیش کیے گئے ہیں۔ اس حصہ میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو اسلامی ثقافت کے برعکس ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

غبار اس روضۂ اقدس کا ماتھے پر لگاؤں گا
گزر اپنا مدینے میں اگر مثل صبا ہوگا

کیا مجھ کو ضرورت ہے کہ قرآن پڑھوں میں
ہے یاد مجھے مصحفِ رخسارِ محمد

کھلی قاب قوسین سے یہ حقیقت
مکانِ خدا ہے، مکانِ محمد

جو یہ پیدا نہ ہوتے، کوئی بھی پیدا نہیں ہوتا
خدا کی شان ہے، گویا خدائی ہے محمد کی

سلام اس پر ہے جو ہے آسودہ زیر گنبد خضرا
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر ناصیہ فرسا

وہ نورِ خدا کا ٹکڑا تھا کس طرح بھلا ہوتا سایہ
مٹی سے بنایا جاتا ہے جس جسم کا سایہ ہوتا ہے

بخشواؤ گے تمہیں ہم کو یقیں ہے پورا
ہو وہ ہندو یا مسلمان شفیع محشر

وہی بشر کو سکھائے ہیں جس نے نیک چلن
وہی، جو نور خدا میں ہوا تھا جلوہ فگن

نہ ہوتے گر محمد ہر خوشی بے کار ہو جاتی
خدائی رہتی ناقص، زندگی بے کار ہو جاتی

خالی کوئی پلٹا ہی نہیں در سے نبی کے
ہندو ہو، مسلمان ہو، سکھ ہو کہ کوئی اور

مذکورہ چند اشعار حصہ دوم سے بطور مثال پیش کیے گئے ہیں۔ اس طرح کے ڈھیروں اشعار اس کتاب میں موجود ہیں جن کا قرآن کریم اور سیرت پاک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان اشعار سے سیرت مقدسہ کی ایک نئی اور بے حقیقت تصویر منظر عام پر آتی ہے جس کا "کان خلقه خلق القرآن" سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ روضۂ اقدس کی مٹی کا ماتھے پر لگانا سراسر ہندو تہذیب ہے جس کا ڈانڈا قشقہ سے ملتا ہے۔ تلاوت قرآن کو یہاں غیر ضروری بتایا گیا ہے ایسے عشق رسول کی اسلام میں ہرگز گنجائش نہیں۔ مکانِ خدا کو مکان محمد کے برابر قرار دینا غیر اسلامی نظریہ ہے۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو قرآن کریم سے آگاہ نہ ہو۔ یہ کس قدر غیر فطری نظریہ ہے کہ مخلوق اپنے خالق کے درجہ پر فائز ہو جائے۔ یہاں پر شاعر روضۂ اقدس پر جبہہ سائی کی بات کرتا ہے جو صنم پرستی یا قبر پرستی کے مترادف ہے۔ خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے متبعین کو اس فعل قبیح سے منع فرمایا ہے۔ جسے حالی نے اس طرح منظوم کیا ہے:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم

اللہ کے رسول ﷺ کو نور خدا کا ٹکڑا قرار دینا بھی شرک ہے اور سایۂ رسول کا انکار کرنا بھی غیر اسلامی نقطۂ نظر ہے۔ اس طرح کی احادیث غیر مستند ہیں۔ اور یہ تصور کی آپ ﷺ کے بغیر یہ خدائی ناقص رہتی اس طرح کے خیالات کا دین اسلام اور سیرت رسول ﷺ سے کوئی سروکار نہیں۔ اسی طرح یہ دعوی کرنا کہ دربار رسالت سے ہندو اور سکھ بھی فیض یاب و سیراب ہوکر پلٹے، یہ نظریہ بالکل عقل و فطرت کے برعکس ہے کیوں کہ اس وقت سرزمین حجاز پر ہندو اور سکھ کا وجود ہی نہ تھا۔ ان مذکورہ خیالات کے حامل غیر مسلم شعراء ہیں۔ افسوس تو اس کا ہے کہ یہ تمام تصورات باطلہ ہمارے مسلم نعت گو شعراء کے یہاں بھی موجود ہیں اور ان پر اعتراضات کرنے والوں کو طنز و تعریض سے گزرنا پڑتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں سیرت پاک کو قرآن کریم اور صحیح احادیث مبارکہ کی روشنی میں جاننے کی توفیق نصیب ہو۔

حصہ دوم کے بعد اس کتاب میں ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں ۱۴ شعراء کے فارسی، ہندی، پنجابی، گوجری، مراٹھی اور سندھی زبانوں کے نعتیہ اشعار شامل ہیں۔ یہ ضمیمہ بھی مرحوم نور احمد میرٹھی سے مستفاد ہے۔ لیکن اس کی تمام تر کاوشیں مؤلف کے سر جاتی ہیں۔ یہ ضمیمہ ستر صفحات کا احاطہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ کی اس میں خدمات ہیں لیکن علمی دیانت کا شدید تقاضا تھا کہ کھلے دل سے اس موضوع پر مرحوم میرٹھی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کیا جاتا کیوں کہ تنکا تنکا چن کر مثالی نشیمن بنانے میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کیا۔ نیز مرحوم اور اپنی خدمات کے مابین خط امتیاز کھینچی جاتی تا کہ عدل و انصاف کی دیوار منہدم نہ ہوتی۔ سیرت پاک پر کام کیا جائے اور منہج رسالت سے انحراف کیا جائے یہ مقام تاسف نہیں تو اور کیا ہے؟ راقم الحروف ''ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مؤلف پر نوحہ خواں ہے۔ کاش کہ یہ ہماری نوحہ خوانی ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ اور ایرانی سفارت خانہ نئی دہلی کے ثقافتی کونسلر ڈاکٹر علی رضا قزوہ کو گوش گزار کراتی۔

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱۔ The Hundred: سو عظیم آدمی، مائیکل ہارٹ (مترجم: عاصم بٹ)، ہمراز پبلشرز، دریا گنج، نئی دہلی، طبع اول، اگست ۲۰۰۴ء، (صفحات: ۵۲۷)

۲۔ القرآن الکریم: الم نشرح: ۹۴/۴

۳۔ تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، نئی دہلی، بار اول، ۱۹۸۴ء، ۹/۴۲۷

۴۔ القرآن الکریم: الاسراء: ۱۷/۷۹

۵۔ ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی، پہلی بار، ۱۹۷۰ء، ۴/۳۰۶۔۳۰۷

۶۔ القرآن الکریم: البقرہ: ۲/۶۱

۷۔ ہمارے رسول، دھرمیندناتھ، مرکز تحقیقات فارسی، رائزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، دہلی، نوچاپ اول، دہلی نو، بھمن ماہ ۱۳۸۹ھ ش/جنوری ۲۰۱۱ء، ص: ۳۴

۸۔ 'بہرزماں، بہرزماں صلی اللہ علیہ وسلم، ۶۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۳۳۶ غیر مسلم نعت گو شعراء کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں ادارہ فکر نو، کراچی سے شائع ہوا ہے۔

۹۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۳۸

۱۰۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۹۱

۱۱۔ اقبال سہیل کا تعلق ضلع اعظم گڑھ یوپی سے تھا۔ علی گڑھ کے مایہ ناز فرزندوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مرحوم ذاکر حسین (سابق صدر ہند) اور رشید احمد صدیقی کے دوستوں میں سے تھے۔ مولانا حمید الدین فراہی کے بھی نور نظر تھے۔ علی گڑھ میں مولانا کے سکریٹری تھے۔ مولانا پر آپ کا ایک مضمون اساسی حیثیت کا حاصل ہے۔ ''گنجہائے گراں مایہ'' میں آپ کی فارسی دانی

کا اعتراف کیا گیا ہے، ''کلیات سہیل'' سے آپ کی شعری عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ''الاصلاح'' کے معروف مقالہ نگاروں میں سے تھے۔ آپ کی نعت ''صلی اللہ علیہ وسلم'' دنیائے نعت میں گراں قدر اہمیت کی حامل ہے۔ افسوس کہ اپنے کام پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے وہ حوادث روزگار کی نذر ہو گیا۔

۱۲؎ نور احمد میرٹھی کی حیات و خدمات کے لیے دیکھیے، نور احمد میرٹھی، ابوسفیان اصلاحی، کانفرنس گزٹ، علی گڑھ، نومبر ۲۰۱۱ء، ۱۰/۱۱، ص: ۱۹۔۲۵

☆☆☆

چند سیرتی مباحث فکرِ فراہی میں

اللہ کے رسول ﷺ کے آثار مقدسہ اور اقدار مبارکہ کی معرفت کے تین مآخذ ہیں قرآن کریم، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ اور ان کے علاوہ آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کے اوصاف کا ذکر موجود ہے۔ مذکورہ تمام مآخذ میں قرآن کریم کو اولیت واسبقیت حاصل ہے، یہی کتاب عظیم آپ کی شخصیت کا تعین کرتی ہے اور عربوں کو سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ عظیم انسان دنیا کے تمام انسانوں سے ممتاز ومنفرد ہے۔ یہ زاویہ انفرادیت اب تک نہ کسی کو حاصل ہوا اور نہ ہی آئندہ حاصل ہوگا۔ مولانا فراہی نے سرور کونین ﷺ کی اس عظمت اور اس امتیاز کو یوں بیان فرمایا ہے:

> ”خداوند تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حسن خلق کا پیکر اور مکارم اخلاق کا معلم بنا کر بھیجا تھا۔ قرآن مجید میں ہے: "انك لعلى خلق عظيم" (تم ایک خلق عظیم کے مالک ہو) آپ کا خود ارشاد ہے: بعثت لاتمم مكارم الاخلاق (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں)
>
> تمام مکارم اخلاق کا شیرازہ تین چیزیں ہیں: فیاضی، صلہ رحمی، اور کمزوروں کی اعانت۔ عرب ہمیشہ سے ان باتوں کے خوگر تھے اس وجہ سے محمد ﷺ نے جب لوگوں کو توحید اور ہمدردی کی دعوت دی تو شرفاء عرب کی جماعت دعوت کے دوسرے جزء (ہمدردی بنی نوع انسان) سے ذرا بھی نہ کھٹکی، البتہ حمایت

شرک کے حوش اور انکار معاد نے دعوت کے پہلے جزء سے اس کو بیزار کیا اور وہ مخالفت پر کمر بستہ ہوگئی“ ؎

جب سردارانِ عرب کے سامنے یہ چیلنج آیا تو سب کے سب متحد و متفق ہو کر اس نئی آواز کو دبانے کے لیے کوشاں ہو گئے اور کتاب عظیم کی آیات کی تلاوت کے وقت نو جوانوں کو ہلڑ مچانے پر آمادہ کیا:

وقال الذی کفروا لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون (اور کافروں نے کہا اس قرآن کو سنو ہی مت (اس کے پڑھے جانے کے وقت) اور بیہودہ گوئی کرو کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ۔) تا کہ اس کی تاثیر وتعلیم کی ترسیل کے تمام راستے مسدود ہو جائیں، لیکن کفر و شرک کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں، سرداران عرب کو منھ کی کھانی پڑی اور ”فتح مبین“ کے سبب خانہ کعبہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ یوں جانیے کہ دنیا کے سب سے عظیم ترین مرکز ”مثابۃ للناس“ (لوگوں کے لیے جائے اماں) کے کلید بردار اللہ کے رسول ﷺ بن گئے۔ اور دنیا کے سب سے عظیم ترین شہر ”ام القریٰ“ کے نظم ونسق کے مالک اصحاب نبی ﷺ ہو گئے۔ مولانا فراہی کہ معرکۃ الآراء تصنیف ”فیمن ہو الذبیح“ اور ”مکاتیب شبلی“ کے مباحث سے مترشح ہے کہ مولانا فراہی نے ”بیت اللہ“ کی حقیقت پر قابل قدر روشنی ڈالی ہے۔ سورہ آل عمران کی آیات ۹۶۔۹۹ کو مولانا فراہی نے اپنی معروف کتاب ”فیمن ہو الذبیح“ میں نقل کرتے ہوئے کئی نکات کو اٹھاتے ہوئے یہود کی تحریفات کا ذکر کیا ہے۔ خانہ کعبہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے متعلق فرمایا:

”اس کے بعد اہل کتاب کو کفر وانکار پر تنبیہ فرمائی ہے۔ نیز بلد کا ذکر ”بکہ“ کے لفظ سے کیا جس کے معنیٰ ”بلدہ“ کے ہیں اور اسی لفظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے آنے کے بعد اسے پکارا تھا۔ اس طرح وہ تحریف آپ سے آپ بے نقاب ہوگئی جو مزمور ۸۴ میں ملتی ہے جہاں انھوں نے ”بکہ“ کو وادیٔ ”بکاہ“ کر دیا

ہے"۔[۲] قدیم صحیفوں میں یہی اس کا نام ہے۔ مکہ مکرمہ کو مولانا نے "مفردات القرآن میں بھی موضوع بحث بناتے ہوئے بتایا کہ اس کا مفہوم "مستعمرہ" یعنی آباد شدہ ہے جیسے بعلبک یعنی "بعل" کا مفہوم شہر اور "بک" دراصل فارسی کا "بغ" ہے جس کا مفہوم "بستان" ہے[۳] جیسا کہ بغداد میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ "بغ" کے متعلق ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ ایک دیوتا تھا جس کی وہاں کے لوگ پوجا کرتے تھے اس تصور کے ساتھ کہ وہ رازق ہے اسی لیے اس کے ساتھ "داد" لگا دیا گیا یعنی دینے والا دیوتا،[۴] یہی خیال "بعل" کے متعلق مولانا اصلاحی کا ہے کہ "بعل" اس دیوتا کا نام ہے جس کو حضرت الیاسؑ کی قوم پوجتی تھی، قرینہ دلیل ہے کہ کہ شہر "بعلبک" کا نام اسی دیوتا کی نسبت سے پڑا ہے اس لیے کہ "بک" مخفف ہے "بکہ" کا جس کے معنی شہر کے ہیں۔[۵]

قرآن کریم نے خانہ کعبہ کو "الکوثر" کہہ کر پوری طرح اس کی قدر و منزلت کو واضح کر دیا۔ یہی "بعلبک" آگے چل کر عربی میں "بقعۃ" ہو گیا ہے جو حقیقتاً فارسی ہے۔[۶] "الکوثر" بیت اللہ کو کیوں کہا گیا ہے اس پر مولانا فراہی کا استدلال نہایت مستند و مستحکم ہے۔

"الکوثر" کے متعلق مفسرین کے یہاں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں مثلاً قرآن، حکمت، اسلام، نبوت، حوضِ یا نہر جنت وغیرہ۔ مولانا فراہی نے ایک انفرادی رائے قائم کی ہے جس میں حوض کوثر جیسی فیض رسانی ہے، یعنی خانہ کعبہ جس کے فیضان سے ساری دنیا سرشار ہے۔ اس تعلق سے مولانا کی طویل بحث کا ایک حصہ یہاں نقل کرنا مناسب ہوگا:

"پچھلی فصلوں میں معلوم ہو چکا ہے کہ سلف نے کوثر آخرت کے بارہ میں اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ لفظ کی عمومیت اور صیغہ ماضی کی رعایت سے ان چیزوں کو بھی اس کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے، جو داخل ہو سکتی تھیں۔ تاکہ لفظ عام، وسیع اور اپنی دلالت میں اسم بامسمی (کوثر) ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے مفسرین نے اس میں مزید

جستجو اور کاوش جائز سمجھی۔ اگر اس کے متعلق کچھ کہنا بدعت وضلالت ہوتا تو وہ خاموش رہتے اور سلف بھی اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کرتے۔ اس وجہ سے اگر میں کسی ایسی تاویل کا سراغ لگاؤں جو دونوں کوثروں کو ایک کردے تو جس طرح میں سلف کو اس کی تاویل میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں پاتا، اسی طرح اپنے کو بھی ان کے خلاف نہ سمجھوں گا۔ البتہ یہ فرق ہوگا کہ انھوں نے اس کو عام قرار دے کر اس سے حوض یا نہر جنت سمجھی اور ان کے ماسوا ہر وہ چیز جس میں خیر کثیر ہو، مثلاً قرآن، حکمت، اسلام، نبوت، جن کو حوض یا نہر سے کوئی مناسبت نہیں ہے، مگر میں اس سے وہ چیز مراد لوں گا جس کو اس حوض یا نہر سے نہایت واضح مشابہت ہے جس کی کیفیات آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، اور جس کی حقیقت وروحانیت، شب معراج میں، آپ ﷺ کے سامنے بے نقاب ہوئی۔ کیوں کہ ثابت ہے کہ اس مبارک رات میں جب پروردگار عالم نے اس عالم آب وگل کی بہت سی چیزوں کے حقائق آپ کے لیے بے حجاب کیے تو اس کوثر کی روحانیت کا بھی آپ کو مشاہدہ کرایا جو اس دنیا میں آپ ﷺ کو بخشا گیا۔

عالِم غیب کے جو اسرار آپ پر بے نقاب ہوتے تھے، آپ کبھی ان کا ذکر تصریحاً فرماتے تھے۔ مثلاً سورہ بقرہ اور آل عمران کے متعلق فرمایا ''وہ دونوں بدلیوں کی شکل میں نمودار ہوں گی''۔ دنیا کی بابت فرمایا۔ وہ ایک پھوسٹ بڑھیا کی شکل میں آئے گی۔ موت کی نسبت فرمایا ''وہ ایک مینڈھے کی صورت میں آئے گی''۔ وہ کبھی صرف اشارہ فرمادیتے تھے تاکہ لوگ اس پر تدبر کریں، اور ان کے ذہن وعقل کو تربیت ہو۔ اس وجہ سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ محمد ﷺ نے تصریحاً کہیں یہ نہیں فرمایا کہ خانہ کعبہ، قیامت کے دن حوض کوثر کی شکل میں نمودار ہوگا، کیوں کہ آپ نے اس کی طرف اشارات فرمائے ہیں اور ہم کو ان اشارات پر غور وفکر کی ترغیب دی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم ان اشارات کی تفصیل کرتے ہیں جو ہمارے دعویٰ پر حجت ہیں۔

ا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے نفوس کے اندر، خدا کی طرف ایک فطری

شوق ورغبت موجود ہے۔ نفس انسانی اس چیز سے محروم رہ کر تسلی نہیں پا سکتا۔ انسان کی یہی فطرت مذاہب وادیان کے وجود کا باعث ہوتی ہے۔ اسی اشتیاق و بے قراری کا یہ نتیجہ ہے کہ تم دنیا کی کوئی قوم مذہب سے خالی نہیں پاتے۔

اب سوچو، اس فطری اشتیاق اور چاہ کی سب سے زیادہ موزوں تعبیر ''پیاس'' کے سوا اور کسی چیز سے ہو سکتی ہے؟ زبور میں یہی تمثیل اکثر استعمال ہوئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کو پیش نظر رکھ کر ان عاشقانِ توحید کے حال پر غور کرو جو حج کے ایام میں، بیت اللہ کے پاس سراپا شوق و آرزو ہو کر جمع ہوتے ہیں۔ کیا ان کی مثال، ان خشک لب پیاسوں کی نہیں ہے جو شدید تشنگی سے مضطر ہو کر کسی حوض کے پاس جمع ہو گئے ہوں؟ اگر یہ مشابہت واضح ہے تو لامحالہ خانہ کعبہ ان کے لیے دنیا میں اس حوض کوثر کی مثال ہے۔ جس پر میدانِ حشر میں وہ یکجا ہوں گے۔

۲۔ محمد ﷺ نے ہماری مسجدوں کو نہر سے تشبیہ دی ہے صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

ارأتیم لو ان نهرا بباب احد کم یغتسل فیه کل یوم خمسا (الحدیث)

بھلا بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو......

یہ تمثیل بھی ایک دوسرے پہلو سے پانی ہی کی تمثیل ہے پانی جس طرح سیرابی کا ذریعہ ہے، اسی طرح طہارت کا بھی ذریعہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہماری تمام نمازوں کا سرچشمہ بیت اللہ ہے۔ اس اعتبار سے ہماری تمام مسجدیں گویا اسی سرچشمہ کی نہریں ہیں، جن سے ہم سیرابی اور پاکی حاصل کرتے ہیں۔

۳۔ خانہ کعبہ کے اجتماع سے جس طرح دوسری امتوں کے مقابل میں، امتِ مسلمہ کی کثرت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح حوض کوثر پر اس کا اجتماع اس کی کثرت کے اظہار کا سبب ہوگا۔ اس کثرت کے ظاہر کرنے کی بہترین صورت یہی تھی کہ کسی ایک

مخصوص مقام پر اس کا اجتماع ہو، دوسری امتیں اس اجتماع سے اندازہ کرتی ہیں، کہ زائرینِ بیت اللہ کا یہ متلاطم سمندر اس بحرِ بیکراں کا صرف ایک قطرہ ہے، جو پوری سطح ارض پر پھیلا ہوا ہے۔ پس جس طرح حوض کوثر پر اس کے اجتماع سے دوسرے انبیاء کی امتوں پر اس کی کثرت واضح ہوگی، اسی طرح موسمِ حج میں، خانہ کعبہ کے پاس اس کا اجتماع اظہارِ کثرت کا ایک جلوہ ہے۔ غور کرو لفظ کوثر ان دونوں کی مطابقت کو کس طرح واضح کر رہا ہے۔

۴۔ محمد ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ اپنی امت کو حوض کوثر پر وضو کے آثار سے پہچانیں گے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ خلوص قلب کے ساتھ اس گھر کی زیارت کریں گے وہی لوگ آخرت میں اس حوض پر آئیں گے جو اس گھر کی حقیقت ہے۔

۵۔ فتح مکہ کو خدا نے امت کی کثرت کا سبب بنایا۔ چنانچہ حج اکبر کے بعد لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔

۶۔ مسجد حرام کو خدا نے مبارک (سرچشمہ خیر و برکت) کہا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ (آل عمران:۹۶)

بلاشبہ خدا کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے تعمیر ہوا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، سرچشمہ خیر و برکت اور لوگوں کے لیے ہدایت

اس گھر کو خدا نے ایسی برکت سے نوازا کہ تمام عالم اس کی برکتوں سے مالا مال ہوا۔ جیسا کہ ابراہیم خلیل سے وعدہ کیا گیا تھا، حضرت اسماعیل کی ذریت میں خدا کی برکت حضرت اسحٰق کی ذریت سے زیادہ ہوئی۔ اس اجمال کی تفصیل سورہ فیل میں گزر چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام برکتیں اسی بیت اللہ اور نماز و قربانی کا ثمرہ ہیں۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ خدا نے قرآن کو بھی مبارک کہا ہے۔ اس وجہ سے حوضِ کوثر کے ساتھ قرآن کی مشابہت بھی واضح ہے۔ لیکن یہ شب صحیح نہیں ہے۔ قرآن

کو مبارک دوسرے پہلو سے کہا گیا ہے۔ جس طرح بارش کو خدا نے مبارک کہا ہے، اسی طرح قرآن کو بھی مبارک کہا ہے۔ بارش آسمان سے برس کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے اور قرآن نے آسمان سے نازل ہو کر مردہ دلوں کو زندہ کر دیا۔ قرآن کو مبارک کہنے میں حوض سے مشابہت کا کوئی پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن کی عظمت اور بے پایاں وسعت کے لحاظ سے یہ تشبیہ بلاغت کے خلاف ہے۔

۷۔ یہ سورہ صلح حدیبیہ کے دن نازل ہوئی ہے جو فتح مکہ، حج، نماز، قربانی، غلبۂ اسلام اور کثرت امت کا فتح باب ہے۔ یہاں تک کہ خدا نے اس صلح کو ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا۔ سورہ کے زمانہ نزول پر، چودھویں فصل میں مفصل گفتگو ہوگی۔

۸۔ محمد ﷺ نے اس حوض کے ایک گوشہ کے متعلق خبر دے کر باقی کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے:

''قال علیہ السلام بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة ومنبری علی حوضی''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مبارک سرزمین، جس میں حجاج یک جا ہوتے ہیں، اس حوض کوثر کی شکل اختیار کر لے گی جس کی محمد ﷺ نے خبر دی ہے میرے نزدیک بخاری کی مندرجہ ذیل روایت (مذکورہ نمبر ۹) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

۹۔ نبی ﷺ ایک دن نکلے، ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر تشریف لائے (یعنی منبر مسجد پر) اور فرمایا:

''انی فرط لکم وانا شھید علیکم وانی۔ واللہ لانظر الی حوضی الان وانی اعطیت مفاتیح خزائن

الارض او مفاتیح الارض وانی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیہا“

میں تمہارے لیے حوض پر آگے جانے والا ہوں، اور تمہارے لیے شہادت دوں گا، اور قسم خدا کی میں اس وقت اپنے فرض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں یا (راوی کو شبہ ہے) آپ نے یہ فرمایا کہ زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اور مجھے، خدا کی قسم تم سے اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ بھاگ دوڑ طلب دنیا کی راہ میں ہو جائے۔

”فرط“ عربی میں، اس شخص کو کہتے ہیں جو حوض پر پہلے سے پہنچ کر قافلہ کے لیے ڈول اور رسی وغیرہ کا انتظام کر کے حوض کو بھر رکھتا ہے۔ ”شہید علیکم“ سے یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کو پہچانیں گے، اور جو لوگ آپ ﷺ کی امت میں سے ہوں گے ان کے امت میں سے ہونے کی گواہی دیں گے، یہ آپ ﷺ کی طرف سے شفاعت ہو گی۔

ان لفظوں میں آپ نے ان حالات کو بیان فرمایا جو آخرت میں پیش آئیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے اشارہ فرما دیا کہ اس حوض کوثر کی ظاہری مثال آپ کے سامنے ہے۔ کیوں کہ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، آپ کا منبر آپ ﷺ کے حوض کے اوپر ہے۔ اور یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں، تو اس سے فتح مکہ کے اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا، چنانچہ فتح مکہ تمام زمین اور اس کے خزانوں کی فتح کا دیباچہ ثابت ہوئی۔

۱۰۔ محمد ﷺ نے ظاہر فرما دیا ہے کہ آپ ﷺ کے حوض کا طول مکہ اور مدینہ کے مابین مسافت جتنا ہے اس لطیف اشارہ سے ارض حرم اور آپ ﷺ کے حوض کی

مطابقت بھی واضح ہوگئی۔

لیکن اس جگہ ایک شخص کے دل میں خدشہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مراد یہی تھی تو اس کو کھول کر کیوں نہیں فرما دیا: اس کا جواب یہ ہے کہ اس حقیقت کی تعبیر کے لیے قرآن مجید نے جو لفظ انتخاب کیا ہے، وہ بے شمار حقائق و معارف کا گنجینہ اور ہمارے لیے دعوت تفکر ہے۔ یہ ایک لفظ امت کی کثرت، مکہ کی فتح، ایامِ حج میں خانہ کعبہ کے پاس، اور محشر میں حوض کوثر پر، امت کے اژدحام کو بیک وقت ظاہر کر رہا ہے۔

یہ تمام اشارات ہم نے اس مقصد کی تمہید و تائید کے لیے یکجا کیے ہیں جو نظم کلام سے واضح ہو رہا ہے اور جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلی فصلوں میں آئے گی۔

اس تھوڑی دیر توقف کر کے حوض کوثر کی شکل و ہیئت پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سے بھی ہمارے مذکورہ نظریہ کی تائید ہو رہی ہے کہ کوثر آخرت درحقیقت خانہ کعبہ اور اس کے ماحول ہی کی روحانی تصویر ہے''۔[۷]

سیرت پاک کے تعلق سے مولانا فراہی کی یہ تفسیر حد درجہ مؤید و معاون ہے۔ یہاں یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے ''سیرۃ النبی'' کی ترتیب و تسوید میں مولانا فراہی سے خاصا استفادہ کیا ہے۔ جس پر ''مکاتیب شبلی'' کے صفحات دال ہیں۔ اسی طرح سیرۃ النبی کے بہت سے قرآنی مباحث میں بھی علامہ نے مولانا فراہی سے استفسار کیا۔ صفا و مروہ، رمی جمار اور حج بیت اللہ کے تعلق جیسے مسائل میں مولانا فراہی سے دریافت کیا گیا۔ سیرۃ النبی کی عظمت و رفعت میں مولانا کا غیر معمولی حصہ رہا ہے۔ اس کی طرف مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اشارہ کیا ہے:

''مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے سیرت النبی میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام پر جو معرکہ آرا بحث لکھی ہے وہ تمام تر اسی رسالہ 'فیمن ہوالذبیح' سے ماخوذ ہے۔ میرے قلم سے اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔[۸]

خاکسار نے بھی اپنے ایک مضمون میں اس مسئلے کو موضوع بحث بنایا ہے

۔ملاحظہ ہو:

''علامہ شبلی سیرۃ النبی کی تالیف کے دوران مولانا فراہی کی قرآن دانی، عبرانی زبان سے ان کی واقفیت اور کتب سماوی پر ان کی محققانہ نظر کی وجہ سے ان مقامات پر جہاں اہلِ کتاب اور مستشرقین کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے زبور، تورات اور انجیل سے صرف نظر کرنا ناممکن تھا مولانا فراہی سے رجوع کرتے تھے۔ مثلاً ذبح اسماعیل سے اہلِ کتاب کے انکار اور اس کے بجائے حضرت اسحاق کو ذبیح قرار دینے سے متعلق ان کو سات خطوط لکھے۔ مقام قربانی کے تعین کے بارے میں صحف سماوی کی روشنی میں تحقیقی نتائج بھیجنے کے لیے دو اور مسکن اسماعیل کے سلسلہ میں اہلِ کتاب کے مزعومات سے متعلق اپنی تحقیقات ارسال کرنے کے لیے دو خط تحریر کیے۔ علاوہ ازیں مکہ کی وجہ تسمیہ ،کتب سماوی میں اس کے تذکرہ تلفظ اور معنی سے متعلق اہلِ کتاب کی فریب کاریوں کے بارے میں بھی مولانا فراہی کو تین خطوط لکھ کر ان کی تحقیقات طلب کیں، علامہ شبلی نے سیرۃ النبی ﷺ میں آنحضرت ﷺ کی ازواج پر قلم اٹھایا تو خاص طور سے ان واقعات کے بارے میں مولانا فراہی کو تین خطوط تحریر کیے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ صلح حدیبیہ اور سورہ برأۃ کے نزول سے اس کے تعلق پر روشنی ڈالنے کے لیے علامہ نے ان سے متعدد خطوط میں استفسار کیا۔ سیرۃ النبی کی تالیف کے دوران علامہ نے کل ملا کر بائیس خطوط مولانا فراہی کو لکھے ہیں، جس کے جواب میں وہ اپنے گراں قدر نتائج تحقیق علامہ کو بھیجتے تھے جس کی شہادت خود مکاتیب شبلی سے ملتی ہے۔ حق یہ ہے کہ سیرۃ النبی ﷺ

میں شیر شبلی سے قند فراہی کو الگ نہیں کیا جاسکتا"۔ ۹

مولانا فراہی حواشئِ قرآن تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم اور فیمن ہو الذبیح میں سیرت پاک کے بہت سے اہم گوشے موجود ہیں اور یہ وہ گوشے ہیں جو تحریفات اور موضوع احادیث سے پاک ہیں۔ مولانا فراہی دراصل ایک ایسی سیرت پاک ترتیب دینا چاہتے تھے۔ جس کی اساس قرآن کریم ہو، سیرت سے متعلقہ احادیث کو بھی قرآن کریم کے تناظر میں دیکھا جائے۔ سیرت پاک کے نام پر احادیث کا انبار ہے، اس میں بے شمار ایسی احادیث ہیں جن سے سیرت مبارکہ کی تصویر بگڑتی ہے اور آپ کے بشر ہونے پر شک ہونے لگتا ہے جب کہ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی بشریت "انما انا بشر مثلکم" (آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں) کا ببانگ دہل اعلان کیا ہے۔ سرسید سیرت پاک کا ایک مستند اور غیر مشکوک خاکہ پیش کرنے پر قادر تھے۔ سرسید کی "تبیین الکلام" مولانا عنایت رسول کی "بشریٰ" اور مولانا فراہی کی "فیمن ہو الذبیح" میں سیرت پاک کے بہت سے اہم پہلو موجود ہیں۔ عصر حاضر میں مرحوم خالد مسعود نے "حیاتِ نبی امی" لکھ کر مولانا فراہی کی خواہش کی تکمیل کی ہے۔ اپنے تمہیدی کلمات میں رقم طراز ہیں۔ اس آیت کریمہ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْراً . رَّسُولاً يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (الطلاق: ۶۵/۱۰۔۱۱) (یقیناً اللہ نے تمہاری طرف نصیحت اتار دی ہے (یعنی) رسول جو تمہیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے، تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے) میں رسول کو ذکر، یعنی قرآن مجید کے بدل کے طور پر پیش کیا ہے، گویا قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایک الفاظ کی شکل میں ہے تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں" ۱۰

مولانا فراہی کی تفسیر "نظام القرآن تفسیر الفرقان بالفرقان" میں بہت سی

آیات کریمہ کی تفاسیر سیرت مطہرہ کی تصریحات میں گراں قدر اہمیت کی حامل ہیں۔ مثلاً آیت کریمہ ''ووجدك ضالاً فهدى'' میں ''ضالاً'' کی تفسیر بیشتر مفسرین نے ''بھٹکا ہوا'' کیا ہے جس میں شان نبوت کی توہین ہے۔ حضرت محمد ﷺ قبل نبوت بھی صادق وامین تھے۔ مولانا فراہی نے اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے:

''اتصال هاهنا من يلتمس الطريق لا من يتغافل عنها والاول ممدوح والثاني مذموم'' [۱] (ضال کا مفہوم یہاں یہ ہے کہ جادۂ حق کی تلاش میں سرگرداں ہو اور وہ شخص ہرگز مراد نہیں جو اس سے غفلت برتتا ہو، جادہ حق کا متلاشی قابل تعریف اور جادہ حق سے لاپرواہ قابل مذمت ہے) جب کہ اس کا لغوی مفہوم بھی یہی ہے۔ اس لفظ سے دراصل آپ ﷺ کی وارفتگی اور اضطراب کی عکاسی مقصود ہے۔ آپ ﷺ دراصل اس حق اور اس نبوت کی تلاش میں سرگرداں تھے جس کی بنیاد پر اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکالنے کے لیے بے چین تھے۔ یہی بے چینی آپ کو ہلکان کیے جارہے تھی جس کی تصویر قرآن کریم میں یوں پیش کی گئی ہے: لعلك باخع نفسك الا يكونوا مؤمنين (ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھودیں گے) اسی تلاش وجستجو اور آپ ﷺ کی انتہائی فکرمندی کی تعبیر ''ضالاً'' سے کی گئی ہے۔ مولانا فراہی نے اس کے لیے نہایت موزوں لفظ استعمال کیا ہے۔ صاحب تدبر قرآن نے اسے مزید کھول کر بیان کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''جویائے راہ پایا تو راہ دکھائی'' اس میں حالت خاص کی عکاسی اور لغت کی رعایت دونوں شامل ہیں۔ اس کی تفسیر تدبر قرآن میں یوں کی گئی ہے:

> ''معلوم ہے کہ آپ جو رسوم وروایات خاندان کے بزرگوں سے وراثت میں ملیں ان پر آپ کی سلیم فطرت ایک لمحہ کے لیے بھی مطمئن نہ ہوسکی اور دوسری کوئی ایسی روشنی تھی نہیں جو آپ کے لیے سرمایہ تسکین بن سکتی۔ آسمانی مذاہب کے پیرو جو آپ کے گردوپیش تھے ان کا حال البقرہ، آل عمران اور دوسری مدنی

سورتوں سے واضح ہو چکا ہے کہ ان کے عقائد و اعمال اس قدر مسخ ہو چکے تھے کہ کوئی جویائے حقیقت ان سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس صورتِ حال نے آپ کو ایک شدید قسم کی ذہنی کشمکش میں ڈال دیا تھا۔ آپ کی اسی کشمکش کو یہاں ووجدك ضالا کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ''ضال'' یہاں گمراہ کے معنی میں نہیں بلکہ ''جویائے راہ'' کے معنی میں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام بعثت سے پہلی بھی فطرتِ سلیم پر ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے ابتدائی دور میں بھی فطرت کی بدیہیات سے کبھی منحرف نہیں ہوتے لیکن فطرت صرف عقائد و اعمال کی موٹی موٹی باتوں ہی میں رہنمائی کر سکتی ہے۔ تمام عقائد اور ان کے سارے تضمنات ولوازم کی نہ وہ تشریح کر سکتی اور نہ تمام اعمال واخلاق کی صحیح صحیح حد بندی اس کے بس میں ہے اسی وجہ سے فطرت پر ہونے کے باوجود ایک شخص یہ جاننے کا محتاج ہی رہتا ہے کہ جس خدا کے وجود پر اس کا دل گواہی دے رہا ہے اس کی صفات اور ان صفات کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں؟ اس کے کیا حقوق بندے پر عائد ہوتے اور وہ کس طرح ادا کرتے ہیں؟ زندگی کی ایسی ضابطہ بندی کس طرح کی جائے کہ وہ پوری کی پوری اپنے بعید ترین گوشوں میں بھی، خالق کی پسند کے مطابق ہو جائے؟ جب تک یہ سوالات حل نہ ہوں اس وقت تک نہ انسان کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکتا اور نہ رب کے ساتھ اس کا تعلق ہی استوار ہو سکتا۔ یہی سوالات ہیں جو پوری شدت کے ساتھ نبی ﷺ کے دل پر زندگی کے اس دور میں مستولی تھی جس کی طرف ''ووجدك ضالا'' کے الفاظ اشارہ کر رہے ہے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت نہ ضلالت کی ہے اور نہ اس کو ہدایت سے تعبیر کرسکتے ہیں بلکہ صحیح الفاظ میں یہ جستجوئے راہ کی سرگردانی ہے۔ گویا ایک شخص چوراہے پر کھڑا ہو اور فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ کس سمت میں قدم بڑھائے۔ بعثت سے پہلے غارِ حرا کی تنہائیوں میں آپ انہی گتھیوں کو سلجھانے میں گم رہے''۔[۱۲]

محترم مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ نے ''ضالا'' کا ترجمہ ''خودرفتہ'' کیا ہے جو انتہائی مناسب ہے لیکن آیت کا ترجمہ ''اور تمھیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی'' نظم قرآن کی روشنی میں مناسب نہیں ہے کیوں کہ یہاں محبت کی وارفتگی نہیں بلکہ تلاش ہدایت کی وارفتگی ہے۔ مولانا نے اس تفسیر کی وضاحت میں صوفیہ کا نقطہ نظر بھی نقل کیا ہے کہ ''ضال'' سے جذب اور ہدایت سے سلوک مراد ہے[۱۳] اس متصوفانہ تفسیر کا بھی قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محترم مولانا بریلوی نے لفظ ''اتصال'' پر لغوی گفتگو کرتے ہوئے جو اس کے پانچ معانی بتائے ہیں وہ یقیناً لائق ستائش ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ لغوی مباحث میں ''کنز الایمان'' سے استفادہ کیا جاتا۔ لیکن افسوس کہ ایک بڑا طبقہ اسے لائق اعتناء تصور نہیں کرتا۔ جب کہ محققین کو ہر مکتب فکر سے استفادہ کرنا چاہیے۔

آنحضور ﷺ کی مختلف صفات کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ان میں سے ایک صفت ''شہید'' ہے، مولانا فراہی کا خیال ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی ایک بڑی منصبی ذمہ داری ہے[۱۴] ایک روایت میں وارد ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن کریم پڑھو تو انھوں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ کی ذات گرامی نے تو اسے مجھے پڑھایا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے سننے کا خواہش مند ہوں تو انھوں نے سورہ نساء کی آیت: ''فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنابک علی ھؤلاء شہیداً'' تلاوت شروع کردی اور جب میں اس آیت تک پہنچا تو رسول اللہ ﷺ رونے لگے تو میں نے

تلاوت کرنی بند کر دی۔[۱۵]

ایک دوسری جگہ تعلیقات ہی میں مولانا نے ''شہید'' کو رسول کی مانند بتایا ہے۔ اس لیے تمام انبیاء کو ''شہداء'' کہا گیا ہے۔ پھر یہی شہید رقیب اور محافظ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ سورہ المائدہ کے آخیر میں دیکھا جاسکتا ہے۔[۱۶]

مولانا اصلاحی نے اس کی مزید صراحت یوں کی ہے:

''قوم کے اس لیڈر، ترجمان اور نمائندہ کو کہتے ہیں جو اہم مواقع پر اس کی ترجمانی اور نمائندگی کرتا ہے۔ اور اس کا حمایتی بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ یہ حمایتی انسانوں میں سے بھی ہو سکتے تھے، اور اہل عرب کے اعتبار کے مطابق جنوں میں سے بھی ہو سکتے تھے عرب جاہلیت میں شاعروں اور خطیبوں کی بڑی عزت و عظمت تھی کیوں کہ یہی لوگ تمام اہم واقع پر قومی محافظ بن کر کھڑے ہوتے تھے۔ مشرکین عرب یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوا کرتا ہے جو اس کو شعر الہام کرتا ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کے متعلق بھی یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ بھی اسی قسم کے الہام کا کرشمہ ہے''۔[۱۷]

مولانا فراہی نے اپنی مختلف تصانیف میں سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ مثلاً سیرت پاک کا ایک اہم موضوع ''ترتیب قرآن'' ہے۔ اس حوالے سے مولانا فراہی نے نہایت جامع بحث کی ہے اور ترتیب قرآن کو توقیفی قرار دیا ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیت ''إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون'' کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ قرآن کریم تمام تحریفات اور اضافات سے محفوظ ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس کی تفصیل یہاں نقل کر دی جائے۔

''ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کسی کمی بیشی یا کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ یہ باتیں قرآن مجید کی حفاظت کے منافی ہیں۔ چنانچہ قرآن

مجید کے متعلق یہ امر مسلم ہے کہ وہ پوری طرح محفوظ ہے۔ نہ اس میں ایک نقطہ کا اضافہ ہوا ہے نہ ایک شوشہ کی کمی واقع ہوئی ہے۔ یہ جو امامیہ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ غائب کر دیا گیا تو یہ بات ان کے اکابر علماء کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔ سید مرتضیٰ شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی، ابوعلی طبرسی صاحب مجمع البیان، محمد بن علی بن بابویہ قمی سب نے اس لغو خیال کی پوری شدت کے ساتھ تردید کی ہے۔ محمد بن علی بن بابویہ قمی کہتے ہیں ''ہمارا عقیدہ ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا بعینہ وہی قرآن ہے جو مابین الدفتین امت کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ قرآن مجید اس سے زیادہ ایک حرف نہیں تھا جو شخص ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ ہم قرآن مجید کے اس سے زیادہ ہونے کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے اس بارہ میں ان کے ہاں جو روایات ہیں ان کے متعلق سید مرتضیٰ کہتے ہیں ''امامیہ اور حشویہ میں سے جن لوگوں نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے، ان کے اختلاف کی کوئی وقعت نہیں ہے، ان کے سارے اختلاف کا مدار اصحاب روایات کی چند ضعیف روایات پر ہے جن کو یہ حضرات صحیح سمجھتے ہیں، حالاں کہ ان روایات کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ ان کی بنیاد پر ایک ایسی بات سے انکار کر دیا جائے جس کی صحت قطعیت کی ساتھ معلوم ہے۔ سید مرتضیٰ نے اس پر دوسری دلیلیں بھی قائم کی ہیں لیکن یہاں ہم ان کی تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہماری کتاب ''تاریخ القرآن'' میں تمام ضروری تفصیلات ملیں گی۔ یہاں ہم مسئلہ سے اسی حد تک بحث کرنا چاہتے ہیں۔ جتنا سورہ کے اس مقام کی توضیح کے لیے ضروری ہے۔

آیت ''ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأنه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه'' سے تین باتیں نہایت واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جمع ہو کر ایک خاص ترتیب سے آپ کو سنا دیا جائے گا۔ اگر یہ وعدہ آپ کی وفات کے بعد پورا ہونے والا ہوتا تو آپ کو قرأت کی پیروی کا حکم نہ دیا جاتا۔ فاذا قرأنه فاتبع قرآنه (پس جب ہم اس کو

سنادیں تو اس کی پیروی کر)

(۲) آپ کو حکم تھا کہ جمع قرآن کے بعد دوبارہ جس طرح آپ کو قرآن سنایا جائے اس طرح آپ اس کو پڑھیں۔ اور یہ بات عقلاً ونقلاً دونوں اعتبار سے بالکل غلط معلوم ہوتی ہے کہ آپ پر کوئی بات وحی کے ذریعہ سے آئے اور آپ اس کو امت کو نہ پہنچائیں عقلاً تو اس کی غلطی بداہتاً واضح ہے، کسی تفصیل کی ضرورت ہی نہیں۔ نقلاً یہ یوں غلط ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم
تفعل فما بلغت رسالتہ (المائدہ)

[اے رسول جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتارا گیا ہے
اس کو پورا پورا پہنچادو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو ہم نے (گویا)
اس پیغام کو نہیں پہنچایا جو تم کو دیا گیا۔]

یہ ایک عام حکم ہے کہ اس حکم عام کا تقاضا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کو اس ترتیب کے مطابق قرآن سنایا ہو جو ترتیب پر اس کی آخری قرات ہوئی ہے۔ اور یہ ترتیب وہی ترتیب ہوگی جو لوح محفوظ میں ہے۔ کیوں کہ آخری قرأت کا اصل کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہونا ضروری ہے۔

(۳) تیسری بات یہ نکلتی ہے کہ اس جمع وترتیب کی بعد اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں بھی بیان فرمادیں جو تعمیم وتخصیص یا تخفیف وتکمیل سے تعلق رکھتی تھیں۔

یہ باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں اور ان کی تصدیق روایات سے ہوتی ہے کہ یہ تمام باتیں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ قرآن مجید کی پوری پوری سورتیں لوگوں کو سناتے تھے اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ آپ کو وہ اس خاص ترتیب پر سنائی گئی ہوں اور صحابہ نبی ﷺ کی اس پیش کردہ ترتیب کے مطابق قرآن مجید کو سنتے اور محفوظ کرتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہے کہ آپ ﷺ خاص خاص آیتوں کو خاص خاص سورتوں میں خاص خاص مقامات پر لکھواتے تھے اور صحابہ اس کی پابندی

فرماتے تھے۔ پھر جب کوئی توضیحی آیت اترتی تو آپ اس کو بھی قرآن مجید میں لکھواتے اور ان کے لکھوانے میں دو اصول ملحوظ رکھے جاتے یا تو وہ ان آیات کے ساتھ ملادی جاتیں جن کی وہ تشریح کریں۔ یا سورہ کے آخر میں رکھ دی جائیں، اگر ان کا تعلق سورہ کے مجموعی مضمون سے ہوتا"۔ ۱۸

مولانا حمیدالدین فراہی نے اپنی معروف کتاب ''مفردات القرآن'' میں بہت سے الفاظ کی تشریح وتفسیر کی ہے۔ جن سے سیرت النبی کی پھوٹتی ہوئی شعائیں مشام جاں کو معطر کردیتی ہیں۔ ''خاتم النبیین'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ پر آکر سلسلہ نبوت ختم ہوجاتا ہے۔اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

''ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد'' (الصف:۶۱/۶)

[اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمھیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔]

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بعد نبی اسرائیل سے نبوت ختم ہوکر بنو اسماعیل میں آجاتی ہے۔اور یہاں بھی حضرت محمد ﷺ پر ابداً ختم ہوجاتی ہے اور خود نبی ﷺ نے فرمایا میرے بعد صرف پاکیزہ خواب باقی رہیں گے۔ ۱۹

مدینۃ النبی پر بھی مولانا نے روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ اس کا قدیم نام ''یثرب'' تھا جیسا کہ سلامہ بن جندل کا شعر ہے:

ألا هل أتى أفناءَ خِندِفَ كلَّها

وعَيلانَ اذ ضَمَّ الخميسَين يثرب ۲۰

اس کے علاوہ بھی مولانا فراہی نے بطور استدلال عبید بن الابرص کے اشعار نقل کیے ہیں، چوں کہ پہلی مرتبہ یہاں یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوض بن ارم بن سام بن نوح نے یہاں سکونت اختیار کی، اس لیے اسی نام سے اس کی شہرت ہوئی۔ یثرب ایک عظیم شہر تھا، لیکن جیسے جیسے بنو یثرب کی تعداد گھٹتی

گئی ایسے ہی رفتہ رفتہ یہ نام ذہنوں سے محو ہوتا گیا۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس پر ''مدینۃ الرسول'' کی چھاپ ہمیشہ کے لیے لگ گئی۔ اور اس کا یہ تقدس دائمی ہو گیا۔[۲۲]

یہ بات اسلامیات کے حوالے سے خاصی موضوع بحث رہی ہے کہ ''وسیلہ'' کا کیا مفہوم ہے؟ ایک طبقہ عشق رسول ہی کو حقیقی وسیلہ تصور کرتا ہے اور اسی کو اپنی اخروی نجات سمجھ سکتا ہے۔ ایک مکتبۂ فکر کے نزدیک یہ تصور لایعنی ہے اگر قرآن کریم کی مدد سے اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو یہ تنازع پیدا نہ ہوتا۔ مندرجہ سطور میں اس کی حقیقی تصویر ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

سورہ المائدہ کی آیت کریمہ ''یَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوا اتَّـقُوا اللّٰهَ وَابْتَـغُـوا إِلَيْـهِ الْـوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوا فِيْ سَبِيْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ''(المائدہ: ۵/ ۳۵) میں آئے ہوئے کلمہ ''الوسیلۃ'' کے متعلق مولانا فراہی کا خیال ہے کہ دربار خداوندی میں رسائی کے ذرائع زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ ہیں، لیکن کفار اس رسائی کے لیے چاہے کتنا ہی خرچ کریں، خواہ زمین کی ساری دولت ہی لٹا دیں پھر بھی اس کا حصول ان کے لیے ناممکن ہے۔[۲۳] اسی آیت کی مزید تشریح اس طرح بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

''وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کرو جس سے تمھیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں ''ان الـوسيـلة التـي هـي الـقـربة تـصـدق عـلى التقوى وعلى غيرها من خصال الخير التي يتقرب العباد بها الى ربهم '' (وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے، تقویٰ اور دیگر خصال خیر پر صادق آتا ہے، جن کے ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں) اسی طرح منہیات و محرمات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے منہیات و محرمات کا ترک بھی قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ لیکن جاہلوں نے اس حقیقی وسیلے کو چھوڑ کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔[۲۴] البتہ حدیث میں اس مقام محمود کو بھی

وسیلہ کہا گیا ہے جو جنت میں نبی ﷺ کو عطا فرمایا جائے گا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: جواذان کے بعد میرے لیے یہ دعائے وسیلہ ''اللّٰہ رب ھذہ الدعوۃ التامۃ، والصلوٰۃ القائمۃ، آتِ محمداً الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محموداً الذی وعدتہ''۔ پڑھے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔

اس طرح مولانا فراہی کی تصانیف میں بے شمار سیرتی مباحث بکھرے ہوئے ہیں، علامہ شبلی کی سیرۃ النبی کی ترتیب میں جا بجا آپ کی مساعیٔ مشکورہ شامل ہیں۔ مناسب ہوگا کہ مولانا کے ان خیالات کو مونوگراف کی شکل میں پیش کیا جائے، یہ چیز شائقینِ سیرۃ النبی کے لیے مفید ہوگی۔ مولانا فراہی قرآن کریم کی بنیاد پر سیرۃ النبی کو ترتیب دینے کے خواست گار تھے لیکن افسوس کہ اپنے اس منصوبے میں رنگ نہ بھر سکے۔ اس منصوبے کو خالد مسعود نے ''حیات رسول امی'' کے عنوان سے پائے تکمیل کو پہنچایا جو سیرتی لٹریچر میں منفرد نوعیت کا حامل ہے۔ اس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ سیرۃ النبی سے متعلقہ بہت سی موضوع روایات پر علمی انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے جیسا کہ رقم طراز ہیں: ''میری یہ کوشش رہی ہے کہ کتب سیرت کی روایات سے بھی بھرپور استفادہ کروں۔ بالعموم میں نے ان کو سیرت نگاروں کی تحقیق و بیان کی روشنی میں قبول کرلیا ہے۔ لیکن جہاں کوئی روایت رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت کی موافق نظر نہیں آتی وہاں میں نے اس کا سقم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان تمام اعتبارات سے قارئین اس کتاب کو دوسری کتب سیرت سے مختلف پائیں گے۔ لیکن انشاء اللہ اس کی ہر بحث دلائل وشواہد سے تہی دامن نہیں ہوگی''۔[۲۶]

دوسرا ایک امتیاز یہ ہے کہ ترتیب قرآن کریم پر گراں قدر روشنی ڈالی گئی ہے۔[۲۷] جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ بہرکیف سرسید نے سیرۃ النبی پر جس محققانہ طرز کو اپنایا تھا اسی کو علامہ شبلی نعمانی، مولانا فراہی اور خالد مسعود نے اپنے اپنے انداز سے آگے بڑھایا ہے۔

سیرۃ النبی کے تعلق سے مولانا حمید الدین فراہی کا ایک اہم رسالہ ''آنحضرت

کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب'' ہے جس میں اہل کتاب اور مستشرقین کی علمی خیانتوں اور فتنہ پردازیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب کے لیے ضروری ہے کہ مرتب عبرانی زبان سے واقف ہو۔ کیوں کہ اس کے بغیر توریت وغیرہ سے استفادہ ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اہل کتاب کی تحریفات کو تشت از بام کیا جاسکتا ہے آنحضورﷺ کا نسبی سلسلہ بنی اسماعیل سے ملتا ہے اس لیے یہود کی کوشش یہ رہی کہ مختلف طریقوں سے بنی اسرائیل کو ہیٹا دکھایا جائے۔ جس کے لیے انھوں نے بائبل میں تحریف سے گریز نہ کیا مولانا نے توریت میں مذکورہ نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام کا پیش کرتے ہوئے اصل حقیقت کو منظر عام پر لانے کی سعی کی ہے اور اس کی خامیوں پر گرفت کی گئی ہے۔ اس رسالہ میں سرزمینِ حجاز میں بنی اسرائیل کے قیام اور خانۂ کعبہ کی تعمیر کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ تاکہ اللہ کے رسولﷺ کے نسبی سلسلہ میں کوئی شبہہ باقی نہ رہے اور یہ بتایا جاسکے کہ بنی اسماعیل ہی نے بیت عتیق کو دوبارہ تعمیر کیا اور اسے مرکز توحید بنانے میں اپنی تمام تر توجہات کو صرف کردیں۔

اس رسالہ میں مولانا فراہی نے یہود و نصاریٰ کے مندرجہ شبہات کے ازالہ کی مستند کوشش کی ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب میں نہیں آئے اور نہ ہی حجاز میں آباد ہوئے۔ بیر شبع بیت المقدس کے پاس میں ہے۔

۲۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح تھے اور جس پہاڑ پر ان کو ذبح کیا وہ مہور یا پہاڑ ہے جو بیت المقدس میں ہے۔

۳۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مع ان کی والدہ ہاجرہ کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گھر سے نکال دیا تھا اور وہ فاران کے بیابان میں جو حجاز سے باہر شمال عرب میں ہے چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔

۴۔ ہاجرہ ایک مصری لونڈی تھیں اور اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی انھوں نے ایک مصری عورت سے کردی۔

مذکورہ اعتراضات یہود کی طرف سے تھے اور مندرجہ اعتراضات نصاریٰ کی جانب سے تھے۔

۵۔ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کچھ سروکار نہیں یہ بت پرست عرب کا ایک مندر تھا اور چوں کہ عرب پر اس کا انہدام کرنا شاق ہوتا اس لیے اگرچہ محمد ﷺ نے بتوں کو توڑا اور بت پرستی کو مٹایا مگر بت خانہ کو مع اس کے رسوم کے مجبوراً رہنے دیا اور ضروری اصلاح پر اکتفا کیا۔

۶۔ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نہیں ہیں یہ دعویٰ صرف قرآن میں کیا گیا ہے جیسا کہ خانہ کعبہ کو بنیاد ابراہیمی کہا گیا ہے۔

۷۔ کتاب استثناء میں یہ مذکور ہے کہ فاران سے نور الٰہی چمکا غیر معتبر ہے۔

۸۔ قرآن میں جو قصے ہیں وہ یہود و نصاریٰ سے سنی سنائی باتیں ہیں اور اکثر عمداً یا سہواً نقل مطابق اصل نہیں اور اس لیے جو حکایتیں تورات کے خلاف ہیں وہ غلط ہیں۔[۲۸]

مولانا حمید الدین فراہی کی تحقیقات اور خدمات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دینِ اسلام اور خود آنحضور ﷺ کو دنیا بالخصوص مستشرقین کے سامنے علمی انداز میں پیش کرنے کے خواہاں تھے وہ عقیدت رسول ﷺ کو علم وتحقیق کے تناظر میں دیکھنے کے لیے فکری جولانیاں کرتے رہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر انھوں نے رسالہ ''اِحکام الاصول بأحکام الرسول علیہ السلام'' تحریر کیا۔ جس کے کل ۱۵ صفحات ہیں۔ یہ ایک نامکمل مسودہ ہے اگر مولانا کو اس کی تکمیل کا موقع ملتا تو یہ علمی دنیا کے لیے ایک بڑا تحفہ ہوتا اور سیرتی لٹریچر میں اضافہ بھی۔ مناسب ہوگا کہ اس کے متعلق استاذ گرامی جناب ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی حفظہ اللہ کی تحریر یہاں نقل کردی جائے:

> ''اس کتاب میں مولانا رسول اللہ ﷺ کے قرآنی استنباطات کی روشنی میں فقہی احکام کے استنباط کے اصول بیان کرنا چاہتے تھے۔ کتاب کا مسودہ کل ۱۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ آٹھ اوراق

تک نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کتاب سے متعلق متفرق بحثیں رکھی ہوئی ہیں۔ مبیضہ ۹ اوراق میں ہے۔ سرورق پر کتاب کا نام اور موضوع یوں درج ہے:

''احكام الاصول بأحكام الرسول عليه السلام في علم اصول الفقه الماخوذ من استنباطات الرسول عليه السلام من القرآن الحكيم''۔

تیسرے ورق پر بسم اللہ اور خطبۃ الکتاب کے بعد تمہید اس طرح شروع ہوتی ہے:

اس کتاب کا موضوع اصول فقہ ہے اور اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے ان احکام پر رکھی گئی ہے جو آپ نے قرآن مجید سے مستنبط فرمائے۔ یہ ایک نیا موضوع ہے۔ ہمارے علماء نے اس کی جانب اس لیے توجہ نہ کی کہ انھوں نے سوچا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی اطاعت ہم پر فرض کردی ہے تو اب آپ نے جن باتوں کا ہمیں حکم دیا یا جن باتوں سے منع فرمایا ان کی سند اور ان کا مآخذ معلوم کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے کہ آپ کا قول بجائے خود ایک مستقل اصل (ماخذ شریعت) ہے خواہ آپ ﷺ نے اسے قرآن مجید سے مستنبط فرمایا ہو یا نہ مستنبط فرمایا ہو۔

اس کے بعد مولانا مزید لکھتے ہیں:

''یہ (یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کا بجائے خود مستقل ماخذ شریعت ہونا) ایک مسلمہ امر ہے جس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہوسکتا، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کتاب اللہ سے احکام کا استنباط فرمایا کرتے تھے،

آپ ﷺ نے خود بہت سے احکام میں اس کی صراحت کی ہے
اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کو اس کا حکم بھی دیا تھا
جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے۔ اگر ہمیں آپ کے استنباط کے
طریقوں کا علم ہو جائے تو اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوں
گے۔ ہم یہاں ان فوائد کا ذکر اختصار کے ساتھ کرتے ہیں
''تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل'' ۲۸؎

یہود و نصاریٰ کے مذکورہ اعتراضات کا مولانا فراہی نے ہی علمی اور تسلی بخش جوابات دیئے ہیں جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کا شجرہ نسب واضح ہو جاتا ہے اور ان کی مفسدانہ نیتوں کا استیصال بھی ہو جاتا ہے۔ مولانا فراہی کا یہ رسالہ سیرۃ النبی کے باب میں سنگ میل کی حیثیت کا حامل ہے۔

مناسب ہوگا کہ اس کا عربی متن بھی یہاں نقل کر دیا جائے تا کہ اصل عبارت کی روشنی میں اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکے:

إحكام الاصول باحكام الرسول عليه السلام

''فی علم اصول الفقه الماخوذ من استنباطات الرسول عليه السلام من القرآن الحكيم، مسودہ اور مبیضہ دونوں ہیں اس میں مسودہ کے تمام و ناتمام کل ۱۵ صفحات ہیں:

اما بعد فهذا كتاب في اصول الفقه الموسسة على احكام الرسول عليه السلام مما استنبطه من كتاب الله، وهذا علم جديد، وانما لم يلتفت العلماء اليه لظنهم بان الله تعالى لما فرض عليهم طاعة رسوله الكريم عليه افضل الصلاة والتسليم اغناهم عن طلب السند لما

کان یامرہم بہ وینہاھم عنه فان قوله علیه السلام اصل مستقل سواء استنبطه من الکتاب ام لم یستنبطه وھذا امر مسلم لا یشك فیه مسلم ومع ذلك معلوم انه علیه السلام کان یستنبط من کتاب الله کما جاء التصریح منه علیه السلام فی کثیر من الأحکام وقد امره الله عزوجل بذلك فی القرآن کما سنذکر جملة وندع تفصیلها للتدبر۔

اس کے بعد ایسی چھ حکمتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بعض مباحث ان عنوانات کے ذیل میں ہیں۔

”فی أن تحریم الجمع بین المرأة وعمتها وخالتها مستنبط من القرآن فی أن الرجم أوتغریب عام مستنبط من القرآن“

اس کتاب کا موضوع بہت اہم ہے۔ اس میں ایک اصولی بحث کرنی تھی جو وہ نہ کر سکے اور موضوع سے متعلق محض چند اشارات قلم بند کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے“۔ ۲۹

علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی سیرتی لٹریچر میں غیر معمولی عظمت اور شہرت کی حامل ہے۔ یہ کتاب اپنے مواد اور اپنے اسلوب بیان میں انفرادیت کی حامل ہے۔ بالخصوص 'ظہور قدسی' ۳۰ کے لیے جو پیرایہ اظہار اختیار کیا ہے، پوری علمی وادبی دنیا اسے پڑھ کر مسحور و مبہوت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مولانا فراہی نے اپنی تفسیر ”نظام القرآن“ کے مقدمہ میں آنحضور ﷺ کی ایسی شخصیت گری کی ہے کہ ”لؤلؤ منثور“ کا گمان گزرے۔ پڑھتے ہوئے عجیب سی سلاست اور آب رواں جیسی روانی کا لطف آئے۔ ایسا حسین اور پُرکشش انداز ہے کہ اسے بار بار پڑھنے کو جی چاہے۔ مولانا

فراہی کا یہی سیرتی اقتباس قارئین کے حظ طبع کے لیے نقل کرتے ہوئے راقم الحروف اجازت چاہے گا:

ورسوله سيدنا محمدالنبى العربى صلى الله عليه وآله صلاةً تدوم وسلم تسليماً مستمراً. الى آخر الامد ومدى العدد دهراً فدهراً. الذى ارسله رحمةً للعالمين طُراً. سراجاً منيراً، فأشرقت بنوره الارضُ بحراً وبَراً، مباركاً مطيّباً فنشر منه فى الآفاق نشرا. عطوفا رؤوفا فقوّى به الضعفاء جبراً. غيوراً صبوراً فقمع به الجبابرة كَسْرا. بعثه بحنيفيةٍ سمحاء، فاعطاه ديناً يسرا، ووضع به ما كان اغلالا وإصرا،وجعل له امة مسلمة يتلو عليهم آياتِه، ويزكيهم ويعلمهم حكمة وبرّا. ازاح عنهم نخوة الجاهلية، فلم يترك لبعضهم على بعض بطراً ولافخرا، إخوةً أخلاءَ لايحمل بعضهم لبعض حقداً ولاوَترا، واختار له منهم صَحْبًا كراماً لهاميمَ غُرّا، اشد لله حبا، واوفى ذمةً، واكمل صبرا، فاخلصوا لربهم منهم سرا، وشدوا لنبيه أزْرا، واعزوا لدبنه نصرا، فاقر الله بهم الصالحين عَيناً، واضحك لهم ثَغْرا، واهان بهم الظالمين، وملأ صدورهم وَغْراً واستخلفهم متمسكين بكتاب الله وسنة رسوله، فرضى الله عنهم، ونضّر وجوههم نَضْراً[۳۲]

☆☆☆

حوالے وحواشی

۱۔ تفسیر نظام القرآن، علامہ حمید الدین فراہی (ترجمہ از امین احسن اصلاحی)، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء، ص: ۴۸۸۔۴۸۹

۲۔ مفردات القرآن، الإمام عبدالحمید الفراہی (تحقیق وشرح: الدکتور محمد اجمل ایوب الاصلاحی)، دارالغرب الاسلامی، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۱۷

۳۔ ایضاً، ص ۳۱۷۔۳۱۸

۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: محکمہ آثار قدیمہ نے عمارات سے جو اینٹیں برآمد کی ہیں ان پر مسماری خط میں قدیم بغداد کا نام بغ داد، بغ سردانوار دبل دودو منقش ہے اور وجہ تسمیہ کا راز انھیں کلمات کے اندر مخفی ہے۔

کلدانی دیوتاؤں کی تاریخ میں بغ کا نام ہنوز نہیں ملا ہے، لیکن بل موجود ہے لہٰذا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی دیوتا کے دو نام مختلف لہجوں میں ہوں، اور میری رائے میں جب کہ بغداد کا پہلا جزو بغ ہے تو پھر بغ دیوتا کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ اب ہم بغ اور بل کی مزید تصریح کرتے ہیں۔

الف۔ بل: کلدانیوں کا مشہور دیوتا بل (Bel) ہے جس کا تلفظ بال (Baal) بھی کہا جاتا ہے اور بال قدیم کنعانیوں کا بعل ہے جس کے نام سے شام (سیریہ) کا مشہور شہر بعلبک آباد ہوا تھا۔ بال سردار اور ینڈسید لارڈ (Lard) اور مَلِک کنگ (King) کے بھی معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور نیز کلدانی دبان میں دودو اور داو کے معنی شہر سٹی (City) کے ہیں، چنانچہ مصری آثار قدیمہ کے محقق نے بل دودو کا ترجمہ مدینۃ الالٰہ (خدا کا شہر) کیا ہے۔

اس عالمانہ تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ بغداد کے ہردواجزاء یعنی بغ (مخفف باغ) اور داد بمعنی عدل وانصاف ہرگز فارسی نہیں ہیں جیسا کہ مشہور ہے۔ بلکہ یہ ایک سوقیانہ روایت ہے۔

ب۔ بغ: لسانیات عجم کا مشہور محقق پروفیسر براؤن لکھتا ہے کہ بغ پہلوی لفظ ہے اور اس کے معنی خدا کے ہیں جس کا مرادف کلدانی لفظ الاہا (یہی لفظ عرب میں جا کر اِلٰہ (اللہ) ہو گیا) ہے اور یونانی لفظ تھیاس ہے۔

''بغ پہلوی زبان کا لفظ ہے''۔ میری تحقیقات کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایران میں یہ لفظ کلدان سے گیا اور اس کا استعمال دیوتا اور بت کے معنی میں بدستور قائم رہا کیوں کہ کلدانی تمدن ایرانی تہذیب و تمدن سے بہت قدیم ہے''۔

ج۔ تحقیقات خوارزمی: انیسویں صدی میں بغ کی جو تحقیقات ہوئی ہے خوارزمی نے بھی صدیوں قبل یہی معنی بتائے تھے، چنانچہ علامہ اپنی مشہور کتاب مفاتیح العلوم میں لکھتے ہیں:

بغ عند الفرس هو الاله والسيد والملك وكانوا يعظمون الاصناء ويبركون بها ويسمون الصنم بغ و وبيت الاصنام بغتان

''ایرانیوں کے نزدیک بغ بمعنی خدا، سردار اور پادشاہ مستعمل ہے، ایرانی بتوں کو بڑا سمجھتے تھے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے اور ہر بت کو بغ کہتے ہیں اور بت خانہ کا نام بغستان تھا''

خلاصہ تحقیقات یہ ہے کہ بغداد میں لفظ داد کا ترجمہ بمعنی عدل وانصاف یا عطیہ محض غلط ہے۔ صحیح ترجمہ بمعنی شہر ہے۔ ایرانیوں نے چوں کہ بغداد کو باغ داد کا مخفف سمجھتا تھا خدا لفظ داد کی مناسبت سے وہ باغ نوشیرواں سے منسوب کر دیا گیا اور باغ کا مغالطہ اس لیے ہوا کہ منصور عباسی کے عہد تک اس رقبہ میں ایک قدیم باغ تھا جس میں کچھ درخت موجود تھے بہر حال علم الادب کی یہ غلطی بہت پُر لطف تھی جس میں صدیوں تک عجم اور عرب مبتلا رہے، اب آثار قدیمہ کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے، اور یہ پہلا موقع ہے کہ

اردو میں البرامکہ کے ذریعہ سے بغداد کی صحت ہو رہی ہے جواب تک ایک لطیفہ شاعرانہ تھا۔

(البرامکہ محمد عبدالرزاق کانپوری، طبع دوم، کراچی نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۱ء، ۱/۱۲۲۔۱۲۴)

۵۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، دہلی، بار اول ۱۹۸۹ء، ۷، ۲/ ۱۴۵، نیز دیکھیے: قاموس الفاظ واصطلاحات قرآن، افادات: مولانا امین احسن اصلاحی (ترتیب وتحقیق: اورنگ زیب اعظمی، اسلامک بک سینٹر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۰، (الہند)، پہلی بار ۲۰۰۴ء، ص: ۵۵۔۵۷

۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے حاشیہ مفردات القرآن، ص: ۳۱۸

۷۔ تفسیر نظام القرآن، ص: ۴۱۸۔۴۲۱

۸۔ تفسیر نظام القرآن، ص: ۲۴

۹۔ مولانا حمیدالدین فراہی: حیات وافکار، دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ص ۱۹۹۲ء، ص ۴۵۱۔۴۵۲

۱۰۔ حیات نبی امی، خالد مسعود، قرآن وسنت اکیڈمی، نئی دہلی، طبع اول، مارچ ۲۰۰۴ء، ص: ۲

۱۱۔ تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم، الامام عبدالحمید الفراہی (اعداد: الدکتور عبیداللہ الفراہی ومراجعۃ: الشیخ اَمانت اللہ الإصلاحی) الدائرۃ الحمیدیہ، الطبعۃ الاولی، ۱۴۳۱ھ۔۲۰۱۰ء، ۲/۴۶۳

۱۲۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، دہلی، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ۹/۴۱۶

۱۳۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: کنز الایمان، از افادات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، ادارہ استقامت، کان پور، یوپی (بدون تاریخ)، ص: ۹۷۵

۱۴۔ التعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم الامام عبدالحمید الفراہی (اعداد: الدکتور عبیداللہ الفراہی، مراجعہ: الشیخ محمد امانۃ اللہ الاصلاحی)، الدائرۃ الحمیدیۃ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم کرھ، یوپی، الہند، الطبعۃ الاولی، ۱۴۳۱ھ،

/۲۰۱۰ء، ۱/۱۲۶، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، باراول، تاج کمپنی، ۱۹۸۹ء، ۱/ ۳۶۵۔۳۶۴

۱۵۔ فضائل القرآن، البخاری

۱۶۔ التعلیقات، ۱/ ۱۴۸

۱۷۔ تدبر قرآن، ۱/ ۱۳۸

۱۸۔ تفسیر نظام القرآن، ص: ۲۱۲۔۲۱۳

۱۹۔ مفردات القرآن، الامام عبدالحمید الفراہی (تحقیق وشرح: الدکتور محمد اجمل ایوب الاصلاحی)، ص: ۱۸۱

۲۰۔ تدبر قرآن، ۶/ ۲۳۹

۲۱۔ شعراء النصرانیۃ جمعہ ووقف علی طبعہ وتصحیحہ الاب لویس شیخو الیسوعی) الجزء الاول فی شعراء الجاہلیۃ، مبطعۃ الآباء المرسلین الیسوعیین، بیروت، ۱۸۹۰ء، ص: ۴۹۱

۲۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مفردات القرآن، ص: ۲۴۱۔۲۴۲

۲۳۔ التعلیقات، ۱/ ۱۵۴

۲۴۔ تفسیر احسن البیان، (اردو)، تفسیر از حافظ صلاح الدین یوسف، ترجمہ از خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی، نظر ثانی از مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، دارالسلام، ریاض، (بدون تاریخ)، ص: ۳۰۲

۲۵۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ

۲۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: حیات رسول امی، خالد مسعود (تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی)، قرآن وسنت اکیڈمی، نئی دہلی، طبع اول، مارچ ۲۰۰۴ء، ص: ۱۲

۲۷۔ ایضاً، ص: ۵۲۵۔۵۳۹

۲۸۔ رسالہ آنحضرتؐ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، علامہ حمیدالدین فراہی، مرکزی

مکتبہ اسلامی، دہلی، بار اول، ۱۹۹۱ء، صفحہ:۳۰

۲۹۔ مولانا حمید الدین فراہی، حیات وافکار، ص:۶۷۔۶۸

۳۰۔ ذکر فراہی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص:۶۵۱۔۶۵۰

۳۱۔ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، دار المصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (انڈیا) ۱۹۹۶ء، (طبع جدید)، ۱/۱۱۴

۳۲۔ نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان، الامام عبدالحمید الفراہی، الدائرۃ الحمیدیۃ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم کرھ، الہند، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰م، ص:۲۲

☆☆☆

القابِ محمد - ایک مطالعہ

سیرت پاک کا ایک معیاری اور محقق خاکہ اسی وقت ممکن ہے جب قرآن کریم کو اساسی درجہ دیا جائے۔ نیز سیرت کے دیگر مآخذ ومصادر کے معیار ومقدار کے تعین کے لیے بھی قرآن کریم ہی کو میزان قرار دیا جائے۔ قرآن کریم ہی مراجع کی حیثیت واہمیت خود طے کرے گا۔ ہم احادیث، آثار، اسرائیلیات سیرتی مآخذ اور کلام عرب کے اعتبار و استناد کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں لیں گے۔ بہت سی ایسی احادیث ہیں جنھیں سیرت پاک کی خاکہ گری میں قطعاً استعمال کی گنجائش نہیں ہے، عربی، فارسی اور اردو شاعری میں بہت سے ایسے خیالات ہیں جن سے عظمتِ رسول متاثر ہوتی ہے۔ افسوس کہ سیرت نگاروں نے سیرت پاک کی ترتیب میں مطلوبہ تجزیاتی نقطہ نظر کو اپنانے سے گریز کیا۔ غیر اسلامی عقیدت مندی نے سیرتی لٹریچر کو خاصا متاثر کیا۔ کیوں کہ انھیں عقیدت مندوں نے آپ ﷺ کو انسان نہ رہنے دیا۔ قرآن کریم نے نبوت ورسالت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ اس کی ایک واضح تصویر ''حیات رسول امی'' میں خالد مسعود مرحوم نے پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم کو اساسی درجہ دیا گیا ہے اور بہت سی ضعیف احادیث کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ آپ ؐ کی بشریت، آپ ؐ کے مقام ومرتبہ، جہادی، سیاسی اور معاشرتی منزلت کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ سورہ ''الضحیٰ'' کی روشنی میں آپ کے بہت سے خدوخال تک رسائی ممکن ہے بلکہ پورا قرآن کریم قصیدہ رسول ﷺ ہے۔ بہت سی آیات کریمہ میں آپ ؐ کی معنوی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ آپ کی بعثت سے قبل آپ

کے اسماء گرامی اور دیگر القاب وآداب صحف آسمانی اور دیگر مآخذ میں موجود تھے یہود ونصاریٰ کے لٹریچر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ اور امتیازات موضوع بحث رہے ہیں۔ اس حوالے سے الاسماء والصفات (بیہقی) شرح اسماء النبی (السیوطی) فلسفہ اسماء الرسول ﷺ (محمد طاہر مصطفیٰ) تہذیب الاسماء واللغات (نووی) اور اسماء النبی الکریم (ابوانیس محمد برکت علی) وغیرہ ایسے مصادر ہیں جن میں آپ ﷺ کے مختلف اسماء مقدسہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ عہد جدید میں پاکستانی مصنفہ فائزہ جمال نے ''سیرت رسول ﷺ اسماء الرسول کے تناظر میں'' (غیر مطبوعہ) ترتیب دے کر ایک بڑا کام کیا ہے۔ لیکن اس میں تکرار بہت ہے۔ اور آیات کریمہ سے بعض غلط نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ اس مضمون میں مختلف آیات کریمہ اور بعض دیگر مآخذ کی روشنی میں آپ کے کچھ اسماء مطہرہ کو بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ کا ایک صفاتی نام ''النور'' ہے اس تعلق سے دو مکتب فکر وجود میں آئے۔ ایک مکتب فکر کا خیال ہے کہ آپ سراپا نور ہیں لیکن اس کی تشریحات میں یہ اتنا آگے نکل گیا ہے کہ قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس بشریت کا اعلان کیا ہے وہ اسے بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کا خیال یہاں تک جا پہنچا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے قبل کوئی چیز دنیا میں نہیں آئی۔ آپ ؐ کا نور ہی باعثِ تخلیقِ کائنات ہے۔ اس کا یہ نقطہ نظر ہے کہ نور اللہ اور اور نور الرسول میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک مکتب فکر وہ ہے جو آپ ؐ کو نور اللہ تسلیم کرنے سے گریزاں ہے جب کہ قرآن کریم نے خود آپ ؐ کو نور کہا ہے:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (المائدہ: ۵/۱۵)	تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ کی روشنی میں آپ کو نور نہ ماننا کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ لیکن یہاں نور سے صرف آپ ؐ کی امتیازی، معنوی اور صفاتی حیثیت مراد ہے۔ انبیاء ورسل، صحف آسمانی اور قرآن کریم میں آپ کو بار بار نور اور سراج منیر سے

تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِيراً وَدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً (الاحزاب:۳۳/۴۵-۴۶)

اے نبی! یقیناً ہم نے آپ ہی کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا، اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

اسی مفہوم کو یوں بھی ادا کیا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَّ نَذِيرًا

ہم نے تم کو تمام انسانوں کے انجام سے باخبر کرنے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا۔

آنحضورﷺ کی آمد کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دنیاوی اور معاشرتی اندھیروں کو دور کیا جائے، انسانی سیاہ بختیوں کا خاتمہ ہو اور ظلمت کدہ بنی ہوئی انسانیت کو اجالوں میں لایا جائے۔ اس حیثیت سے آپﷺ کو نور کہا گیا ہے۔ دونوں مکتبِ فکر کے پیشِ نظر یہ آیت ہو تو ایک بڑے فتنے کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔

انجیل میں آپ کو ''فارقلیط'' کہا گیا ہے۔ یہ دراصل رومی لفظ ''ہرقلیطس'' ہے جس کا مفہوم حق و باطل میں فرق کرنے کے لیے ہے۔ اس نام کے باب میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ لفظ ''فارقلیط'' ہے جو یونانی لفظ ''پارکلی طوس'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا مفہوم تسلی دینے والا، مدد کرنے والا اور وکیل کے ہیں۔ عربی اور اردو لٹریچر میں اس پر طول طویل عالمانہ بحثیں ملتی ہیں۔ اس کی لسانی اور معنوی جہات کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے۔ اس تعلق سے سرسید نے خطباتِ احمدیہ میں جامع و مانع بحث کی ہے۔ صحفِ آسمانی سے براہِ راست دلائل دیئے ہیں چوں کہ عبرانی زبان سے واقف تھے اس لیے اس لفظ کے اسرار و رموز سے واقف تھے۔ یہودیت اور نصرانیت نے اس لفظ سے جو

کھلواڑ کیا ہے اس کا بھی سرسید نے اپنی کتاب میں محاکمہ کیا ہے۔ اس قدر عالمانہ بحث غالباً اسلامی لٹریچر میں ملنی مشکل ہے۔

آپ کا ایک لقب ''سیدنا الثمال'' ہے یعنی جو دوسروں کے لیے جائے پناہ ہو، غرباء و مساکین اور حاجت مندوں کی آواز پر لبیک کہتا ہو، جس کا وجود لوگوں کے لیے باعث سکینت اور وجہ طمانیت ہو۔ الطاف حسین حالی نے آپ کی اسی کریمانہ اور مومنانہ شان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

آپ ﷺ کے اسی جذبہ نسانیت کو مشہور جدید شاعر شوقی نے اس طرح منظوم کیا ہے:

في المهد يستسقى الحيا برجائه
وبقصده تستدفع الباساء

(بوقت قحط گود میں موجود بچہ کے ساتھ آپؐ ہی سے بارش کی امید کی جاتی ہے اور آپؐ ہی کے قصد سے مصائب کو ٹالا جاتا ہے۔)

شعراء نے مختلف انداز سے آپ ﷺ کی ہمدردیوں اور کرم فرمائیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ حضرت ابو طالب نے آپ کی اسی دردمندی کا ذکر اس انداز میں کیا ہے:

وابيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال اليتامى، عصمة الأرامل

(اور یہ حسین و جمیل شخصیت جس کے چہرے کے توسط سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے)

آنحضور ﷺ جس طرح اپنے اخلاق اور اپنے کردار میں یکتائے روزگار تھے اسی طرح اپنے حسن و جمال میں بھی منفرد تھے۔ احادیث کے مجموعوں اور شعراء کے کلام میں آپؐ کے اعضاء مبارکہ کی خوبرویوں پر روشنی ڈالی گئی ہے صحابہ کرامؓ کے

یہاں شمائل النبی کے باب میں حد درجہ جز رسی پائی جاتی ہے۔ آپ کی ایک ایک چیزوں کو بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے آپؐ کے حسن کو یوں پیش کیا ہے:

واحسن منك لم ترقط عيني
واجمل منك لم تلد النساء

(میری ان آنکھوں نے آپؐ سے زیادہ خوبصورت انسان نہیں دیکھا اور آپ ﷺ سے زیادہ حسین بچہ کسی عورت نے نہیں جنا)

خلقت مبراء من كل عيب
كأنك خلقت كما تشاء

(آپ ﷺ ہر عیب سے پاک ہیں، آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق آپؐ کی تخلیق کی گئی۔)

حضرت انس کی روایت میں آپ کو احسن الناس، اجود الناس اور اشجع الناس بتایا گیا ہے۔ یہ حقیقت نا قابل تردید ہے کہ پوری انسانیت کسی بھی حیثیت سے آپ ﷺ کا مثیل وقرین پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی نقطہ نظر کو حضرت معبد خزاعیہ نے یوں پیش کیا ہے:

ظاهر الوضاءة حسن
الخلق، ومليح الوجه

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری اعتبار سے پُرکشش، حسین بناوٹ کے حامل اور خوب رو تھے۔)

آپؐ کا ایک معروف ومشہور لقب ''الأمی'' تھا۔ عربوں کو بھی ''الأمیون'' کہا گیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں قرآن کریم میں موجود ہیں اس سے آپ ﷺ کی یا عربوں کی کسی طرح کی کہتری یا کمتری مقصود نہیں ہے۔ یہ دراصل اہل کتاب او رعربوں کے مابین ایک خط امتیاز ہے۔ عربوں کو اپنے اس انتساب پر ناز تھا۔ یہ لقب

آپ ﷺ کو صرف اس لیے دیا گیا کہ اس کی وجہ سے ان معاندین اسلام کی تردید مقصود ہے جن کی یہ افتراء پردازی تھی کہ قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے۔ امی کا مفہوم یہ ہے کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ لیکن امی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جو حکمتوں اور تہذیبی اقدار سے خالی ہو، اللہ کے رسول ﷺ ایام طفولیت ہی سے دانائیوں اور فراستوں سے معمور ومملو تھے۔ پورا قریش اور پورا مکہ بابانگ دہل آپؐ کی صداقت دیانت کا معترف تھا۔ لقب امی کی ایک توجیہہ یہ بھی ہے کہ چوں کہ آپ ام القری یعنی مکہ مکرمہ کے باشندہ تھے اس لیے اسی انتساب کی بنا پر آپ کو امی کہا جاتا ہے۔ شہید پروفیسر حافظ محمد شکیل اوج نے مندرجہ سطور میں اس کی نہایت مستند تشریح کی ہے۔

''قرآن مجید کی سورہ اعراف کی دو متصل آیات (۱۵۷۔۱۵۸) میں آنحضرت ﷺ کے تعلق سے جو لفظ امی آیا ہے اس کے معنی مرکز ومرجع کے ہیں اور جو مرکز ومرجع ہو اس کے خاتم النبیین والمرسلین ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔

آنحضرت ﷺ کو ام القری میں ظاہر ہونے کی وجہ سے امی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ جس طرح امام القری کی نسبت سے ظاہر ہونے والا رسول بھی انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ یعنی عالمی رسول اور مرجع خلائق۔

آپ کے امی ہونے کا تذکرہ تورات اور انجیل میں بھی پایا جاتا ہے۔ در اصل یہ آپؐ کی بعثت کی پیش گوئی تھی کہ وہ ام القری کا باسی ہوگا نیز عالمی مرکزی مقام پر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرکزی یعنی عالمی رسول ہوگا اور یہ اس کے خاتم النبیین والمرسلین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ (صاحب قرآن، پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج، سیرت چیر، کراچی، طبع اول، اپریل ۲۰۱۳ء، ص: ۱۲۵۔۱۲۶)

آپ ﷺ کو ''ملقی القرآن'' بھی کہا جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم من جانب اللہ آپ کو دیا گیا ہے تاکہ آنے والے دن کی ہولناکیوں سے عامۃ الناس کو آگاہ فرمائیں۔ قرآن نے اس دن کی شدت وشناعت کو ''النبأ العظیم'' کہہ کر واضح کیا ہے۔ یہ خطرے کی گھنٹی قرآن کریم مستقل بجارہا ہے تاکہ لوگوں کے کان

کھڑے رہیں اسی طرح انداز کے ساتھ یہ کتاب الٰہی نامۂ تذکیر بھی ہے۔ یہ وہ پند نامہ ہے جو مستقل آنے والے سفر کے لیے زادِراہ کی تیاری پر زور دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ "فاصدع بما تومر" کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اسے کھول کھول کر بیان کردو۔ قرآن کریم کے دینے اور اسے نوشتۂ تلقین بنانے کا یہی مفہوم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ (النمل: ۲۷/۶)	اور بیشک آپ کو حکیم وعلیم کی جانب سے قرآن عطا کیا گیا۔

آپ ﷺ کو "صاحب القرآن" کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے سے قبل قدرے لفظ "صاحب" کی توضیح ضروری ہے۔ صاحب کا مفہوم حاکم اور مالک ہے۔ صاحب الدار گھر کے مالک کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اردو میں صاحب تصنیف مصنف کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم من جانب اللہ ہے۔ قرآن کریم خود گویا ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى. عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى. ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى (النجم: ۵۳/۳۔۶)	اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے جو زور آور ہے، پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

ان آیات کریمہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ صاحبِ قرآن اللہ تعالیٰ ہے۔ اردو میں صاحب قرآن سے مراد اللہ کے رسول ﷺ ہیں یہ چلن عام ہو چکا ہے۔ پروفیسر محمد شکیل اوج کی "صاحب قرآن" کے عنوان سے کتاب بھی ہے۔ جس سے نبی کریم ﷺ مراد ہیں۔ صاحب قرآن سے یہ تاثر نعوذ باللہ من ذلک ابھرتا ہے کہ یہ قرآن کریم آپ ﷺ کی تصنیف ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ اس تصور سے مخالفین

اسلام کو تقویت بھی ہے اس لیے ہمیں اس لقب سے گریز کرنے کی ضرورت ہے۔ صاحب قرآن کے بجائے آپ کو حامل قرآن کہنا انسب ہے۔

آپ کو "سیدنا الحنیف" بھی کہا جاتا ہے۔ حنیف کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ جو تمام دنیاوی علائق و مراجع سے کٹ کر مرجع حقیقی کا ہو کر رہ جائے۔ یہی وحدانیت ہے یا قرآن کریم کی زبان میں "مثابة للناس" ہے۔ یعنی دنیا کے تمام مراکز سے کٹ کر صرف مرکز خداوندی بیت اللہ کی طرف رخ ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کو بچپن ہی سے اسی مرکز اور وحدانیت کی تلاش تھی "انا اعطیناك الکوثر (ہم نے تم کو بیت اللہ عطا کیا) سے اسی مرکز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قبل نبوت بھی اسی تلاش میں غار ثور کو مراقبے کے لیے منتخب کیا۔ اسی لیے دین اسلام کو دین حنیف کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی دین حنیف کا اعلان کیا تھا۔ اس دین حنیف کی پیروی کا آپ سے مطالبہ بھی کیا گیا:

وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (یونس: ۱۰/۱۵۰)	اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر (اس) دین کی طرف کر لینا اور کبھی مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

اسی دین حنیف کی پیروی کے لیے ایک دوسری جگہ یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ (الحج: ۲۲/۷۸)	اس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ دین اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا قائم رکھو اسی اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

آپ کو "سیدنا الفائق" بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ آپ ؐ کی فوقیت اس طرح بیان کی جائے کہ دوسرے انبیاء و رسل کے ماننے والوں کو گراں نہ گزرے۔ ہمارے سیرت نگاروں اور شعراء نے دیگر انبیاء و رسلؑ سے آپ ؐ کا موازنہ

کرتے ہوئے بعض ناؤ یا تعبیر و تمثیل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس سے دوسرے انبیاء ورسل کی توہین ہو جاتی ہے جس طرح ہمیں بہر حال گوارہ نہیں کہ ذات اکرم واطہر پر ایک ہلکی سی آنچ بھی آئے اسی طرح دوسروں کے جذبات کو مجروح نہ کرنا بھی ہمارا شیوہ ہونا چاہیے۔ قرآن کریم کا یہ فلسفہ کہ:

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض (یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) اسی مفہوم کو سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان کیا گیا: ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض (ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے) خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اپنے بارے میں یہ ہیں کہ: لا تخیرونی من بین الانبیاء (تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو) مذکورہ دونوں آیات اور اس حدیث کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء نہیں ہیں، بلکہ یہاں ایک نہج اور ادب بتایا جا رہا ہے کہ ذکر فضل الانبیاء کے وقت یہ نکتہ ضرور پیش نظر رہے کہ کسی بھی نبی یا رسول کی ادنی بھی تحقیر نہ ہو۔ حضرت کعب بن مالکؓ نے آپؐ کی فوقیت کا تذکرہ کتنے خوبصورت انداز میں کیا ہے:

له حسب فوق كل الانام

من هاشم ذلك المرتجىٰ

(آپؐ کا رتبہ تمام لوگوں سے برتر تھا۔ آپؐ ہاشمی اور لوگوں کی آرزوؤں کا مرکز تھے۔)

سیرت نگاروں نے آپ کو ''سیدنا المتبتل'' بھی قرار دیا ہے جس کی تفسیر میں جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی تمام تر توجہات کا مرکز خداوند قدوس کو قرار دے، اس کے ذکر وفکر میں بسا ہوا ہو اس کی ہر بن مو سے اللہ اللہ کی صدا آتی ہو اسی مفہوم کو قرآن کریم میں یہ کہہ کر پیش کیا گیا کہ ''وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ'' (الانفال: ۸/۲۴) (اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے اور بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس

جمع ہونا ہے) اس طرح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان بنی آدم کا دل ہے۔ اس لیے بندگانِ خدا کی کوشش ہو کہ یہ دل ذکر خداوندی سے غافل نہ ہو۔ قرآن کریم نے آنحضورﷺ کے توسط سے امت مسلمہ سے یہی مطالبہ کیا ہے۔

"واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلا" (المزمل:۷۳/۸) (تو اپنے رب کا ذکر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا۔)

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ ''تبتل'' کا مفہوم انقطاع عن الدنیا ہرگز نہیں۔ آپﷺ اپنے انتہائی تبتل کے ساتھ ایک قابل قدر باپ، مثالی شوہر اور رسالت کی ذمہ داریوں کو نباہنے والے تھے اپنے صحابہ کرام اور اپنی قوم کے ساتھ جاگتے اور سوتے تھے۔ اسلام میں رہبانیت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ ''بتول'' بعض ماہرین لغت کے یہاں وہ عورت ہے جو مردوں سے رغبت نہ رکھے۔ اسلام میں ایسی عورت کو ناپسندیدگی سے دیکھا گیا ہے۔ اسلام میں مصالحہ اور محاربہ دونوں ہے۔ اسلام اور رہبانیت میں بعد مشرقین ہے۔

آنحضورﷺ کو ''سیدنا البلیغ'' بھی کہا گیا ہے آپؐ اپنے کلام کے ساتھ اپنے عادات، حرکات وسکنات اور ظاہری صفات کے اعتبار سے بلیغ وموثر تھے۔ آپؐ کے ہر زاویے میں اثر آفرینی ہے۔ کلام رسولﷺ لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے موثر ہے اسی قوت تاثیر وتنفیذ کے سبب دشمنان رسول اپنے لوگوں کو آپؐ کی محفلوں سے دور رکھتے، کیوں کہ آپؐ کی آوازیں کان میں پڑتے ہی ان کی زندگیاں بدل جاتیں۔ آپؐ اپنی باتیں ترتیب وترتیل سے پیش کرتے، بعض باتیں تین تین بار دہراتے، کوئی گننا چاہتا تو اسے گن لیتا۔ آپؐ کی اسی طاعت کے پیش نظر آپؐ کو جوامع الکلم کہا گیا۔ آپؐ کی اسی اثر انگیزی اور فکر انگیزی کو قرآن کریم میں یوں دیکھا جاسکتا ہے۔

وقل لهم في انفسهم قولا بليغاً (النساء:۴/۶۳)	اور انھیں وہ بات کہیے جو دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ آپؐ کی تقاریر پر بہت مختصر ہوتی تھیں، صفحہ دو صفحہ سے آگے نہیں بڑھتی تھیں لیکن ان میں ایسی روحانی تاثیر ہوتی تھی کہ صحابہ کرامؓ کی آنکھیں بہنے لگتی تھیں۔ حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ بعد نماز فجر آپؐ نے ایسی بلیغ تقریر فرمائی کہ آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل نرم پڑ گئے۔ آج کے علماء کرام کی تقاریر میں اتنی طوالت اور اس قدر شعلہ بیانی کہ وہ غیر موثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ تقاریر موثر اسی وقت ہوتی ہیں جب ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو جب اس کے قول وعمل میں ہم آہنگی ہو۔ چوں کہ اس کا فقدان ہے اس لیے ہماری تقاریر لا طائل تحتھا کے مترادف ہیں۔

آپ ﷺ کو ''سیدنا سیف اللہ المسلول'' بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کھینچی ہوئی تلوار تھے لیکن ہمیشہ اس کا استعمال اخماد شرور وفتن کے لیے ہوا۔ کبھی بھی صالح اقدار کو دبانے یا ذاتی اغراض کے حصول کے لیے ہوا ہو۔ اس باب میں تاریخ خاموش ہے۔ یہ تلوار کمزوروں، ناداروں اور مظلومین کے لیے سہارا تھی۔ آپؐ نے ہمیشہ ظلم وتشدد کی آندھیوں کے روکنے کا کام اس سے لیا۔ حضرت کعب بن زبیرؓ نے اسی کو یوں منظوم کیا ہے:

ان الرسول نور یستضاء به

مهند من سیوف الله مسلول

(یقیناً رسول اللہ ﷺ ایسے نور تھے جس سے اکتسابِ نور کیا جاتا تھا۔ اللہ کی تلواروں میں سے آپ ایک ہندی کھنچی ہوئی تلوار تھے۔)

اسی شعر پر آپؐ نے اپنی چادر کعب بن زہیر کو عطا کر دی تھی جسے بعد میں حضرت معاویہؓ نے دس ہزار درہم میں خرید لی تھی۔ اور فرمایا کہ حضور ﷺ کی اس چادر کو میں کسی پر ایثار نہیں کر سکتا۔ حضرت معاویہؓ کے اس عمل سے یہی تاثر ابھرتا ہے کہ آپؐ کے یہاں حب رسول سے بڑھ کر کوئی شئی نہیں تھی۔ اگر مؤرخین کے پیش نظر یہ واقعہ ہو تو وہ ضرور اپنے قلم کو حضرت معاویہؓ کے باب میں لگام دیں گے۔ خاکسار کو

تاریخ نہیں آتی لیکن اتنا طے ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؒ کے ساتھ تاریخی اعتبار سے نا انصافیاں کی گئی ہیں۔ مناسب ہوگا اگر مؤرخین ان نزاکتوں کو مس نہ کریں کیوں کہ آخرت میں صرف ہم سے اس پر باز پرس ہوگی کہ کلام اللہ اور کلام الرسول کے تئیں تمہارا کیا طرزِ عمل رہا۔

آپ کو "سید نا الطیب" بھی کہا گیا ہے۔ آپؐ ظاہری اور فکری آلائشوں سے پاک تھے۔ نبوت سے قبل خصوصی اہتمام کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپؐ کے قلب کی دھلائی کی گئی۔ آپؐ کی زندگی کا ہر پل آلائشوں سے پاک رہا۔ قرآن کریم میں مختلف انداز سے اس کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مثلاً آپؐ کی قدر ومنزلت کے لیے "انك لعلى خلق عظيم " کہا گیا۔ اور اسی طرح "لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة " یقیناً آپؐ کی ذات میں تمہارے لیے نمونہ ہے۔ کہہ کر آپؐ کی عظمت کو بیان کیا گیا۔ آپ کی سیرت مبارکہ کا ہر گوشہ طیب تھا۔ حضرت ام ایمن نے اسے یوں منظوم کیا ہے:

ولقد كان بعد ذلك نوراً
وسراجاً يضيئ في الظلماء

(اور نبوت ملنے کے بعد آپؐ یقیناً نور ہو گئے اور چراغ روشن بن کر تاریکیوں میں اجالا کر رہے تھے۔)

وطيب العود والضريبة والمعدن والخيم خاتم الانبياء

(آپ کی ذات خوشبودار ہے آپ کی ہیئت پُر کشش ہے، آپ کی معدن حکمت وجواہر سے پُر ہے آپؐ کی رہائش گاہ باعث رغبت ہے اور آپؐ خاتم الانبیاء ہیں)

آپ کا ایک لقب "محمود" بھی ہے۔ احمد، محمد اور محمود تینوں اسماء گرامی سے آپ کو موسوم کیا گیا ہے۔ سورہ محمد میں یہ وضاحت کردی گئی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے توریت میں وضاحت کردی تھی کہ میرے بعد آنے والا نبی جس کا نام "احمد"

ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خود فرمایا کہ "انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ" (میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں) احمد کو اگر مبالغہ کے مفہوم میں لیا جائے تو اس کی تفسیر میں یہ کہا جائے گا کہ تمام لوگوں سے زیادہ اللہ کی تعریف اور شکر ادا کرنے والا بندہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ذات اطہر ہے۔ اگر اسے مفعول لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ کمالات اور محاسن کے اعتبار سے آپؐ کی ذات گرامی سب سے برتر اور افضل ہے۔ اور "محمدؐ" کی توضیح میں جایا جائے تو اس شخص کو کہیں گے جس کی بے پناہ اور طرح طرح سے ثنا خوانی کی گئی ہو۔ ان دونوں قرآنی ناموں کی توضیح کے لیے خود قرآن کریم نے اعلان کیا کہ اللہ نے آپؐ کو "مقام محمود" عطا کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا	عنقریب آپؐ کا رب آپؐ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔

(بنی اسرائیل: ۱۷/۷۹)

مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں اس کی دلنشیں تشریح کی ہے مناسب ہوگا کہ یہاں اس کا کچھ حصہ نقل کیا جائے:

"آیت ۷۹ میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور سے ستائش کی جائے۔ فرمایا کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالم گیر اور دائی ستائش کا مقام ہو۔ یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکمل زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی۔ حتیٰ کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کرسکتا تھا کہ انھیں مظلومیتوں سے فتح و کامرانی پیدا ہوسکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی کی بشارت نہیں دی کیوں کہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی۔ بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت وارتقاع کی آخری بلندی ہے۔ یعنی "عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً

محمودا" حسن وکمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالم گیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی۔ کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو"۔

حضرت حسان بن ثابتؓ نے آپؐ کے "مقام محمود" کو اس طرح بیان کیا ہے:

فاصبح محموداً الی الله ماجداً

یبکیه حق المرسلات ویحمد

(اللہ کی جانب میں پہنچ کر آپ محمود ہو جائیں گے فرشتوں کے لیے آپؐ پر رونا اور آپؐ کی تعریف برحق ہے۔)

آپ کو "مجیب" بھی کہا گیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ پکارنے والوں کی آواز پر بڑھ کر لبیک کہنا آپؐ کے مزاج میں شامل تھا۔ دینی اور دنیاوی مسائل میں جب بھی آپ کو آواز دی گئی آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے آپؐ کے اسی مزاج کی وجہ سے عیسائی مصنف نے مشہور زمانہ کتاب "The Hundred" میں آپ کو اولیت دی ہے۔ حضرت فاطمہ زہریٰؓ نے آپؐ کی وفات پر اپنے جذبات کو یوں رقم کیاں:

وا أبتاه! الى جبرئيل إنعاد

وأبتاه! من ربه ما أدماه

(اور اے ابو جان! میں جبرئیل کو آپؐ کی وفات کی خبر دیتی ہوں اور اے ابو جان! آپؐ اپنے رب کے کتنے قریب ہو گئے۔)

وا أبتاه! جنة الفردوس ماواه

وا أبتاه! أجابك أبا دعاه

(اور اے ابو جان! آپؐ کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے اور اے ابو جان! آپ ﷺ نے اپنے رب کی آواز پر لبیک کہا۔)

اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اگر کوئی آپؐ کو مدعو کرتا تو اسے آپؐ قبول فرماتے۔ ادنیٰ اور افضل فقیر اور غنی دونوں ایک حیثیت سے جناب رسول ﷺ میں

برابر تھے۔

آپ ﷺ کا ایک لقب ''ہدیۃ اللہ'' ہے، انسان کو اللہ نے مختلف نعتوں، ہدایا اور تحائف سے نوازا ہے۔''فبأی آلاء ربکما تکذبان'' کا یہی مفہوم ہے۔ لیکن دنیائے انسانیت کا سب سے اہم اور قیمتی ترین تحفہ ذات اکرم ﷺ ہے۔ بلکہ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیاوی نعمتوں کے نزول کے حقیقی سبب آپ ﷺ ہیں ایک ایسا چراغ جلا گئے ہیں جس سے دنیا ہمیشہ اکتساب نور کرتی رہے گی۔ اور اسی اکتساب نور سے اپنی ذہنی کلفتوں اور فکری کرب و درد کو دور کرتی رہے گی۔ حضرت حسان ؓ اس ہدیۂ عظیم پر اس طرح شکر خداوندی بجایا ہے:

والله أهداه لنا و هدى به
أنصاره فى كل ساعة مسهد

(اللہ نے آپ ﷺ کو ہمیں بطور تحفہ عطا کیا اور آپ ؐ نے ہر مشکل گھڑی میں انصار کی رہنمائی فرمائی ہے۔)

صلى الله له ومن يحف بعرشه
والطيبون على المبارك أحمد

(اللہ تعالیٰ، اس کے عرش کو گھیرے ہوئے فرشتوں اور پاکباز ہستیوں نے بابرکت احمد مصطفیٰ ﷺ پر درود و سلام بھیجا۔)

احادیث اور سیرتی مصادر میں آپ ﷺ کے لیے خیر العالمین، خیر البشر، خیر الناس، املح الناس اور خیر البریہ جیسے بے شمار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ از ابتدا تا انتہا تاریخ کسی ایسے انسان کو پیش کرنے سے قاصر رہی ہے جو کسی طرح بھی کسی ایک صفت میں آپ ﷺ کا مثیل رہا ہو۔ شعراء کرام نے آپ کی فقید المثالی کا ذکر اپنے اپنے انداز سے کیا ہے۔ آپ ﷺ کی دودھ شریک بہن حضرت شیما بنت حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کی عدیم المثال شخصیت کو اس طرح پیش کیا ہے:

محمد خير البشر   فمن مضى ومن غبر

(آنحضور ﷺ گزر جانے والے اور آئندہ آنے والوں میں خیر البشر ہیں۔)

من حج منهم أو اعتمر

أحسن من وجه القمر

(حج یا عمرہ کرنے کے لیے آنے والوں سے آپ ﷺ بہتر ہیں۔ چاند کے چہرے سے بھی حسین ترین)

من كل انثى وذكر

من كل مشبوب أغر

(وہ ہر عورت، ہر مرد اور ہر نوجوان سے زیادہ روشن ہیں۔)

جنبي الله الغير

فيه وأوضح لي الأثر

(اللہ! اس کے باب میں اٹھنے والے بطلان کو مٹا دے اور میرے اندر (اس کے) اثرات کو سرایت کر دے۔)

قرآن کریم میں آپ ﷺ کی تمام جہتوں اور محاسن و مکارم کے تمام گوشوں کو ''اسوہ حسنہ'' کہہ کر سمیٹ دیا گیا ہے۔ ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ اسوہ کا مفہوم نمونہ ہے۔ ایک ایسا نمونہ اور ایک ایسا ماڈل جس کی نظیر دنیا پیش کرنے سے قاصر ہو۔ ''قدوہ'' کا مفہوم بھی نمونہ اور پیشوا ہے لیکن قرآن کریم میں اسے استعمال نہ کر کے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ ﷺ ایک ایسے ماڈل ہیں جس میں بنی نوع انسان کے لیے سکینت، طمانیت، تسلی اور قرار ہے۔ اس کی اقتدا سے ذہنی اضطراب پر قدغن لگتی ہے۔ یہ اسوہ حسنہ جو ہر دور میں معاشرتی مسائل کا حل رہا ہے۔ اسے کبھی بھی فرسودہ، کہنہ اور از کار رفتہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس میں ہر انسانی سوال کا جواب اور عہد جدید کے ہر مسئلے کا حل ہے۔ اس سے لاتعلقی اور بے توجہی برتنے سے انسان دنیا اور آخرت دونوں میں خوار ہوگا۔ قرآن کریم نے اسوہ حسنہ کی اہمیت و افادیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۳۳/۲۱)

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے۔ اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔

تفسیر احسن البیان میں اسوہ حسنہ کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

"یعنی اے مسلمانو! اور منافقو! تم سب کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے۔ پس جہاد میں اور صبر وثبات میں اس کی پیروی کرو۔ ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتی کہ اسے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔ اس کا چہرہ زخمی ہوگیا۔ اس کا رباعی دانت ٹوٹ گیا۔ خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک مہینہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا۔ یہ آیت اگر چہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی، جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سامنے رکھنے اور اس کی اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ حکم عام ہے، یعنی آپؐ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپؐ کی اقتداء ضروری ہے چاہے ان کا تعلق عبادت سے ہو، یا معاشرت سے، معیشت سے ہو یا سیاست سے۔ زندگی کے ہر شعبے میں آپؐ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔ "ما آتٰکم الرسول فخذوه" (جو کچھ بھی رسول تم کو دیں پس اسے پکڑ لو) (الحشر:۵۹/۷)

رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات بے شمار ہیں۔ قرآن کریم، احادیث، سیرتی مآخذ اور دنیا کی مختلف زبانوں کے ادب اور شاعری میں مختلف القاب، واسماء کے حوالے سے آپؐ کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں آپؐ کی شخصیت کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اسی کو ادباء اور شعراء نے اپنے اپنے اسلوب میں پیش کیا ہے۔ کہیں کہیں اس میں حد درجہ غلو ہے۔ مثلاً آپ کو نور قرار دیتے ہوئے حد درجہ مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ نور اللہ اور نور الرسول کے درمیان موجودہ تمام حدود کو

مسمار کر دیا گیا ہے۔ بلکہ خالق اور مخلوق کے امتیازات کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو عالم الغیب کہنا بھی اللہ کی وحدانیت کے خلاف جنگ چھیڑنی ہے۔ کیوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ یہ بھی شعراء کا عام رجحان ہے کہ آپؐ تقاضائے بشریت سے ماوراء ہیں اسی کو بنیاد بنا کر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ زندہ ہیں اس طرح کے خیالات کا ڈھیر ہے جنھیں اسلامی تناظر میں کوئی استناد حاصل نہیں ہے۔ تمام سیرتی مباحث کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ یہی حقیقی معیار و میزان ہے وہی دیگر سیرتی مباحث کو Validity عطا کرے گا۔ اسی لیے حضرت عائشہؓ نے "کان خلقه خلق القرآن" ایک محقق و مدلل خاکہ پیش کر دیا ہے۔ سیرت پاک کے سلسلے میں بے شمار ایسی روایات ہیں جن کا قرآن کریم سے کوئی میل نہیں ہے۔

ایک وضاحت ضروری ہے کہ آپؐ کے اسماء والقاب کی جس طرح ایک دینی حیثیت ہے اسی طرح ان کی ایک ادبی اور لسانی اہمیت بھی ہے اگر ان کا لسانی تجزیہ کیا جائے تو ایک زبردست اسلامی اور ادبی خدمت ہوگی۔ عرب شعراء نے ذات اقدس کی تعبیر و تشریح میں طرح طرح کے مفردات اور القاب استعمال کیے ہیں اس کی وجہ سے عربی ادب کا دامن وسیع ہوا ہے۔ نئے نئے الفاظ، تشبیہات اور تمثیلات نے عربی زبان و ادب کو تقویت بخشی ہے۔ انگریزی شعراء نے بھی جناب رسول ﷺ کو اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہ خبر ہم سب لوگوں کے لیے انتہائی خوش آئند ہے کہ ہمارے مربی پروفیسر مسعود الحسن صاحب نے انگریزی کے شعراء کے کلام کو "English Poems on Prophet Mohammad" کے عنوان سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۷۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۲۹ شعراء کی نعتیں شامل ہیں۔ ان نعتوں کے علاوہ اس میں تقدیم اور انگریزی نعتوں کا ایک تاریخی جائزہ بھی ہے۔ غالباً علمی دنیا میں یہ اپنی نوعیت کی اولین ادبی و دینی کاوش ہے۔ یہ دراصل تسلسل سرسید کا ایک پاکیزہ سلسلہ ہے۔ سرسید اور شبلی نے اس ادارے میں جس سیرت نگاری کی بنیاد ڈالی تھی وہ رفتہ رفتہ برگ و بار لا رہی ہے۔ پروفیسر مسعود الحسن صاحب ہم سب لوگوں کے شکریے

کے مستحق ہیں کہ انھوں نے جہاں ایک علمی وادبی کام کیا وہیں اپنی آئندہ منزل کے لیے ایک قابل قدر زادِ راہ بھی تیار کی۔ اسی سے متجاوز ہیں پھر بھی حب رسول کے اظہار میں وہی ولولہ اور وہی تحریک وتشویق ہے، خدا کرے ادارۂ سرسید کی یہ آواز اور اس کا یہ عشق رسول اسی طرح بلند ہوتا رہے اور نئے نئے رنگ وآہنگ میں سیرت نگاری کے پھول کھلاتا رہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پروفیسر مسعودالحسن صاحب کی نقل کردہ انگریزی نعتوں میں سے ایک نعت پر اس کا مسک الختام ہو، لیکن اس سے قبل چند سطور اس نعت خواں شاعر کے باب میں:

جان گرین لیف وہیٹیر (۱۸۰۷ء۔۱۸۹۲ء) ایک امریکی شاعر ہے جس کا تعلق Quaker سلسلے سے ہے۔ وہ ایک پرجوش طوفانی شاعر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابطال غلامی کے خلاف اس نے کئی نظمیں منظوم کیں۔ ایک رسالہ Atalantis Monthly کی تاسیس میں اس کا بھی کردار رہا۔ اس کا آغاز ۱۸۵۷ء میں ہوا۔ جان گرین نے کئی سانٹ نظموں میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان نظموں میں دیہاتی زندگی اور سیاسی سرگرمیوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جان کیری نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور زمانہ صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ شاعر کے جذبات سے آپ بھی محظوظ ہوں۔

Minstrel of God, heroic Arab scout!
How musically to Man didst thou recount
The Thunder-lightning Vision of Hira's pride could rout
And shatter Hobal's head where once they sprout
Tongued human blood into emerald fount
To clear tribal wrong or ghostly account
You visited priests and shrines with the gout!
Stud the thread of Prohpet's rosary!

Time was you cried for milk and raised mudpies
Feared the crowd and dreamt in caravansaries
Or out watching the Bear, ploughed desert's immensity
Till Khadija's love taught ye life's glossary
To the world- reluming Book that was yet to be!

☆☆☆

سیرۃ النبی ﷺ میں اشعار عرب

"الشعر دیوان العرب" کی داستان بڑی طویل ہے۔ اس کی توضیح وتشریح میں کتابیں ترتیب دی گئیں۔ شاعری عربوں کی شناخت تھی۔ یہ ان کے مزاج میں شامل تھی۔ یہی ان کی کل بساط تھی، اسی کی بنیاد پر افتخار واستکبار کا سارا دارومدار تھا۔ اسی سے ان کے ثقافتی معیار اور لسانی اعتبار کا تعین وتدارک ہوتا۔ شاعری ہی سے ان کے معاشرتی اقدار کا اندازہ ہوتا ہے۔ قبائل اپنے شعراء پر فخر ومباہات جتاتے، انہیں دیگر قبائل کے شعراء پر بلند وبرتر دیکھنے کے خواستگار ہوتے، کیوں کہ شعراء ہی اپنے اپنے قبائل کے ترجمان تھے، اپنے قبائلی امتیازات کو فخریہ بیان کرتے، اپنے قبائل کے سورماؤں کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملادیتے۔ ان کے کارناموں کا شان وشوکت کے ساتھ ذکر کرتے ان کے مراثی منظوم کرتے، ان مراثی سے تاریخی واقعات، دوسرے قبائل کے درجات، گھوڑوں اور اونٹوں کی تعریف، ہتھیاروں کے خصائص اور جنگی احوال کا پتہ چلتا ہے۔ درحقیقت ان کی رجزیہ شاعری ان کے بہت سے تمدنی گوشوں کو وا کرتی ہے۔ جنگوں میں فتح یابی کے لیے یہی شعراء ان کے جذبات کو برانگیختہ کرتے ہے[1] ان کی حمیت اور ان کی علونسبی کی یاد دلاتے۔ اسی شاعری کی بنیاد پر قبائل کے درمیان صدیوں جنگیں چلتی رہتیں۔ رجزیہ شاعری کا ایک اہم زاویہ یہ بھی ہے کہ عرب خواتین بھی موثر کردار ادا کرتیں۔ دیوان العرب دینی، تعلیمی، معاشرتی، سیاسی، عائلی اور تاریخی واقعات پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوق عکاظ، مِجنۃ، حُباشہ اور کذی المجاز کی اہمیت تاریخ میں مسلم ہے انہی ادبی بازاروں کی

بنیاد پر شاعری کا بول بالا ہوا اور تصورِ نقد کی ابتداء ہوئی۔[۲]

اسی شاعری کی بل پر عرب اپنے آپ کو افصح اللسان کہتے تھے اور دنیا کے تمام لوگوں کو اپنے بالمقابل گونگا تصور کرتے۔ مذکورہ سطور کی شہادت کے لیے دورِ جاہلی کی شاعری خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اسی شاعری کو استناد و اعتبار کا درجہ حاصل ہے۔ اسی پر لسانیات کی معرکہ آراء بحثیں ہیں اسی کی روشنی میں زبان کے اصول و قواعد ترتیب دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جاہلی شاعری کے مطالعہ پر زور دیا تاکہ قرآن کریم اور احادیث کے بہت سے مفردات کے بواطن میں ان کی مدد سے اترا جاسکے۔ خود سرورِ کائنات ﷺ نے جاہلی شاعری کے لسانی معیار کا اعتراف کیا لیکن یہ بھی فرمایا کہ اصحاب جہنم کا علم قیادت امراء القیس کے ہاتھوں میں ہوگا۔[۳] مفردات القرآن پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں[۴] اور ان کے معانی کے تعین کے لیے کلام عرب سے استشہاد کیا گیا۔ لسان العرب اور بہت سے دیگر لغات میں اشعار ہی کے سہارے الفاظ کے ماقبل اور مابعد کی تاریخ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مفسرین اور شارحین نے بھی مفردات کی پرتیں کھولنے کے لیے انہی اشعار پر انحصار کیا۔ طبری، کشاف، ابن کثیر اور احکام القرآن وغیرہ میں تشریح الفاظ کے لیے کلام عرب کا سہارا لیا گیا ہے۔ بیسویں صدی کے ہندوستانی مفسر اور ادیب مولانا حمیدالدین فراہی نے بھی اپنی تصانیف میں استشہاد بکلام العرب کی ایک نمایاں مثال قائم کی ہے۔[۵] اس کے علاوہ متقدمین کے یہاں بھی مباحث میں سارا رنگ انہی اشعار کے بل پر بھرا جاتا ہے۔ معجم البلدان،[۶] العقد الفرید، کتاب البخلاء، کتاب الحیوان، نقد الشعر وغیرہ میں اشعار کا ذخیرہ موجود ہے۔ ادبی روایات انہی اشعار سے آگے بڑھتی رہی ہیں۔ ہر عہد میں شاعری کا موثر کردار رہا ہے۔

مستشرقین اور مخالفین اسلام کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو مستقل دین اسلام کی شبیہ بگاڑنے میں لگا ہوا ہے۔ انہی الزامات میں سے ایک الزام یہ ہے کہ اسلام فنون لطیفہ کا مخالف ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دینِ اسلام ان فنون لطیفہ کا مخالف ہے

جس سے اخلاقیات کی دیواریں مسمار ہو رہی ہوں۔ اباحیت کو فروغ مل رہا ہو۔ ایسا صرف اسلام کو بدنام کرنے کے لیے کیا گیا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے خود شاعری کو "ان الشعر لحکمة" (شاعری یقیناً حکمت ہے) یا کلام عرب کے لیے "ان من البیان لسحرا" کہا ہے۔ سورۃ الشعراء میں ان شعراء کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔[۷] جنھوں نے اپنے تخیلات کو کذب بیانی کے سپرد کر دیا۔ بے حیائی، بے حجابی، مقاربہ اور معاشقہ ہی ان کے موضوعات رہے۔ دوشیزاؤں اور معشوقاؤں کی اعضاء گیری پر ان کی ساری توجہ ہوتی ہیں۔ ایسی شاعری کے متعلق فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ "پیٹ کے لہو پیپ سے بھر لینا جو اسے خراب کر دے، شعر سے بھر لینے سے بہتر ہے"۔[۸] سورۃ الشعراء میں موازنتاً ان شعراء کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اپنے ذاتی تخیلات وتصورات کی بنیاد پر اشعار منظوم نہیں کرتے بلکہ ان کی شاعری کی زمام بدست اسلام ہوتی ہے۔ حضرت حسان بن ثابت اور دیگر شعراء رسول کی مناسب عکاسی مولانا ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی نے اپنے تحقیقی مقالہ "شعراء الرسول" میں کی ہے۔[۹] انھیں شعراء نے شخصیت رسول، رسالت، اور اوصاف نبی کریمؐ کی مستند تصویر کشی کی ہے۔ انھیں مومن شعراء کے یہاں غزوات، وسرایا اور بہت سے دیگر واقعات کی تفصیلات ان کی شاعری میں موجود ہیں اس کے علاوہ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ماقبل رسالت کی داستان کو بھی جاہلی شعراء نے موضوع بحث بنایا جو سیرتی بحثوں کی تفہیم میں ممد ومعاون ہیں۔ سیرت پاک سے متعلق جو ابتدائی لٹریچر ہے اس میں اشعار کی ایک بڑی دنیا آباد ہے۔ سیرت کے بنیادی مآخذ میں اشعار کا بھی اساسی کردار رہا ہے۔ سیرت نگاروں نے انھیں اشعار کی بنیاد پر شمائل النبی کی کڑیاں تلاش کی ہیں، کتاب المغازی، تہذیب التہذیب، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور تاریخ کبیر، وغیرہ میں اشعار کی مدد سے سیرتی خدوخال پیش کیے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ شاعری میں سیرت پاک کا ایک بڑا گوشہ موجود ہے اسی تتبع میں اردو کے نامور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب "سیرۃ النبی" میں اشعار سے استدلال کیا ہے۔ راقم الحروف اس

مضمون میں انہی اشعار کو موضوع بحث بنائے گا۔

علامہ شبلی نے اپنے مقدمہ میں اس پہلو کو بھی اجاگر کیا اور سیرت پر لکھی جانے والی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت کی کہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں صحیح روایتوں کا التزام کیا گیا ہو۔ اسی ضمن میں علامہ نے حافظ ابن حجر کے استاذ حافظ زین الدین عراقی کا ایک شعر نقل کیا ہے۔[۱۰]

ولیعلم الطالب ان السیرا

تجمع ما صح وما قدا نکرا

(یعنی طالب فن کو جاننا چاہیے کہ سیرت میں ہر قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں صحیح بھی اور قابل انکار بھی)

لفظ ''عرب'' کی تاریخی، ثقافتی اور لسانی تحقیقات پر طویل تر بحثیں ہوئی ہیں۔ جو نہایت عالمانہ اور محققانہ ہیں۔ علامہ نے بھی سیرت میں اس کی معنویت پر اظہار خیال کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ عرب کا مفہوم فصاحت اور زبان آوری ہے اور ان کے علاوہ دنیا کی تمام ملل عجم یعنی ژولیدہ بیانی کا شکار ہیں۔ انھیں اپنے مافی الضمیر کی درست پیشگی پر قدرت نہیں۔ لفظ ''عرب'' کے متعلق ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ عرب نہیں ''عربہ'' ہے جس کا ذکر کلام عرب میں موجود ہے۔[۱۱]

ورجت باحة العربات رجاً

ترقرق فی مناکبها الدماء

(سرزمین عرب گونج اٹھی ہے اس کے کناروں میں خون جھلملا رہے ہیں)

وعربة أرض جد فی الشر أهلها

کما جد فی شرب النُقاخ ظماء

(وہ ایسی سرزمین ہے جس کے باشندے جنگ کی طرف اس طرح سے بھاگتے ہیں، جس طرح سخت پیاسا آبِ شیریں کی

طرف بھاگتا ہے۔)

وعـربة أرض مـا يحل حـرامـهـا
مـن الـنـاس الا للوذعی الحلاحل

(وہ ایسی سرزمین ہے جس کی حرمت ذہین وفطین اور سردار شخص کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں کی گئی)

علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں آنحضور ﷺ کے امتیازی حسب ونسب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آپ کا خاندان ابتداء ہی سے معزز ومکرم رہا ہے۔ آگے چل کر خاندان رسول ﷺ کو لقب قریش دے کر مزید ممتاز بنایا گیا اس لقب کو دینے والے نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک اس لقب سے سب سے پہلے فہر کو نوازا گیا اور انہی کی اولاد قریش ہے۔ حافظ عراقی اپنی سیرت منظوم میں رقم طراز ہیں:[۱۲]

أمـا قـريـش فـالأصـح فـهـر
جـمـاعـهـا و الاكـثـرون الـنـضـر [۱۳]

(قریش کے متعلق صحیح بات تو یہی ہے کہ ان کی اصل فہر ہیں جب کہ اکثر لوگ نضر کو قرار دیتے ہیں۔)

اسی موضوع کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ خاندان قریش کی خدمات اور ایام حج میں حجاج کرام کے لیے ان کی قربانیاں لائق ذکر ہیں۔ علامہ نے "العقد الفرید" کے حوالے سے بتایا کہ خاندان قریش کے آبا واجداد میں سے ایک شخص قصی بن کلاب نے اپنے خاندان کو کعبہ کے اردگرد بسایا جس کی بنا پر انھیں قریش کہا گیا۔ کیوں کہ "تقریش" کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اسی بناء پر اس کو مجمع بھی کہتے ہیں[۱۴] شاعر کہتا ہے:

قـصـی ابو كـم من يسمى مجمعا
بـه جـمـع الله الـقـبـائل من فـهـر

(قصی تمہارے جد ہیں، جنھیں مجمع کہا جاتا ہے۔ انھیں کے توسط

سے اللہ تعالیٰ نے قبائل فہر کو جمع کیا۔)

علامہ شبلی نے بعثت رسول ﷺ کے حوالے سے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ اس زمانے میں بہت سے ایسے اشعار منظوم کیے جاتے تھے جس میں آپ ﷺ کی آمد کا ذکر ہوتا اور ان میں آپ ﷺ کی خصوصیات قلم بند کی جاتیں اور پھر یہ اشعار کسی بڑی شخصیت سے منسوب کر دیئے جاتے اسی تناظر میں حضرت ابوطالب کے لامیہ قصیدہ کو بھی دیکھا گیا ہے۔ جسے ابن ہشام وغیرہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔[۱۵] سید صاحب نے استاذ گرامی کے اس خیال سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ پورا قصیدہ موضوع نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ اشعار موضوع ہیں کیوں کہ اس کے دو شعر صحاح میں بھی مذکور ہیں۔ ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کر کے بتایا کہ اہل علم نے اس قصیدے کے بیشتر اشعار کو موضوع قرار دیا ہے۔ اس کا اختتام یوں ہوا ہے:

فاصبح فینا احمد فی أرومه

تقصر عنه سورة المتطاول

(احمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہم میں ایک ایسے سلسلے سے ہوا ہے کہ دست درازی کرنے والے کا مرتبہ اس کی ہم سری کرنے سے قاصر ہے۔)

فأیدهٗ رب العباد بنصره

وأظهر دیناً حقه غیر باطل[۱۶]

(پس بندوں کے پروردگار نے اس کی مدد کی اور اس کے دین حق کو نہ مٹنے والا بنا کر اسے غلبہ عطا کیا۔)

اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ نے یہ بھی بتایا کہ بہت سے اشعار ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے منظوم کیے گئے ۔ یہ اشعار توحید اور معاد سے متعلق ہوتے۔ صرف اس لیے کہ دین اسلام سے اس طرح کے اشعار کو تائید حاصل ہوگی۔ اسی طرح کے اشعار امیہ ابن الصلت سے صرف اس لیے منسوب کیے گئے کہ

انھیں قبولیت عام حاصل ہوگی۔

فقلت له يا أذهب بهارون فادعوا
إلى الله فرعون الذى كان طاغيا

(پس میں نے موسیٰ سے کہا کہ ہارون کو لے کر جاؤ اور اس فرعون کو تم دونوں اللہ کی طرف بلاؤ جو سرکش ہو چکا ہے۔)

وقولا له أنت رفعت هذه
بلا عمد ارفق اذابك بانيا

(اور تم دونوں اس سے پوچھ لو کیا (آسمان کو) بغیر ستون تم نے بلند کیا ہے۔ تب تم اپنے ساتھ نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔)

وقولا له أنت سوّيت وسطها
منيرا إذا ما جنه الليل هاديا ۱۷ا

(اور اس سے پوچھو کہ آسمان کے درمیان روشن چاند کو کس نے ضیاء بخشی ہے جب کہ پرسکون رات اس پر چھا جاتی ہے۔)

ظاہر ہے کہ مذکورہ اشعار قرآن کریم کو سامنے رکھ کر منظوم کیے گئے ہیں۔ اس لیے امیہ بن ابی الصلت کی جانب اس کا انتساب بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ تمام سیرت نگاروں کی طرح علامہ نے بھی ہجرت مدینہ کا ذکر کیا ہے اور بتایا کہ انصار مدینہ کے اندر آپ ﷺ کے استقبال کا عجیب ولولہ اور شوق فراواں تھا۔ مرد شہر سے باہر نکل آئے تھے۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ جان نثاروں کی صفیں تھیں۔ راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا۔ حضور! یہ گھر ہے، یہ مال ہے۔ یہ جان ہے، آپ منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آ گیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں: ۱۸ا

طلع البدر علينا
من ثنيات الوداع

(بدر رسالت کوہ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر طلوع ہوا۔)

وجب الشکر علینا

مادعا للہ داع

(ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگے۔)

معصوم لڑکیوں پر کیا وارفتگی کا عالم تھا کہ وہ دف بجا بجا کر گاتی تھیں: ۱۹؎

نحن جوار من بني النجار

یا حبذا محمداً من جار

(ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد ﷺ کیا اچھے ہمسایہ ہیں۔)

ہجرت کے بعد سب سے بڑی ضرورت صحابہ کرامؓ کی یہ تھی کہ ایک مسجد کی تعمیر ہو جہاں اللہ کے حضور قیام اور رکوع و سجود کا اہتمام ہو، نیز اسے اسلام کا پہلا قلعہ بھی بنایا جا سکے اور تسبیح و تہلیل کی جا سکے اس قلعہ سے مدرسہ کا کام لینے کے ساتھ ساتھ وہیں سے فوجیں بھی روانہ کی جا سکیں۔ اس مسجد کو قرآن کریم میں "لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم أحق أن تقوم فيه" کہہ کر اس کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کی تعمیر میں خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی شامل تھی۔ سرور کونین ہونے کے باوجود پتھروں کو اٹھاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی ان محنت کشوں میں شامل تھے محنت کشی کے ساتھ ساتھ مسرت میں زبان سے حقائق بھی ادا ہو رہے تھے۔ ۲۰؎

أفلح من يعالج المساجدا

ويقرأ القرآن قائما وقاعدا ۲۱؎

(وہ کامیاب ہوا جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن کریم پڑھتا ہے۔)

ولا يبيت الليل عنه راقداً

(اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔)

اسی طرح بہت سے دیگر صحابہ کرامؓ بھی مندرجہ رجز پڑھتے تھے۔ اور سرکار

دو عالمﷺ مزدوروں کے لباس میں پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور خود بھی سب کے ساتھ اسی رجز کو دہراتے تھے۔۲۲

اللھم لا خیر الا خیر الآخرة

فاغفر الانصار والمھاجرة

(اے خدا! کامیابی تو صرف آخرت کی کامیابی ہے۔اے خدا! انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔)

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ صحابہ کرامؓ آپﷺ کے تحفظ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔حضرت خنساءؓ نے اپنے تمام بیٹوں کو تحفظ رسول میں قربان ہونا پسند کیا، لیکن انہیں یہ ہرگز پسند نہ تھا کہ آپﷺ کے پیر میں کانٹا بھی چبھے۔اس تعلق سے علامہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ "عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے۔لیکن عتبہ کے بھائی شبیہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا۔حضرت علیؓ نے بڑھ کر شبیہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہﷺ کی خدمت میں لائے۔حضرت عبیدہؓ نے آنحضرتﷺ سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا: نہیں تم نے شہادت پائی۔حضرت عبیدہؓ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں:۲۳

ونسلمه حتی نصرع حوله

ونذهل عن أبنائنا والحلائل ۲۴

(ہم محمدﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا نہ دیئے جائیں۔)

غزوہ بدر کے حوالے سے سیرت نگاروں نے ڈھیروں اشعار نقل کیے ہیں۔۲۵ اسی تناظر میں کچھ اشعار سیرۃ النبی میں بھی ہیں۔جنگ بدر میں جب کفار و مشرکین

قیدی بنائے گئے تو ان قیدیوں کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ ان میں بہت سے ایسے قیدی ہیں جنھوں نے خود سے جنگ میں حصہ نہیں لیا بلکہ انہیں اس میں حصہ لینے پر مجبور کیا گیا۔ انھیں میں سے ابوالبختری بھی تھا جب اسے چھوڑنے کی بات کی گئی تو اس نے کہا کہ میرے دوست کو رہا کیا جائے۔ اس پر اسے نفی میں جواب دیا گیا۔ اس پر اس نے کہا کہ خواتین عرب کا طعنہ سننے کی میرے اندر تاب نہیں ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے میں نے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری بڑھتا ہوا آگے بڑھا اور مارا گیا۔ ۲۶

لن یسلم ابن حرة زمیلهٗ

حتی یموت أو یری سبیلهٗ

(شریف زادہ اپنے دوست کو چھوڑ نہیں سکتا، جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔)

عربوں کے اندر جرأت وشجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ رونا ان کے یہاں معیوب اور بزدلی کی علامت تھی۔ چنانچہ جنگ بدر میں جب کفار مشرکین کی ایک بڑی تعداد جام کفر نوش کیا تو ان کے آباء واجداد اور اعزا و اقارب کے دل بھر آئے اور شدید آہ وگریہ کرنا چاہ رہے تھے لیکن یہ منادی کرادی گئی کہ غیرت کے پیش نظر رونا منع ہے۔ اس میں اسود کے تین لڑکے بھی مارے گئے تھے۔ اور اندر سے اس قدر ٹوٹ پھوٹ گئی تھی کہ آنسوؤں کا سیلاب برپا کرنا چاہ رہی تھی لیکن قومی عزت آڑے آرہی تھی اسی اثناء باہر سے رونے کی آواز آئی تو خادم کو کہا جا کر دیکھو رونے کی اجازت مل گئی ہے۔ اس نے آکر بتایا کہ ایک عورت اپنے اونٹ کے گم ہونے کی وجہ سے رو رہی ہے اس پر اسود کی زبانی پر بے اختیار یہ اشعار آگئے: ۲۶/ا

أتبکی ان یضل لها بعیر

ویمنعها من النوم السهود

(اونٹ کے گم ہو جانے پر روتی ہے، اور اس کو نیند نہیں آتی۔)

فلا تبكي على بكر ولكن على
بدر تقاصرت الجدود
(اونٹ پر مت رو، بدر پر آنسو بہا، جہاں قسمت نے کمی کی۔)

فبكي أن بكيت على عقيل
وبكي حارثاً اسد الأسود
(تجھ کو رونا ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔)

جنگ بدر کی شکست نے کفار و مشرکین کے اندر ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس لیے ان کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ اب کہ صحابہ رسول پالا نہ مار سکیں، نوجوان بوڑھے اور عورتیں جذبات سے چور تھیں کہ جنگ احد میں اپنی رسوائی کا بدلہ ضرور لینا ہے کیوں کہ ان کے وقار اور مذہب کا مسئلہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ محمد "صابئ" (بے دین) ہو گیا ہے۔ وہ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے لوگوں کو اس سے برگشتہ کرتا ہے۔ ان کی عورتیں اندر سے انتقام کے لیے ایسا بے چین تھیں کہ طبل جنگ کے بجائے خواتین کفار و مشرکین دف پر مندرجہ اشعار پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ یہ اشعار پڑھ رہی تھیں: [۲۷]

نحن بنات طارق
نمشي على النمارق
(ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے والی ہیں۔)

أن تقبلوا نعانق
أو تدبروا نفارق
(اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔)

جنگ احد میں قریش کا علم بردار طلحہ تھا جب لشکر اسلام اور لشکر کفر کا آمنا سامنا ہوا تو طلحہ اپنی فوج سے باہر آ کر بڑے خاص انداز میں کہتا ہے کہ کیا تم میں کوئی ہے جو

مجھے جہنم رسید کردے یا خود میرے ہاتھوں بہشتی بن جائے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ صف سے باہر نکل کر آئے اور کہا میں ہوں۔ یہ کہتے ہوئے تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔اس کے بعد اس کا بھائی عثمان یہ رجز بڑھتا ہوا حملہ آور ہوا:

إن عـلـى أهـل الـلـواء حـقـا

أن تـخـضـب الـصـعـدة أوتندقا

(علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔)

ان کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت حمزہؓ نکلے اور اس کے شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی اور یوں واصل جہنم ہوا۔ علامہ نے انصار کے ایک عفیفہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے تحریر کیا کہ اس جنگ میں ان کے باپ، بھائی اور شوہر نے جامِ شہادت نوش کیا۔ باری باری تین مرتبہ ان حادثات کی انھیں خبر دی گئی۔لیکن ہر بار ان کا یہی سوال ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جواب دیا جاتا بخیر ہیں۔انھوں نے پاس آکر چہرہ انور کا دیدار کیا اور بے اختیار پکار اٹھیں ۲۸؎

كـل مـصـيبة بـعـدك جـلـل

(تیرے ہوتے ہوئے سب مصائب ہیچ ہیں۔)

یہی حب رسول تھا جو سب کروانے کے لیے تیار رہتا۔بس شرط یہ تھی کہ معمولی خراش بھی حبیب خدا کو نہ آنے پائے۔خدا کا شکر ہے کہ امت مسلمہ طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہے لیکن حب رسول میں وہی تلاطم و تموج ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان دینا تو بس ایک حقیر سا نذرانہ ہے۔یہی حال حضرت خبیبؓ کا تھا جو واقعہ رجیع میں گرفتار ہوئے اور انھیں مکہ میں بیچ ڈالا گیا۔حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ حارث کے لڑکوں نے انھیں خرید کر باپ کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔ چنانچہ خاندان حارث انھیں حدود حرم سے باہر لے گیا۔شہادت سے قبل انھوں نے دو رکعت نماز کی اجازت چاہی۔اجازت ملنے پر دو رکعت نماز ادا کی اور کہا کہ دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن شاید تم لوگوں کے ذہن میں یہ آجائے کہ موت سے ڈرتا

ہوں۔ پھر یہ اشعار پڑھے:۲۹

وما أن أبالي حين اقتل مسلما

علی أی شق كان لله مصرعی

(جب میں اسلام کے لیے قتل کیا جارہا ہوں، تو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ کس پہلو قتل کیا جاؤں گا۔)

وذلك في ذات الالٰه وأن يشاء

يبارك علی اوصال شلو ممزع

(یہ جو کچھ ہے خالصاً خدا کے لیے ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا۔)

دشمنانِ اسلام میں ایک بڑا نام کعب بن اشرف کا تھا۔ کعب ایک خاص حیثیت اور شان کا مالک تھا، اسی دولت مندی نے اسے یہودیان عرب کا سردار بنادیا۔ اسے اسلام سے قلبی عداوت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں سرداران قریش کے مارے جانے پر اسے شدید قلق تھا۔ چوں کہ شاعر تھا اس لیے اس نے اپنے جذبات کو منظوم کیا جس میں کشتگان بدر کا انتقام لینے پر قریش کو اکسایا گیا تھا۔ لوگوں کو جمع کر کے وہ مرثیہ پرزور انداز میں پڑھتا، خود روتا اور لوگوں کو رلاتا۔۳۰ ابن ہشام میں یہ اشعار نقل کیے گئے ہیں علامہ نے اس کے دو اشعار نقل کیے ہیں:

طحنت رحى بدر لمهلك أهلهٗ

ولمثل بدر تستهل وتدمع

(جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا، بدر جیسے واقعات کے لیے رونا پیٹنا چاہیے۔)

كم قد اصيب به من أبيض ماجد

ذی بهجة يأوی اليه المضيّع ۳۱

(کتنے شرف سپید و بارونق، چہرے جن کے یہاں اہل حاجت پناہ

لیتے تھے، مارے گئے۔)

جنگ احزاب کا سیرت پاک اور تاریخ اسلام میں ایک نمایاں مقام ہے۔ جب اس موقع پر جنگی حکمت عملی کے تحت خندق کھودنے کا سلسلہ شروع ہوا تو دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ آنحضورﷺ بھی مٹی پھینک رہے تھے۔ جس کی وجہ سے شکم مبارک پر گرد اٹ گئی تھی۔ اس حال میں آپﷺ کی زبان پر یہ رجزیہ اشعار تھے۔ ۳۲؎

والله لولا الله ما اهتدينا

ولا تصدقنا ولا صلينا

(بخدا اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے، نہ ہی صدقہ دیتے اور نہ ہی نماز ادا کرتے۔)

فأنزلن سكينة علينا

وثبت الاقدام إن لاقينا

(پس انھوں نے ہم پر طمانیت نازل کی اور اگر ہم (مصائب سے) دوچار ہوئے تو اس نے استقلال عطا کیا۔)

إن الأولى قد بغوا علينا

اذا ارادوا فتنة ابينا

(ان لوگوں نے ہمارے خلاف زیادتی کی ہے جب وہ فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔)

صحابہ کرام اشاعت اسلام کے لیے اپنا ہر قطرہ خون نچوڑ دینا چاہتے تھے۔ اس کی ایک تازہ مثال سعد بن معاذ کی ہے جو غزوہ احزاب میں حصہ لینے کے لیے تیزی سے اپنا ہتھیار لیے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اور یہ شعر ان کی زبان پر رواں تھا:

لبثت قليلا تدرك الهيجا جمل

لا بأس بالموت إذا الموت نزل

(ذرا ٹھہر جا تا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے۔ وقت جب

آ گیا تو موت سے کیا ڈر ہے۔)

چنانچہ جنگ میں آپ کے ہاتھ میں ایک تیر لگا جس کی وجہ سے اکحل کی رگ کٹ گئی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد مسجد کے صحن میں آپ کی تیمار داری کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ رقیہ نامی خاتون کے ذریعہ آپ کی تیمار داری کے فرائض انجام دیئے جا رہے تھے۔ خود آنحضور ﷺ نے دو بار مشقص لے کر داغا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ چنانچہ اسی زخم کاری میں آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔

صحابہ کرامؓ اپنے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تحفظ ایمان واسلام میں مدینہ ہجرت کر گئے تھے لیکن خانہ کعبہ کی محبت اور وطن کی خوشبو پیچھا کیے ہوئے تھی۔ اور وہاں کے در و دیوار رہ رہ کر یاد آتے تھے۔ حب وطن کو اپنے دلوں سے جدا کرنا محال ہے۔ علامہ نے لکھا ہے کہ مکہ کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت ان کے کلیجے میں کھٹکتی رہتی تھی۔ ۳۴؎ حضرت بلالؓ ۳۵؎ پر مکہ میں کوہ الم توڑے گئے تھے پر پھر بھی مکہ کی یاد میں اکثر آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور با آواز بلند یہ شعر پڑھتے:

الا لیت شعری هل اتین لیلة

بواد وحولی اذخر وجلیل

(آہ! کیا پھر بھی وہ دن آ سکتا ہے کہ مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کروں اور میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں۔)

وهل اردن یوما میاه مجنة

وهل یبدون لی شامة وطفیل

(اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ میں مجنہ کے چشموں پر اتروں اور شام وطفیل مجھے دکھائی دیں۔)

جنگ خیبر کا علامہ نے عالمانہ تجزیہ کیا ہے، خیبر کا مفہوم عبرانی میں قلعہ ہے۔ چنانچہ یہودیوں کو شکست دینے کے لیے آنحضور ﷺ نے سولہ سو افراد پر مشتمل ایک فوج روانہ کی۔ اس میں مشہور شاعر عامر بن الاکوع بھی شامل تھے۔ مندرجہ رجز یہ اشعار پڑھ

رہے تھے ۳۵ جس میں شکر خداوندی ادا کرتے ہوئے اسلام کی فوقیت و برتریت بیان کی گئی ہے:

اللھم لولا انت ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا

(اے خدا! اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ خیرات کرتے، نہ نماز پڑھتے۔)

فاغفر فداء لك ما اتقینا
والقین سکینة علینا

(ہم تجھ پر فدا ہیں، ہم جو احکام نہیں بجالائے ان کو معاف کر دے اور ہم پر تسلی نازل کر۔)

انا اذا صیح بنا اتینا
وثبت الاقدام ان لاقینا

(جب ہم فریاد میں پکارتے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔)

وبالصیاح عولوا علینا

(لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ کی درخواست کی۔)

جنگ خیبر کے حوالے سے حضرت علیؓ کی آشوب چشمی سے ہم سب واقف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگا کر ان کے ہاتھوں میں علم تھمایا۔ یہود سے صلح کی بات ہوئی لیکن وہ کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ کیوں کہ وہ اپنی طاقت کے زعم میں تھے۔ ۳۶ چنانچہ مرحب قلعہ سے مندرجہ رجز پڑھتا ہوا باہر آیا:

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب

(خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر، تجربہ کار اور سلاح پوش ہوں۔)

صلح حدیبیہ کے شرائط میں سے یہ بھی تھا کہ مسلمان مکہ آئیں تو اپنے ساتھ ہتھیار نہ لائیں۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قصد کیا تو مکہ سے آٹھ میل قبل مقام 'بطن یاجج'' میں چھوڑ دیئے گئے۔ چنانچہ لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف آگے بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے: ۳۷

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ

الیوم نضربکم علی تنزیلہ

(کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ، آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کریں گے۔)

ضرباً یزیل الھام عن مقیلہ

ویذھل الخلیل عن خلیلہ ۳۸

(وہ وار جو سر کو خواب گاہ سر سے الگ کردے اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔)

خزاعہ اور قبیلہ بنو بکر کے مابین مدت مدید سے جنگ برپا تھی۔ قبیلہ بنی بکر اور قریش میں مخالفت کی بناء پر خزاعہ کمزور پڑ گیا تھا۔ جب بنی بکر اور قریش نے مل کر خزاعہ پر ہلہ بول دیا تو خزاعہ نے مجبوراً حرم میں پناہ لی تو بنو بکر حرم کے احترام میں رک گئے لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا کہ یہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دفعتاً یہ صدا بلند ہوئی: ۳۸/ا

لاھم انی ناشد محمدا

حلف أبینا الا تلدا

(اے خدا! میں محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے۔)

فانصر رسول الله نصرا عتدا
وادع عباد الله یاتوا مددا

(اے پیغمبر خدا! ہماری اعانت کر اور خدا کے بندوں کو بلا، سب اعانت کے لیے حاضر ہوں گے۔)

سیرت النبی کے مختلف مباحث کے تعلق سے جو اشعار نقل کیے گئے ہیں اس سے اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ علامہ کی کلام عرب پر خاصی وسیع نظر تھی۔ خصوصاً جاہلی دور کی شاعری کا مطالعہ انھوں نے اس لیے کیا تھا کہ سیرت کے گوشے ان کی نظروں میں الم نشرح ہو جائیں۔ علامہ نے اپنے اسی مطالعہ کی بنیاد پر تمدن عرب کا معتبر خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کی جھلک "الانتقاد علی التمدن الاسلامی" میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔[۳۹] علامہ جاہلی شعراء کے موضوعات اور رجحانات سے باخبر تھے۔ علامہ نے سیرۃ النبی میں مسئلہ "ثار" (قصاص) کے تئیں ان کے متعدد خیالات پیش کیے۔ "ثار" کے متعلق ایک خیال یہ ہے کہ جب تک مقتول کا انتقام نہیں لیا جائے تب تک اس کی روح پرند بن کر قتل کر شور کرتی رہتی ہے۔ کہ مجھ کو پلاؤ میں پیاسی ہوں، اس پرند کو "صدیٰ" کہتے ہیں۔[۴۰] ابوداؤد ایادی کہتا ہے:

سلط الموت والمنون علیهم
فلهم فی صدی المقابر هام[۴۱]

(ان پر موت مسلط ہوگئی ہے، اور مقبروں کے 'صدیٰ' میں ان کے لیے "ہام" ہے۔)

اسی موضوع سے متعلق ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے:

یا عمرو أن لا تدع شتمی ومنقصتی
اضربك حیث تقول الهامة اسقونی[۴۲]

(اے عمرو! اگر تو مجھ کو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑے گا تو میں تجھ کو اس طرح ماروں گا کہ ہام کہے گی کہ مجھے سیراب کرو۔)

ایک تصور یہ بھی تھا کہ اگر مقتول کا انتقام لیا گیا تو مقتول کی قبر میں اندھیرا ہوگا۔ عمرو بن معدیکرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے:

واترك في قبر بصعدة مظلم ۴۳

(خون بہانہ لوگے تو میں اندھیری قبر میں پڑا رہوں گا۔)

اسی مفہوم کو عمرو بن کلثوم نے اس طرح پیش کیا ہے:

معاذ الاله أن ینوح نسا نا

علی هالك أو أن نضج من القتل ۴۴

(خدا نہ کرے کہ ہماری عورتیں مقتول پر نوحہ کریں یا ہم قتل سے گھبرائیں۔)

مقتول پر نوحہ کرتے تھے تو اس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لیتے تھے:

من كان مسرورا بمقتل مالك

فليات نسوتنا بوجه نهار

(جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا وہ دن کو ہماری عورتوں کے پاس آئے۔)

يجد النساء حوا سرا يندبنه

يلطمن أوجهن بالأسحار

(وہ دیکھے گا کہ عورتیں ننگے سر نوحہ کر رہی ہیں اور صبح کو اپنے چہروں پر تھپڑ مار رہی ہیں۔)

ایک لایعنی تصور عربوں کا یہ بھی تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اس کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا اسی بناء پر بیماری سے مرنے کو "حتف انف" کہتے ہیں یعنی "ناک کی موت" اور ایسی موت کو نہایت عار سمجھتے تھے۔ ۴۵

وما مات منا سيد حتف انفه

ولاطل منا حيث كان قتل

(ہمارا کوئی سردار ناک کی راہ سے نہیں مرا اور نہ ہمارے مقتول کا خون بدر ہوا۔)

یہی وجہ ہے کہ بہت سے عرب خون بہا لینے کو عیب سمجھتے تھے۔ اسی شاعر کا مصرع ہے:

ومشوا بآذان النعام المثلم

(اور خون بہا لیتا ہے تو بوچے شتر مرغ کا کان پکڑ کر لے جاؤ۔)

جاہلی شاعری کا ایک اہم باب یہ ہے کہ غیرت وحمیت کے پیش نظر مقتول پر نوحہ کرنا عربوں کے نزدیک غیر مستحسن تھا۔

ولا تراهم وإن جلت مصيبتهم

مع البكاة على من مات يبكونا

(گو کتنی بڑی مصیبت ہو، لیکن ان کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے۔)

علامہ نے عربوں کے تمدن پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے وحشیانہ افعال کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً اپنے دشمنوں کی جان لینے کے بعد بھی ان کے جسمانی اعضاء وغیرہ کاٹ ڈالتے تھے۔ اسی جذبۂ انتقام میں حضرت حمزہ اور دیگر شہداء کے اعضاء کو کاٹ کر ہار بنایا گیا اور گلے میں پہنایا گیا۔ یہ بھی عربوں کی بدترین خصلت تھی کہ اپنے دشمنوں کی کھوپڑی میں شراب پینے کا عہد کرتے اور یہ سنگ دلی بھی ان کے اندر موجود تھی کہ اپنے دشمنوں کا کلیجہ نکال کر چبا جاتے۔ حضرت حمزہ کے کلیجہ کے ساتھ ہندہ نے ایسا ہی کیا تھا۔ اسی طرح حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر ڈالتے تھے[۴۶] عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے:

بقرنا الحبالىٰ من شنوة بعد ما

خبطن بعنف الريح نهدا وخثعما

(بعض دوستوں کی وجہ سے ہم نے حاملہ خواتین کے شکم چاک
کر دیئے جب کہ وہ تیز وتند ہوا میں لڑکھڑا رہی تھیں۔)

علامہ نے سیرۃ النبی کی دوسری جلد میں بھی بہت سے اشعار نقل کیے ہیں جن سے حقائق سیرت کی گرفت میں آسانی ہوتی ہے۔ اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے

عرب سب سے اقرب شعر ہی کو سمجھتے تھے اسی لیے تمدن عرب کے اہم مصادر میں کلام عرب کو بھی شامل کیا گیا ہے اور ان میں قرآن کریم سب سے معتبر مصدر ہے۔ بہر کیف علامہ کے استحضار میں اشعار کا ایک بڑا دفینہ موجود تھا جس سے وہ استدلال کرتے تھے۔ یہاں دوسری جلد میں منقولہ عربی اشعار کو بھی نقل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ علامہ نے فروہ بن عمرو کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بتایا کہ شام کے معان اور اس کے اضلاع پر ان کے زیر تسلط تھے انھیں جب اسلام کی صداقت کا اندازہ ہوا تو انھوں نے اسلام کو قبول کیا۔ ۴۷؎ جب یہ خبر روم کے عیسائیوں کو معلوم ہوئی تو انھوں نے گرفتار کر کے سولی دے دی تختۂ دار پر ان کی زبان پر یہ شعر رواں تھا۔

بلغ سراة المسلمين بأنني

سلام لربى اعظمى ومقامى

(مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ میرا جسم اور میری

عزت سب اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے۔)

علامہ نے اشاعت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے قبیلہ مزینہ کے متعلق بتایا کہ بیک وقت اس قبیلہ کے چار سو افراد آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں تشریف لائے اور اسلام قبول کیا۔ عراقی نے اپنی سیرت منظوم میں اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے: ۴۸؎

اول وفد الـمـديـنة

سنة خمس وفدوا مزينه

(سب سے پہلا وفد جنھیں مدینہ میں باریابی کا شرف حاصل ہوا جو

۵ھ میں آنے والا مزینہ کا وفد تھا۔)

قبیلہ بنو تمیم کے وفود بڑی شان وشوکت کے ساتھ دربار رسالت میں قبول اسلام کی غرض سے حاضر ہوئے تو اللہ کے رسول ﷺ کے دروازے پر دستک دے کر آپ ﷺ کو بلایا اور کہا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں گے آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس موقع پر تقاریر اور قصائد دونوں پیش کیے گئے۔ تمیم کے مشہور

شاعر زبرقان بن بدر نے اپنی اعلیٰ حسبی کا اس طرح ذکر کیا:

نحن الکرام فلاحی یعادلنا
منا الملوك وفینا تنصب البیع

(ہم شرفاء قوم ہیں، کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہوسکتا، ہم میں تخت نشین ہیں اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔)

اس کے بعد آنحضورﷺ نے دربار رسالت کے شاعر حسان بن ثابت کی طرف دیکھا تو انھوں نے برجستہ کہا:۴۹

إن الذوائب من فِهر واخوتهم
قد بینوا سنة للناس یتبعوا ۵۰

(شرفاء قبیلہ فہر و برادران فہر نے لوگوں کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔)

ایک زمانہ ایسا تھا کہ رسول اللہﷺ اور صحابہ کرام کو اپنی مجبوریوں کی بنا پر اپنے وطن، اعزا، اقرباء، اور خاص کر خانہ کعبہ کو چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا، اسی طرح صلح حدیبیہ میں دب کر صلح کرنی پڑی اور ہتھیار کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ان کا داخلہ ممنوع تھا۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کفر و شرک اور یہودیت و نصرانیت اسلام کے سامنے سرنگوں تھے اور رسول اللہﷺ نے حکم صادر کیا کہ ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ طائف کے صنم اعظم لات کو جا کر توڑ دیں۔ جب مغیرہ نے توڑنے کا عزم کیا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں ۵۱ اور یہ اشعار ان کی زبان سے ادا ہو رہے تھے:

الا ابکین دفّاع
اسلمها الرضّاع

(لوگوں پر رو، کہ پشت سمتوں نے اپنے بتوں کو دشمنوں کے سپرد کر دیا۔)

لم یحسنوا المصاع

(اور معرکہ آرائی نہ کر سکے۔)

علامہ نے سیرۃ النبی میں نجران کے عظیم الشان کلیسا کا بھی ذکر کیا۔ جسے نصاریٰ کعبہ کہتے تھے اور اسے حرم کعبہ کا جواب بھی سمجھتے تھے۔ اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے۔ عرب کے اندر کوئی ایسا مذہبی مرکز نہ تھا جو اس کی ہمسری کرتا۔ ۵۲ اعشیٰ اس کی شان میں یوں اپنے جذبات کو پیش کرتا ہے:

وکعبة نجران حتمٌ علیكِ

حتی تناخی بأبوابها

(نجران کے کعبہ تک رسائی تمہاری لیے لازم ہے یہاں تک کہ اس کی چوکھٹ پر پڑاؤ ڈال دو۔)

نزور یزیدَ أو عبدَالمسیح

وقیساً، هم خیرُ أربابها ۵۳

(ہم یزید، عبدالمسیح اور قیس کی زیارت کریں گے جو بہترین سردار ہیں۔)

اس کے متعلق مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ یہ گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ اس کعبہ کے حدود میں آنے والا ہر شخص مامون ہو جاتا۔ اس کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔ اس کے مطالعہ سے یہی مترشح ہے کہ یہ سب فتنہ پردازیاں صرف کعبۃ اللہ کی عظمت کو کم کرنے کے لیے تھیں۔ لیکن آج اس مصنوعی کعبہ کا نام و نشان نہیں اور کعبۃ اللہ یوں ہی "مثابة للناس" بنا ہوا ہے اور تا حشر انشاء اللہ بنا بھی رہے گا۔ ۵۴

قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے کہ عرب حدود حرم میں آکر اپنے کپڑے اتار دیتے تھے اس میں مرد و زن سب شامل ہوتے۔ صرف اہل قریش اس بے حیائی میں حصہ نہ لیتے۔ عورتیں بھی اسی حالت میں طواف کرتی ہوئی یہ شعر پڑھتیں: ۵۵

الیوم یبدو بعضهم أو کله

وما بدأ منه فلا أحله

(آج کچھ حصہ اس کا یا پورا کھلے گا، جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی۔)

سیرۃ النبی کی دوسری جلد میں علامہ نے یہ مسئلہ بھی اٹھایا کہ آنحضورﷺ کو ایسی تعریفیں کسی طرح بھی پسند نہ تھیں جس میں مبالغہ یا کذب بیانی ہو، آپﷺ کہا کرتے تھے کہ ابن مریم کی تعریف میں جس طرح نصاریٰ نے غلو کیا ہے تم اس کو قطعاً نہ اپناؤ، میں تو بندۂ خدا اور اس کا فرستادہ ہوں، آپ نے اپنا سجدہ کرنے سے منع کیا نیز بعد وفات اپنی قبر پر سجدہ کرنے سے بھی روکا۔ ایک مرتبہ آپﷺ ایک شادی میں تشریف لے گے اور دلہن کے لیے بچھائے گئے فرش پر بیٹھ گئے۔ گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہوگئیں اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں اور گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا:۵٦ے

فینا نبی یعلم ما فی غد

(ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔)

آپﷺ نے اسے ترک کرنے کو کہا اور فرمایا کہ جو کچھ تم پڑھ رہی ہو اسے پڑھتی رہو۔

غزوہ حنین میں جب دشمانِ اسلام کی پیہم تیر اندازی کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے پھر بھی اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ آپﷺ نہایت سکون واطمینان سے میدانِ جنگ میں جمع رہے۔ اور اس وقت زبان مبارک پر مندرجہ رجز جاری تھا: ۵۷ے

أنا النبی لا کذب أنا ابن المطلب

(میں پیغمبر صادق ہوں، میں فرزند عبدالمطلب ہوں)

عربی سیرت نگاروں کے یہاں بکثرت عربی اشعار بطور دلائل نقل کیے گئے ہیں۔ آنحضورﷺ کی رسالت کے نقوش جاہلی، مخضرمی اور اسلامی شاعری دونوں میں بھی ابھرے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آپﷺ کے ایام طفولیت کے جاننے کا ایک صحت مند راستہ یہی شاعری ہے۔ اسی میں آپ کے خاندان، آپ کے آبا واجداد اور ان کے کارناموں نیز مفاخر لٹریچر کی داستان بیان کی گئی ہے۔ علامہؒ چوں کہ ایک محققانہ

سیرت ترتیب دینا چاہتے تھے اس لیے دیگر سیرتی مآخذ کے ساتھ شاعری پر خاطر خواہ توجہ منعطف کرنے کے خواہش مند تھے۔ کیوں کہ اس میں بہت سے ایسے پڑاؤ آتے ہیں جہاں سے سیرت کی شعائیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ سر سید اور مولانا فراہی کے علمی مباحث نے بھی علامہ کے سامنے عربی شاعری کی قدر و قیمت کو واضح کر دیا تھا۔ علامہ نے جب سیرت کی بہت سے عوائق و موانع شاگرد عزیز کے سامنے پیش کیے تو انھوں نے اس کی صراحت کے لیے جہاں صحف آسمانی اور قرآن کریم کو قسطاس مستقیم بنایا وہیں شاعری کو بھی میزانِ خاص قرار دیا۔ ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ علامہ نے اس لیے بھی سیرت کی تسوید میں کلام عرب کے اساسی کردار کو تسلیم کیا اور اس سے استفادے کو ناگزیر تصور کیا۔ مکاتیب شبلی میں مولانا فراہی کے نام لکھے گئے مکتوبات اس کی مکمل شہادت دے رہے ہیں۔ ۵۸؎ علامہ کے اس نقطہ نظر سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک معیاری سیرت کلام عرب کے بغیر لکھنے کا تصور بے معنی ہے۔ اسی بنیاد پر آگے کی پانچ جلدوں میں سید صاحب نے بھی متعدد مقامات پر اشعار سے استدلال کیا ہے۔ گویا سیرت النبی اردو کی دیگر سیرتی تصانیف میں اس پہلو سے امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ اردو سیرت نگاری میں اس روایت کا آغاز سر سید کے ہاتھوں ہوا اور یہ بھی کہنے میں کوئی تأمل و توقف نہیں کہ اردو میں محققانہ سیرت نگاری کی طرح ڈالنے والے سر سید پہلے شخص ہیں اس لیے خطباتِ احمدیہ کے اثرات سیرۃ النبی میں پوری محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

☆☆☆

ماخذ و مصادر

۱ وضاحت کے لیے دیکھیے : مولانا عبدالسلام ندوی: ماہر قرآنیات وادبیات، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، مولانا عبدالسلام ندوی فاؤنڈیشن، ممبئی، بار اول، ۲۰۰۸ء، ص: ۹۶۔۱۰۴

۲ اسواق عرب پر تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ آداب العرب (مصطفی صادق الرافعی، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء، ۱/۸۷۔۹۰

۳ امرء القیس کے مختلف شعری جہات کا استقصاء رافعی نے اپنی کتاب میں کیا ہے، دیکھیے: تاریخ آداب العرب (اخرجہ: محمد سعید العریان)، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۵۳ء، ۳/۱۹۴۔۲۳۴

۴ مفردات القرآن پر تصانیف کے لیے دیکھیے: مجلّہ: المنہل (عدد خاص للقرآن)، ادارۃ المنہل، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جدۃ، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ/ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۱ء، صفحات: ۲۹۲)، قرآن کریم کے اس خصوصی نمبر کے تعارف کے لیے دیکھیے: مجلّہ 'المنہل' کا قرآن نمبر، قرآنیات کے چند اہم مباحث، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، اروراپرنٹرز، دہلی، مارچ ۲۰۰۲ء، ص ۲۴۱۔۲۵۴

۵ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا حمیدالدین فراہی: مفسر و محقق: ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، قرانک ریسرچ سینٹر، علی گڑھ، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۳۲۔۲۱۴

۶ یاقوت حموی نے ''معجم البلدان'' میں اپنے خیالات کی تائید کے لیے جابجا اشعار کا استعمال کیا ہے۔ یہ جان کر انتہائی خوشی ہوگی کہ یونیورسٹی آف کشمیر کے سینٹر آف سینٹرل ایشین اسٹڈیز نے ''معجم البلدان'' کی تمام جلدوں کو اردو میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور یہ ادبی و تحقیقی سلسلہ جزء ہشتم و نہم تک پہنچ چکا ہے۔ مذکورہ دونوں جزء کے ترجمہ و تحقیق کا فریضہ ظہور احمد عاصمی

نے انجام دیا ہے۔ یہ کام ۶۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر احسن البیان (تفسیر از حافظ صلاح الدین یوسف، ترجمہ از خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی، نظر ثانی، از مولانا وصی الرحمٰن مبارکپوری، دارالسلام، ریاض، ص: ۸۸۸۔۸۸۹

۸۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر و ترمذی ابواب الآداب وغیرہما

۹۔ شعراء الرسول، مولانا سعید الاعظمی ندوی کے تحقیقی مقالہ میں چار شعراء کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ خاکسار نے اس پر تجزیاتی مقالہ بھی ترتیب دیا ہے جو پاکستانی مجلّہ ''نعت رنگ'' میں شائع ہوا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: شعراء الرسول ایک تعارف، ابوسفیان اصلاحی، نعت رنگ، کراچی، ش: ۹، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۳۸۔۱۶۸

۱۰۔ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا، ۱۹۹۶ء، ۵/۱

۱۱۔ ایضاً، ۱/۶۹

۱۲۔ ایضاً، ۱/۱۰۹

۱۳۔ زرقانی، ۱/۹۰

۱۴۔ سیرۃ النبی، ۱/۱۱۰

۱۵۔ سیرۃ النبی، ۱/۱۳۲

۱۶۔ سیرۃ النبی، ابن ہشام، (اردو ترجمہ)، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، پہلی بار اگست ۱۹۸۲ء، ۱/۲۹۹۔۳۰۰

۱۷۔ شعراء النصرانیۃ (جمعہ ووقف علی طبعہ، وتصحیحہ الادب ولیس شیخا الیسوعی) مطبعۃ الآباء المرسلین الیسوعیین، بیروت، ۱۸۹۰ء، ص: ۱/۲۳۱

۱۸۔ سیرۃ النبی، ۱/۱۸۹

۱۹۔ سیرۃ النبی، ۱/۱۸۹

۲۰۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۱۸۷۔۱۸۸

۲۱۔ وفاء الوفاء، بحوالہ ابن شبہ، مصر، ۱/ ۱۸۱، بحوالہ سیرۃ النبی، ۱/ ۱۹۸

۲۲۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۱۹۰۔۱۹۱

۲۳۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۲۲۰۔۲۲۱

۲۴۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۲۹۲

۲۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی (ترجمہ از مولانا عبدالجلیل صدیقی)، ابن ہشام، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، پہلی بار: اگست ۱۹۸۲ء، ۱/ ۱۴/ ۷۔۵۲/ ۷

۲۶۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۲۲۲۔۲۲۳، ۱/ ۲۶، ایضاً، ص: ۲۲۹

۲۷۔ ایضاً، ۱/ ۲۵۷

۲۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے، ایضاً، ۱/ ۲۵۸۔۲۶۵

۲۹۔ ایضاً، ۱/ ۲۷۱

۳۰۔ ایضاً، ۱/ ۲۸۰

۳۱۔ سیرۃ ابن ہشام (ترجمہ از: مولانا عبدالجلیل صدیقی)، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، پہلی بار، اگست ۱۹۸۲ء، ۲/ ۲۹۔۳۰

۳۲۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۲۹۲

۳۳۔ ایضاً، ص: ۱/ ۳۱۲

۳۴۔ حضرت بلالؓ کی شخصیت کے لیے دیکھیے: داعیٔ السماء بلال بن رباح: مؤذن الرسول، عباس محمود العقاد، دار سعد مصر، ۱۹۴۵ء، (الصفحات: ۱۸۷)

۳۵۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۳۳۵

۳۶۔ ایضاً، ۱/ ۳۳۹۔۳۴۰

۳۷۔ ایضاً، ۱/ ۳۵۱

۳۸۔ عبداللہ بن رواحہ کے یہ اشعار ''طبقات فحول الشعراء'' میں اس طرح درج ہیں:

خلوا بنی الکفار عن سبیله
خلوا، فکل الخیر مع رسوله
نحن ضربنا کم علی تأویله
کما ضربنا کم علی تنزیله
ضرباً یزیل الهام عن مقیله
ویذهل الخلیل عن خلیله

دیکھیے: طبقات فحول الشعراء (شرحہ: محمود محمد شاکر)، لابن الجمحی، دار المعارف (بدون تاریخ)، ص، ۱۸۶

۳۸/ا سیرۃ النبی، ۱/ ۳۵۶۔۳۵۷

۳۹ وضاحت کے لیے دیکھیے، خاکسار کا مقالہ: علامہ شبلی اور عربی زبان وادب، ابوسفیان اصلاحی، سہ ماہی فکر ونظر، علی گڑھ (شبلی نمبر)، جون ۱۹۹۶ء، ص: ۲۸۳۔۳۰۸

۴۰ سیرۃ النبی، ۱/ ۴۰۳

۴۱ اس شعر کی ایک روایت یہ بھی ہے:

سلط الدهر والمنون علیهم
فلهم فی صدی المقابر هام

دیکھیے: الأصمعیات: اختیار الاصمعی أبی سعید عبدالملك بن قریب بن عبدالملك، (تحقیق وشرح: احمد محمد شاکر، عبدالسلام هارون)، دار المعارف، مصر، بدون التاریخ) ص: ۲۱۶

۴۲ شعراء النصرانیۃ، ص ۶۳۷

۴۳ یہ مکمل شعر قدرے فرق کے ساتھ اس طرح ہے:

ولا تأخذوا منهم إقالاً وأبكراً
واترك فی بیت بصعدة مظلم

(دیکھیے، شرح دیوان الحماسۃ لابی علی بن محمد بن الحسن المرزوقی (۴۲۱)، نشرۃ: احمد امین، عبدالسلام ہارون، الطبعۃ الاولی، مطبعۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱م، ۱/ ۲۱۷

۴۴ شعراء النصرانیۃ (فی شعراء نجد والحجاز)، ۱/ ۲۰۴

۴۵ وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی، ۱/ ۴۰۳-۴۰۴

۴۶ ایضاً، ۱/ ۴۱۰

۴۷ سیرۃ النبی، علامہ شبلی نعمانی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، طبع چہارم، ۱۳۶۹، ۲/ ۳۳

۴۸ ایضاً، ۲/ ۳۶

۴۹ ایضاً، ۲/ ۳۷-۳۸

۵۰ آخری مصرع میں "یتبعوا" کے بجائے "تتبع" ہے۔ دیکھیے: دیوان حسان ثابت الأنصاری، دار صادر، دار بیروت، ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء، ص: ۱۴۵

۵۱ سیرۃ النبی، ۱/ ۴۶

۵۲ ایضاً، ۲/ ۴۸

۵۳ دیوان الأعشیٰ، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء، ص: ۲۵

۵۴ سیرۃ النبی، ۲/ ۴۸

۵۵ ایضا، ۲/ ۱۲۶

۵۶ ایضاً، ۲/ ۳۳۸

۵۷ ایضاً، ۲/ ۳۴۵

۵۸ وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا فراہی مکاتیب شبلی کے آئینہ میں، ابوسفیان اصلاحی (علامہ حمیدالدین فراہی: حیات وافکار) مقالات فراہی سمینار، دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص: ۴۴۲-۴۵۲

☆☆☆

علامہ فضل حق خیرآبادی کی عربی نعتیہ شاعری

عربی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ہندوستان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ ہندوستان کے عربی نعت گو شعراء، زبان و بیان، رنگ و آہنگ، ندرت خیال اور جدت تراکیب وتشبیہات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ہندوستانی عربی نعت گو شعراء نے آنحضورﷺ کی ذاتِ مقدسہ اور افکار مطہرہ کا کیا ہی خوبصورت مرقع پیش کیا ہے۔ درج ذیل شعراء غلام علی آزاد بلگرامی، شاہ رفیع الدین، ضیاء الدین مدراسی، نصیر الدین دہلوی، محمد یعقوب نانوتوی، فیض الحسن سہارنپوری، احمد رضا خاں بریلوی، ابومحمد طاہر سیف الدین، ظفر احمد تھانوی اور محمد سعید المجددی نے عربی نعتیہ شاعری کے توسط سے اپنے اپنے انداز میں اسوہ رسول کی چمن بندی کی ہے۔

ہندوستان کے عربی نعت گو شعراء میں فضل حق خیرآبادی کی شخصیت سرخیل کے مانند ہے۔ آپ علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محترم علامہ فضل امام خیرآبادی کا نامور علماء میں شمار ہوتا تھا۔ فضل حق خیرآبادی نے اپنے والد محترم سے بہت کچھ سیکھا۔ آپ کی عظمت و رفعت کی ایک بین مثال یہ ہے کہ مفتی صدر الدین آزردہ آپ کے ہم سبق تھے۔ اور مرزا غالب آپ کے دوستوں میں سے تھے۔ دیوانِ غالب آپ کا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔ مرزا غالب آپ سے اکثر اصلاحات لیا کرتے تھے۔ فضل حق خیرآبادی کی شخصیت کا ایک ممتاز پہلو یہ ہے کہ ہندوستان کو انگریزوں کے ظلم وتشدد اور قہر و جبر سے آزادی دلانے اور سلاسلِ غلامی کو توڑنے میں قابل ستائش فکری اقدامات کیے۔ آپ کے فکری اور علمی قد کو دیکھتے ہوئے اودھ کے

صدر الصدور کے منصب پر آپ کو فائز کیا گیا۔ شاعری کے علاوہ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں مثلاً: (۱) الجنس الغالی شرح جواہر العالی (۲) حاشیہ افق المبین (۳) حاشیہ تلخیص الشفاء، (۴) حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک، (۵) الہدیہ سعیدیہ، (۶) رسالہ تشکیک ماہیات (۷) رسالہ کلی طبعی، (۸) رسالہ علم و معلوم (۹) روض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود (۱۰) رسالہ تحقیق حقیقۃ الاجسام (۱۱) رسالہ الثورۃ الہندیہ (۱۲) قصائد فتنۃ الہند، (۱۳) مجموعہ القصائد، (۱۴) امتناع النظیر، (۱۵) تحقیق الفتوی۔ مذکورہ بالا تصانیف کی روشنی میں یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ علامہ علم وفضل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ قرآنیات، اسلامیات اور فقہ پر آپ کی دسترس اور کامل عبور کا اعتراف کیا گیا ہے۔

اس مضمون میں آپ کی نعتیہ شاعری کا ایک جائزہ پیش کیا جائے گا۔ آپ کے نعتیہ اشعار سے واضح ہے کہ آپ غیر معمولی عاشق رسول تھے۔ شدائد وعوارض میں رسول اللہ ﷺ کو آخری سہارا تصور کرتے، ان کے اشعار سے مترشح ہے کہ ہر جنگ عشق رسول کے توسط سے جیتی جاسکتی ہے۔ جنگ آزادی میں اپنی فکری جنگ کی وجہ سے انھیں نہ صرف اپنے ساتھ اپنے اعزا واقارب کو سخت ترین اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ ان مصائب ومسائل میں انھیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ بلکہ کالے پانی میں انھیں ان دونوں سہاروں کے علاوہ کوئی اور شعاع امید نظر نہ آئی۔ چنانچہ اپنے جن دو قصائد میں انگریزوں کی سفاکیت اور بہیمیت کا ذکر کیا ہے ان کا اختتام بلکہ مسک الختام عشق رسول پر ہوا ہے۔

آنحضور ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار ابتداء میں اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے آپ کے محاسن عالیہ بھی منظر عام پر آجاتے ہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ نے ان شمائل مبارکہ سے نوازا تھا جس کی مثال دینا معدوم ہے۔

کیف الولاء وهم أعادي من له
خلق السماء والارض والإنشاء

(ان سے (یعنی انگریزوں سے) محبت کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ وہ تو اس ذات گرامی کے دشمن ہیں جس کی وجہ سے آسمان وزمین پیدا کیے گئے اور سنوارے گئے۔)

هو الأول النور السنٰی تبلجت
بضيائه فی العالم الاضواء

(وہ پہلا روشن نور ہے، جس کی وجہ سے سارے عالم میں روشنی ہی روشنی ہوگئی۔)

هو الأول الأنبياء وآخرهم به
ختم النبوة وابتداء الابداء

(آپ ﷺ تمام انبیاء کرام کے اول وآخر نبی ہیں، نبوت کی انتہا اور ابتداء آپ ﷺ سے ہوئی ہے۔)

بدء به ابدی المهيمن سره
فلاجله الأيداه والأبداء

(آپ ﷺ سب سے اعلیٰ ہیں، اللہ نے آپ ﷺ ہی کے توسط سے اپنے راز ظاہر کیے۔ یہ حقیقت کی انعامات اور آفرینش آپ کی وجہ سے ہے۔)

قد خصه البارى باوصاف علی
لم يعطها الاحداث والقدماء

(اللہ نے آپ ﷺ کو ایسے اخلاق عالیہ سے آراستہ کیا، جو اب تک متقدمین اور متاخرین میں سے کسی کو نہ عطا کیے گئے۔)

اعطاه فضلاً ليس يمكن أن يكو
ن له شريك فی اوشركاء

(اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی قدرومنزلت سے نوازا جس میں کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔)

اسماء اذا سماه بالحسنی فمن
اسماء خالقه له اسماء

(اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خوبصورت ناموں سے موسوم کر کے آپ ﷺ کی ذات کو بلند کیا۔ اللہ کے بہت سے ناموں میں سے آپؐ کے نام ہیں۔)

قد زاد مکة رفعة میلاده
وتشرقت بوجوده البطحاء

(آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ نے مکہ مکرمہ کی شان دوبالا کر دی، اور وادیٔ بطحا آپ ﷺ کے وجود سے منور ہو گئی۔)

قد طاب طیبة اذ ثواها واعتلت
شرقا یمم ساحها البعداء

(آپ ﷺ کے قیام سے مدینہ منورہ خوشگوار ہو گیا۔ اس کی منزلت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ دور دراز سے لوگ اس سرزمین کی زیارت کے لیے آنے لگے۔)

اس قصیدے میں آپ ﷺ کے بہت سے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ویسے تو آپ ﷺ کا اصل معجزہ قرآن کریم تھا لیکن اس پہلو سے بھی کسی حد تک آپ ﷺ کی عظمت منظر عام پر آئی ہے۔ ان پہلوؤں کو نہایت فصیح و بلیغ انداز میں منظوم کیا گیا ہے ایک طرف اگر تاریخ اسلام کے واقعات سے علامہ واقف تھے تو دوسری طرف عربی زبان کی باریکیوں سے باخبر بھی۔

اوحی الی القمر المنیر فشقة
وإبانه شقین ذا الایماء

(روشن چاند کو اشارہ سے ٹکڑے کر دیئے۔ اور اشارہ ہی سے دو نمایاں حصوں میں تقسیم کر دیا۔)

والشمس اشقت للغروب فاوقفت
لیکون منه للصلوٰة اداء

(اور سورج وقتِ غروب کو پہنچنے کے باوجود بھی رک گیا تا کہ آپ ﷺ نماز ادا کر سکیں۔)

حیتہ احجار واشجار وکم
نطقت بہ بفصاحۃ عجماء

(پتھروں اور درختوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، اور بہت سے چوپایوں نے آپ ﷺ سے فصیح انداز میں کلام کیا۔)

اروی بماء من اصابعہ جری
عطشی فانہلہم روی ورواء

(آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے جاری ہونے والے پانی سے پیاسوں کو سیراب کیا چنانچہ آپ ﷺ نے انھیں سیراب وشاداب کیا۔)

کم اشبع الغرثی الکثیر بیمنہ
نورو کم نال المقل ثراء

(آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑی غذا نے بہت سے بھوکوں کو شکم سیر کر دیا اور بہت سے تنگ دست مالدار بن گئے۔)

قد حنّ جذع حین فارقہ کما
تبکی المتیم فی النوی البرحاء

(جس وقت آپ ﷺ (کھجور) کے تنے سے جدا ہو رہے تو وہ اس قدر رو رہا تھا جس طرح ایک عاشق کو سوز عشق فراق میں رلاتا ہے۔)

جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ اصلاً یہ قصیدہ انگریزوں کے مظالم کو منظر عام پر لانے کے لیے منظوم کیا گیا ہے، علامہ نے بذات خوب تو محاذ آرائی نہ کی، لیکن اپنی حکمتوں اور اپنے قلم سے یہ کوشش کہ ان غاصبوں سے ملک کو آزاد کرایا جائے اس کی پاداش میں علامہ کو طرح طرح کی اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ آلام ومصائب میں انھیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کوئی سہارا نظر نہیں آ رہا تھا، علامہ کے انہی احساسات وجذبات کی آواز بازگشت درج ذیل اشعار میں سنائی دیتی ہے۔

یـا رحـمة لـلـعٰـلـمين إرحـم عـلـی
مـن لا لــه فـی الـعٰـلـمـين رثـاء

(میں آپ ﷺ پر قربان! آپ ﷺ اس قیدی پر رحم فرمائیے، جس کا نہ تو کوئی دردمند، نہ کوئی محسن اور جانثار ہے۔)

أفـديك مـن عـلـی أسـير مـالـه
راث ولا مــن لــه وفــداء

(میں آپ ﷺ پر قربان۔ آپ ﷺ اس قیدی پر رحم فرمائیں جس کا نہ تو کوئی دردمند، نہ کوئی محسن اور جاں نثار ہے۔)

فـاشـفـع لـه مـن دون ارجـاء فـقـد
ضـاقـت عـلـيـه الارض والأرجـاء

(آپ ﷺ اس کی بے حد وحساب شفاعت کریں۔ یقیناً زمین اور اس کے تمام اکناف واطراف (اس پر) تنگ ہو گئے ہیں۔)

مـا مـن اغـاث بـلـطـفـه جـملاً شـکـا
لـطـفـا فـلـی شـکـوی نـوی وشـکـاء

(اے شاکی اونٹ کے فریادرس! مجھ پر اسی طرح رحم فرمائیے مجھے بھی مجبوری اور بیماری کی شکایت ہے۔)

قـد طـال اشـکـاء الـکـروب فـاشـکـنی
فـاشـفـع لـيـرفـع ذلـك الاشـکـاء

(اے شاکی اونٹ کے فریادرس، مجھ پر اسی طرح رحم فرمائیے مجھے بھی مجبوری اور بیماری کی شکایت ہے۔)

اس قصیدے کا اختتام حمد پر ہوتا ہے علامہ خیر آبادی اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ خدایا! میرے آلام ومصائب کو خوشیوں میں تبدیل کردے، علامہ نے نہایت رقت آمیز انداز اختیار کیا ہے، پڑھتے ہوئے آنکھیں بھر آتی ہیں، عجیب سا

درد بھرا ماحول طاری ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی حمدیہ شاعری میں اللہ تعالیٰ کا مقام ومرتبہ پوری طرح جھلکتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ بناتے ہوئے حضور باری تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں۔

لم يبق لي غير امتياحك لي لدى
الرب الرحيم المستماع رجاء

(اے سرور کائنات ﷺ! میرے پاس آپ ﷺ کی تقدیس وتوصیف کے سوا کچھ نہیں، رب رحیم اور رب کریم سے (آپ ﷺ کے بغیر کیا امید۔)

محنى محنى عنده وارحم على
محنى بمنحك لا يرد دعاء

(بارگاہ ایزدی میں میری دست گیری فرمائیں، اور مجھ پر رحم فرمائیں اپنی رحمتوں سے مجھے سرفراز فرمائیں۔ آپ ﷺ کی دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔)

آنحضور ﷺ کے توسط سے بارگاہ رب العزت میں حاضر ہونے کے بعد اللہ سے فریاد رس ہیں، حمدیہ اشعار کے ایک ایک حرف اور آپ کے ہر بن مو سے مترشح ہے کہ آپ اطاعت ربانی اور اطاعت رسول کی ایک کامل تصویر تھے، اسی روئے زیست کو اپنا دنیوی اور اخروی ماحصل قرار دیا۔

يارب حقق لي رجائي ولكن
لي في النجاة من العدى ارجاء

(اے اللہ میری امیدوں کو برلا دے، اور دشمنوں سے نجات دلانے میں تاخیر نہ فرما۔)

رب اعف عني ما اقترفت واعفني
فرجائي منك العفو الإعفاء

(اے میرے پروردگار! میری خطاؤں کو معاف فرما، مجھے درگزر کردے، تمہاری ذات سے عفو ودرگزر ہی کی امید ہے۔)

ان کان ما اشکوہ مقضیافکم
بدعاء مظلوم یرد قضاء

(میرے مصائب گرچہ میرے مقدرات میں شامل ہیں، لیکن اکثر ایسا ہوا ہے کہ مظلوم کی دعا سے فیصلے ٹل جاتے ہیں۔)

لاتشقنی أبداً واسعدنی فلا
ینتاب من بعد السعود شقاء

(مجھے بدبختی میں نہ ڈال، مجھے نیک بخت بنا، اور سعادت کے بعد شقاوت کی نوبت نہ آئے۔)

ووسائلی ربی الیك محمد
والمرتضی وابناہ والزھراء

(اے میرے رب! تیرے دربار میں میرے وسیلے محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت علی، حسن، حسین اور فاطمہ زہرا ہیں۔)

یا رب صلی علیه صدحت علی
الأیك الاریق حمامة ورقاء

(اے رب کریم! احمد مجتبیٰ ﷺ پر رحمتیں نازل فرما، جب تک خوبصورت فاختہ سرسبز وشاداب درختوں پر ترنم ریز ہیں۔)

دوسرے قصیدہ والیہ میں بھی انگریزوں کی چیرہ دستیاں رقم کی گئی ہیں۔ ان کی عیاریوں اور فریب کاریوں کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں بے شمار تحریریں اور منظومات منظر عام پر آئیں، ان میں سے جن فکری کاوشوں کو اولیت دی گئی ان میں مولانا کی تصنیف ''الثورۃ الهندیہ'' اور ان دونوں قصائد کو واضح طور سے شامل کیا گیا، یہ دونوں قصائد سلاخوں کے اندر کوئلے سے تحریر کیے گئے۔ ابتداء میں انگریزوں کی قساوت قلبی پر روشنی ڈالی گئی اور اختتام نعت رسول مقبول ﷺ پر ہوا۔ اپنے مصائب کے باب میں رب کائنات سے درخواست گزار ہیں کہ اپنے

حبیب کائنات ﷺ کے طفیل میں ہمیں ان دشمنان اسلام سے نجات دے دے۔

یا رب! انقذہ من ایدی عدی کفر
بجاہ احمد و محمود وحماد

(اے پروردگار اعلیٰ مرتبت! احمد اور حماد کے طفیل میں اس (مصیبت زدہ کو) کافر دشمنوں کے چنگل سے نجات دے۔)

ارسلتہ رحمة للعالمین الی الا
م طرأ لار فاد وارشاد

(اے باری تعالیٰ! تو نے اسے دنیا میں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا اور ہدایت ورہبری کی ذمہ داری اسے سونپی۔)

غوث المنادی للکف الباس مفز عنا
یوم التناوی ندی الکف فی النادی

(مصیبت میں آواز دینے والوں کے لیے فریادرس، روز قیامت ہماری پناہ گاہ، مجلس کے نہایت فیاض شخص پر)

هاد وحام وماح مائح لغو
عم ومتصرخ مستشفع جادی

(آپ ﷺ ہادی اور گم کردہ نابینا کے حامی وناصر، حاجت رواؤں کے معین ومددگار، طالبین شفاعت کی شفاعت کرنے والے اور جود وسخا کے امام ہیں۔)

جار لجار شکا جوراً یمیح لمن
قد استماح ومستاد الممتاد

(مظلوم پڑوسی کے آپ ﷺ محافظ ہیں۔ طالب مدد کے ساتھ دینے والے ہیں اور حاجت مندوں کی مدد کرنے والے ہیں۔)

هاد یبشر قد القت بشائرہ
الرهبان فی رهب والیهود فی هاد

(آپ ﷺ خوشخبری سنانے والے ہادی ہیں، آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری راہوں نے حالت خوف میں بتائی اور اسی طرح یہودیوں نے نہایت ہلکے انداز میں خبر کو عام کیا۔)

بحر شریعة بیضاء صافیة
مشروعها مشرع عذب لوراء

(آپ ﷺ سمندر کے مانند ہیں۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت روشن وتابناک ہے جس کے احکامات پیاسوں کے لیے شیریں چشمہ کی طرح ہیں۔)

دینه ناسخ الادیان قاطبة
باق علی مراحقاب وآباد

(آپ ﷺ کے دین نے تمام ادیان کو منسوخ کردیا، اور رہتی دنیا تک قائم ودائم رہنے والا ہے۔)

اس قصیدے کے اختتامی اشعار میں بھی آپ ﷺ کے اوصاف کریمانہ اور اخلاق عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بے بسی اور کسمپرسی کی داستان چھیڑی گئی ہے۔ قید خانے کی شدت وحدت کو قلم بند کیا گیا ہے۔ علامہ کو اس میں خاص ملکہ حاصل ہے کہ ایک ہی بات کو تصریفی انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری کے دامن کو چھولے۔ علامہ نے ایک طرف اگر اپنے دکھوں کا راگ الاپا ہے تو دوسری طرف بڑی عقیدت مندی سے سیرت پاک پر رطب اللسان ہیں۔

وان ینفس عنی عاجلاً کربی
اللائی تجاوزن عن حصر وتعداد

(اے رسول خدا ﷺ اللہ سے دعا کریں کہ میری ان پریشانیوں کو جلد از جلد دور کردے جو حد وحساب سے تجاوز کر چکی ہیں۔)

وان یعافینی فوراً ویبدلنی
وجدی بوجد واشقائی باسعاد

(اور فی الفور مجھے عافیت عطا فرما، اور میرے غموں کو خوشی سے اور شقاوت کو سعادت سے تبدیل کر دے۔)

وان یتیح حمای بالشهادة فی
جوار مثواك یا جاری ویا هادی

(اور اے میرے محافظ و رہنما! اللہ سے دعا فرمائیں کہ آپ ﷺ کی اقامت گاہ کے پہلو میں مجھے شہادت کی موت نصیب ہو۔)

فانشدتك الله فاقبل مدحتی کرما
حتی افوز بمنشودی بإنشادی

(اللہ کے حوالے سے کہنا چاہوں گا کہ اپنی نوازش کے پیش نظر میری مدح سرائی قبول فرمائیں۔ تاکہ میری یہ نعت گوئی میری سرفرازی کا ذریعہ بن جائے۔)

مذکورہ اشعار کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علامہ ہندوستان کے عربی نعت گو شعراء میں انفرادی شخصیت کے حامل ہیں۔ گو کہ ان کی نعتیہ شاعری کے مضامین محدود ہیں اگر دیکھا جائے تو صرف دو موضوع ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک ان کے اپنے مسائل اور دوسرے سرور کائنات ﷺ کی صفات کا بار بار اعادہ، مذکورہ دونوں قصائد کے مضامین کا موازنہ کیا جائے تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، یعنی دونوں کے موضوعات میں پورے طور سے یکسانیت ہے، لیکن اس کے باوجود اسلوب بیان میں اس قدر تاثیر اور قوت نفوذ ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ علامہ کے یہاں کیفیات قلب کا معاملہ ہے۔ تصنع و تکلف سے کوئی یارانہ نہیں۔ پسے ہوئے انسان اور دکھے ہوئے دل کی آواز ہی اور ہوتی ہے وہ انسان دوستوں پر ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے، چنانچہ یہی دلی آواز، اور دلی کیفیات اور آنحضور ﷺ سے گہری عقیدت علامہ کے شعروں میں موجود ہے۔ علامہ کی نعتیہ شاعری کی مکمل تصویر اسی وقت سامنے آسکتی ہے جب کہ ان کے غیر مطبوعہ قصائد کے اشعار پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ علامہ کے غیر مطبوعہ قصائد کی دو جلدیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مولانا آزاد

کتب خانہ میں موجود ہیں۔ پہلی جلد کے سات قصائد ۷۰ صفحات پر مشتمل ہیں اور دوسری جلد کے نو قصائد ۸۵ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان تمام غیر مطبوعہ قصائد کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے ایک بھرپور مقالے کی ضرورت ہے، لیکن اس مقالہ میں چند اشعار پر ہی اکتفا کرتے ہوئے کسی حد تک علامہ کی نعتیہ شاعری کا مقام و مرتبہ متعین کیا جائے گا۔ یہ سب سے پہلے قصیدہ "سینیۃ" کے چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔

خیر الخلائق ارضاھم واحمدھم
خلقاً وخلقاً رسول الجن والانس

(آپ ﷺ خیر الخلائق تھے، تمام لوگوں سے زیادہ چہیتے اور زیادہ لائق تعریف تھے اور آپ ﷺ کو تمام جن وانس کا رسول بنا کر پیدا کیا گیا۔)

حامی الحقائق ومبدیھا ومبداھا
حق بدأ و تجلی غیر ملتبس

(آپ ﷺ حقائق کے ہمنوا اور اسے غالب کرنے والے تھے، اور حقائق بالکل واضح شکل میں منظر عام پر آ گئے۔)

ماذر من ذرۃ الا ومخرجھا
من الظلام بنور منہ منعکس

(حقائق کے تمام پہلوؤں پر ردائے ظلمت پڑی ہوئی تھی، لیکن آپ ﷺ کے نور سے تمام چیزیں ظاہر و باہر ہو گئیں۔)

محمد خیر من ساد الانام ومن
جلی الظلام بنور غیر منطمس

(محمد ﷺ نے تمام مخلوق کی سیادت فرمائی اور آپ ﷺ نے لازوال نور سے تاریکیوں کو روشن کر دیا۔)

الرب رباہ امیاد علمہ
ام الکتاب حکماً محکما الاسس

(اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی پرورش کی، آپ ﷺ کے علم کا سرچشمہ قرآن کریم ہے، جس کے احکام حددرجہ پائیدار اور مستحکم ہیں۔)

قد انطوىٰ كل فصل في فواصله
وفي مطالعة نور لمقتبس

(اور قرآن کریم کے تمام احکام مدون ومرتب ہیں اور تدبر قرآن میں غرق ہونے والے کے لیے ایک نور ہے۔)

اشفع لمقترف للذنب معترف
في البغي منهمك في الغي منغمس

(آثم وخطا کار کی شفاعت فرمائیے۔ جسے (ماضی میں) سرکشی میں غرق ہونے کا اعتراف ہے۔)

مذکورہ اشعار میں تین چیزوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ایک تو نبوت ورسالت کے حقیقی پیغام کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ آپ ﷺ کی آمد سے دنیا کی تمام ظلمتیں معدوم ہوگئیں اور حقائق پر پڑی ہوئی دبیز چادریں بے معنی ہو کر رہ گئیں۔ دوسرا پہلو ان اشعار میں یہ ہے کہ نزول قرآن سے دنیائے انسانیت کو ایک قابل اعتبار قانون موصول ہوا، اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اپنی بے بضاعتی اور خطاؤں کا واضح انداز میں اعتراف ہے۔ ایک دوسرے غیر مطبوعہ قصیدہ ''عینیہ'' میں سیرت مبارکہ کی تصویر کشی اسی طرح کی گئی ہے۔

فهذا هو الحق اليقين فلا تقل
كما كان يهذي ساكع متكع

(پس آپ ﷺ ہی کی ذات کلی طور سے سچ ہے، تمہیں غیر ہدایت یافتہ اور قسی القلب شخص کی طرح بڑبڑانا مناسب نہیں ہے۔)

أتانا بآي افحمت كل مفلق
وكل بليغ مصقع يتنطع

(آپ ﷺ ان آیات کریمہ کے ساتھ مبعوث ہوئے جس نے ہر عظیم شاعر اور غیر معمولی بلیغ شخص کو خاموش کر دیا جو نہایت فصاحت اور اعتماد کے ساتھ موضوع پر گفتگو کرتا ہو۔)

واسمی اسمہ الباری ونوہ ذکرہ
ینادی بہ عند الصلوٰۃ ویرفع

(اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام کو رفعت عطا کی اور آپ ﷺ کو ذکر دوام بخشا، نماز کے وقت آپ ﷺ کے نام کو پکارا جاتا ہے اور اسے بلند آواز سے عام کیا جاتا ہے۔)

وردّت علیہ الشمس بعد أفولھا
کما ھی ردّت اذ یقاتل یوشع

(اور سورج غروب ہونے کے بعد آپ ﷺ کے لیے دوبارہ طلوع ہوا۔)

لقد اقرعوا الکفار عنہ وقارعوا
عداہ فدانوھم فدانوا واقرعوا

(یقیناً صحابہ کرام نے کفار کو آپ ﷺ سے باز رکھا، اور آپ ﷺ کے دشمنوں سے برسرپیکار رہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ان کا سامنا کیا اور انھیں حق کی طرف موڑا۔)

علیک من الرحمٰن انمی سلامہ
وأزکاہ ماھبت رخاء وزغع

(اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ پر بکثرت پاکیزہ درود و سلام نازل ہو، آپ کی ذاتِ مقدسہ کے سبب عیش و عشرت اور آسودہ خالی کی ہوائیں چلیں۔)

مذکورہ اشعار میں قرآن کریم کی عظمت کو منظر عام پر لاتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ وہ کلام الٰہی ہے جس کے حضور عرب کے تمام فصحاء اور بلغاء سرفگندہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے مختلف دینی احکام کے توسط سے آپ ﷺ کے ذکر خیر کو ابدیت بخش دی،

چنانچہ مسلم اور غیر مسلم تمام اصحاب فکر نے ذکر رسول کو موضوع بحث بنایا۔ دنیا کے مشہور مستشرق پروفیسر نولا یلی نے برطانیہ انسائیکلو پیڈیا میں تحریر کیا کہ دنیا کی تمام دینی شخصیات میں اولیت اور افضلیت رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ ﷺ کا ایک نعتیہ قصیدہ ''میمیہ'' ہے۔

فلیس لہ عدیل فی اعتدال
وعدل او قسیم فی القام

(میانہ روی میں آپ ﷺ کا کوئی ہمسر نہیں ہے اور قد وقامت میں کوئی آپ ﷺ کے مثل اور ہم پلہ نہیں ہے۔)

محا وحمی ابا طیلاً وحقاً
فما اعلاہ من ماح وحام

(آپ ﷺ نے باطل قوتوں کو روکا اور انھیں نابود کیا اور ناز نخرے اور چراغ پا ہونے والوں میں سے کسی نے آپ ﷺ کو نیچا نہیں دکھایا۔)

محا وحمی فما حام وسام
کا حمد فی بنی حام وسام

(آپ ﷺ نے اندھیرے کو دور کیا، اور یاوری کی، آپ ﷺ نے نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی کسی کو ذلیل کیا، حام اور سام کے لوگوں میں کوئی احمد مصطفیٰ ﷺ جیسا نہیں ہے۔)

محا الادیان طراً اذا تانا
بدین کامل قم مداما

(جب آپ ﷺ دین کامل کے ساتھ تشریف لائے تو تمام ادیان مٹ گئے اور یہی دین رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔)

کشمس اشرقت ضحوا فظل
الکواکب فی انطماس و إنعمام

(آپ ﷺ روشن آفتاب کے مانند ہیں جس سے پوری دنیا روشن ہوگئی (اس کے بعد) تمام نجوم وکواکب پس پشت چلے گئے۔)

وبحره لجه الامواج طام
يطم على الكواكب بالتطام

(اور آپ ﷺ کے سمندر کی وسیع عریض موجیں تمام چیزوں پر چھا جاتی ہیں اور ستاروں کو پوری طرح سے ڈھانک لیتی ہیں۔)

مثيل ماله ابداً مثيل
وعدل ماله عدل مسامی

(تا ابد کوئی آپ ﷺ کی نظیر نہیں بن سکتا، اور آپ ﷺ کا کوئی مدمقابل نہیں مل سکتا۔)

به تم المكارم والمعالي
به كمل الرسالة باختتام

(تمام مکارم عالیہ اور اصناف کاملہ آپ ﷺ کی ذات پر جاکر تمام ہوتے ہیں اور مکمل رسالت کا اختتام آپ ﷺ پر ہوا۔)

حباه الله أوصافاً ابت
أن يكون له اشتراك وانقام

(اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اوصاف عالیہ کے لیے مخصوص کیا۔ ان صفات نے دیگراں کو آپ ﷺ کا ہم پلہ اور بدل قرار دینے سے انکار کردیا۔)

رسالته التی عمت وتمت
كمال للرسول به انصرام

(آپ ﷺ کی رسالت کا چرچا ہوا اور منتہائے کمال کو پہنچی اور اس تکمیل کا سلسلہ آپ ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔)

به تم المكارم والمعالي
وهل بعد التمام لها تمام

(آپ ﷺ ہی پر اخلاق عالیہ اور اوصاف عظیمہ کا سلسلہ تمام ہوا، اور کیا اس تکمیل کے بعد دوبارہ تکمیل ممکن ہے؟)

قسم لا یجوز لہ قسیم
بہ تم المحاسن والقام

(تقسیم شدہ شی کی دوبارہ تقسیم نامناسب ہے۔ آپ ﷺ کی ذات ہر طرح کے محاسن سے مزین تھی اور آپ ﷺ کی جسمانی ساخت ہر طرح سے کامل تھی۔)

الیس مقامہ المحمود اعلی
مقام لا یقاس بہ مقام

(کیا آپ ﷺ کا مقام محمود اعلی مقام ومرتبہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی قدرومنزلت کا قیاس کسی قدرومنزلت سے کیا جانا مستبعد ہے۔)

یظن الواجب النجدی أن
السفار لزورہ زور حرام

(اہل نجد کا خیال ہے کہ کافر کے لیے روضۂ رسول کی زیارت حرام ہے۔)

آپ ﷺ کی تشریف آوری دنیا کا سب سے عظیم انقلاب تھی۔ اس انقلاب نے بلکتی اور سسکتی ہوئی انسانیت کو پیغام محبت سنایا، اس انقلاب کی مثال رہتی دنیا تک ملنی محال ہے۔ اسی لیے مولانا فضل حسن خیرآبادی نے فرمایا کہ آپ ﷺ تا ابد بے مثال رہیں گے اور آپ ﷺ کی عدالتی حکمتیں بھی لاجواب ہیں آپ ﷺ کے اندر تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں اور تا قیامت کوئی ایک شخص بھی آپ ﷺ کی ہمسری اور ہم رکابی کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ علامہ نے آنحضور ﷺ کی شان میں دوتین نونیہ قصائد بھی منظوم کیے ہیں۔ ان قصائد نے آپ ﷺ کے حسن لاجواب اور اخلاق نے مثال کے بیان کرنے میں بنیادی کردار ادا کیے ہیں۔

وقد استقام الحق وانقلب الاولی
کفروا نواکس بانتکاس الزون

(آپ ﷺ کی آمد مبارک سے حق کا بول بالا ہوا، پہلے کی تمام چیزیں ناپید ہوگئیں، بتوں کے ٹوٹنے سے کفار سرنگوں ہو گئے۔)

أنبأبه الانبياء بل نطقت به
التوراة والانجيل لتبئين

(مختلف حوالوں سے آپ ﷺ کا ذکر خیر عام ہوا، اسی توضیح و تفصیل کے لیے توریت اور انجیل نے آپ ﷺ کے ذکر کو عام کیا۔)

وهبته رهبان دعوا ليباهلوا
وجلا يهوداً عن قرى وحصون

(راہبوں نے آپ ﷺ کو ڈرانے کی ہر ممکن کوشش کی، آپ ﷺ کو اس لیے پکارتے تا کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ پر لعن طعن کریں (اس کے باوجود) آپ ﷺ نے یہود کو گاؤں اور قلعوں سے جلاوطن کر دیا۔)

كاف كفيل مكتف ذي قوة
علم الهدى عن النعم آمين

(آپ ﷺ بے نیاز تھے۔ سہارا دینے والے تھے، طاقت کے باوجود بھی اکتفا کرنے والے تھے، منارنور تھے، آسائشوں سے کنارہ کش اور امانت دار تھے۔)

بر، روف، طاهر، مزمل
نور، سراج، صادق ومبين

(پاک خصلت، درگزر فرمانے والے، پاکباز، چادر میں لپٹے ہوئے، روشن چراغ، صادق اور یکسر واضح تھے۔)

ماح هدى منجي واسماء آخر
غرت عن الترقيم والرقن

(آپ ﷺ لٹانے والے، ہادی اور نجات دہندہ تھے، ان کے علاوہ متعدد خوبیوں سے آپ ﷺ آراستہ تھے جو خوبیاں کسی تفصیل و تفسیر سے بے نیاز تھیں۔)

ماذا احاول نعت من حسناته
جلت عن الحسبان والتخمين

(میں آپ ﷺ کے محاسن ومحامد کی ثناخوانی کیسے کرسکتا ہوں، وہ تو وہم وگمان سے کہیں بالاتر ہیں۔)

یا اسوۃ الابرار یا من ذکرہ
اسوۃ المریض واسوۃ المحزون

(میں اس ذات عظیم کو آواز دے رہا ہوں جس کی ذات صلحاء کے لیے نمونہ ہے، اور اس حبیب خدا کی شخصیت مریضوں اور مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ایک ماڈل ہے۔)

لطفاً بمن أقست جرائم قلبه
والذنب ران علیه أی رلون

(اس شخص پر لطیف وکریم تھے جس کے دل کو جرائم نے پتھر بنا دیا تھا اور اس کو گناہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔)

آنحضور ﷺ کی صفات اور آمد کا ذکر توریت اور انجیل میں آچکا تھا۔ یہ ذکر صرف اس لیے کیا گیا تاکہ یہود ونصاریٰ ذہنی اعتبار سے آپ ﷺ کی رسالت کو قبول کرنے کے لیے تیار رہیں۔ علامہ نے اس پہلو کو اس قصیدہ میں اٹھایا ہے۔ یہ بات تاریخی نوعیت سے ثابت ہے کہ ظہور قدسی سے قبل عرب معاشرہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسے اندھیروں میں آپ ﷺ کی ذات گرامی منارہ نور اور علم ہدایت کے مانند تھی۔ علامہ نے اسی مناسبت سے آپ ﷺ کی صفت 'نور سراج' یعنی روشن چراغ کو استعمال کیا ہے۔ علامہ کا یہ اعتراف بھی بجا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات عالیہ انسان فکر وسوچ سے کہیں بلند ہے۔ آگے ایک قصیدہ میں آپ ﷺ کے مکارم عالیہ کو اس انداز سے قلم بند کیا گیا ہے۔

شقت قمراً وسقت زمراً
من هیم عطشی أصابعه

(آپ ﷺ نے چاند کو منقسم کیا، آپ ﷺ کے انگشتانِ مبارک کے فیض سے شدید ترین پیاسوں نے پیاس بجھائی۔)

منهال فيض أصابعه
يروى النهلان وينقعه

(آپ ﷺ اپنی انگلیوں کے فیضان سے بے پناہ سیراب کرنے والے تھے۔ آپ ﷺ سپاہیوں کو سیرابی وآسودگی فراہم کرتے تھے)

مفضال فضل تفضله
يغني من جاع ويشبعه

(آپ ﷺ بے شمار فضل کے مالک تھے۔ اپنے فضل وکرم سے بھوکوں کو شکم سیر کرتے اور آسودہ حال بناتے تھے۔)

قد حنّ لفرقته جذع
كهو مهوية يودعه

(کھجور کا تنا آپ ﷺ کی فرقت سے رو پڑا۔ اس عاشق زار کے مانند جو اپنے محبوب کو رخصت کرتا ہے۔)

هو ماوى الخلق ومفزعهم
في يوم لفزع مجمعه

(آپ ﷺ مخلوق کی جائے قرار ہیں، اور اس سخت دن سے انھیں ڈرانے والے ہیں، واقعتاً یہ پورا مجمع (اس دن کی سختیوں سے) ڈر گیا۔)

فهنالك يشفع سيدنا
عند الباري فيشفعه

(وہاں پر اللہ کے حضور ہمارے آقا کی شفاعت ہوگی چنانچہ آپ مخلوق کی شفاعت فرمائیں گے۔)

وثبتني ويونسني
في وحشة ودع أودعه

(اور آپ ﷺ نے مجھے قرار عطا کیا، اور سخت ترین وحشت میں میری ہمنوائی کی اور اس وحشت کو رخصت کیا۔)

ویتیح لی الأشهاد و
یثوینی کجمالك بوسعه

آپ ﷺ کی شہادتیں مجھے موقع اور جائے پناہ فراہم کریں گی، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ آپ ﷺ کے حسن کی شعائیں ہر طرف بکھری ہوئی)

فعلیك من الباری أبداً
اعلی التسلیم وارفعه

(پس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر تا ابد بلند و بالا درود و سلام کی بارش ہوتی ہے۔)

ما همر الغیث وما صدرت
فی اعلی ایك سجعه

(ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ بارش مستقل ٹپکتے رہتے ہیں اور ڈھاک کی بلندی پر فاختہ کی آواز نکلتی رہتی ہے۔)

مذکورہ اشعار میں معجزہ شق القمر کے ساتھ آپ ﷺ کی انگشت مبارک سے پانی کا بہہ نکلنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کی عظمت کے اظہار کے لیے یہ بھی بتایا کہ درخت کا تنا بھی آپ ﷺ کی مفارقت میں چیخ پڑا۔ علامہ نے یہ بھی بتایا کہ سخت سے سخت ترین مراحل و مصائب میں آپ ﷺ کی ذات ہمارے لیے باعث طمانیت قلب ہے۔ اس ذات کریمہ کے لیے علامہ خیرآبادی اللہ سے دعا گو ہیں کہ اس پر ہمیشہ سلام و دعا کی بارش ہوتی رہے۔ ایک دوسرے قصیدے میں آنحضور ﷺ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار اس اسلوب میں کیا گیا ہے۔

الفضل کان موزعاً بین الوری
فتجمعت فی ذاته اشتاته

(آپ ﷺ افضل مخلوق کے مابین حاجب بنا ہوا تھا (یعنی مخلوق اس فضل سے محروم تھی) آپ ﷺ کی ذات مختلف صفات سے عبارت تھی۔)

جمع المثالة كلها فتمثلت
فتنزهت عما بما ثل ذاته

(تمام فضائل کی آپ ﷺ مجسم تصویر ہیں، اور آپ ﷺ کی ذات عالیہ کسی بھی صفت میں کسی سے مشابہ نہیں ہے۔)

هو مظهر اسم الله تحوى ذاته
ما تحتوى اسماء ه وصفاته

(آپ ﷺ کی ذات اسم الٰہی کا مظہر ہے۔ آپ ﷺ کے اسماء گرامی کے تمام عناصر اور تمام اوصاف وکمالات کے مظاہر سے آپ ﷺ کی ذات عبارت ہے۔)

أمر المهيمن أن ينوه اسمه
مع ذكره عند النداء دعاته

(اللہ کی بابرکت ذات نے حکم دیا کہ اس کے ذاکرین وعابدین بندے اس کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کے ذکر کو بھی برقرار رکھیں۔)

نور سراج قد تلألأ أولاً
وسنا العوالم كلها جذواته

(آپ ﷺ کی ذات اس اولین چراغ کے نور کے مانند ہے جو پہلی بار روشن ہوا اور دیگر تمام جہانوں کی تابنا کی آپ ﷺ ہی کے عالم تاب سے ہے۔)

لولاه لم يكن الوجود لم يكن
فلك ولا آفاقه وجهاته

(آپ ﷺ کی ہستی عظیم نہ ہوتی تو یہ آسمان اور اس کے اطراف واکناف کا وجود نہ ہوتا۔)

أنا معول مالى سواك معول
ومعول البر التقى تقاته

(میں طالب مدد ہوں، آپ ﷺ کے سوا میرا کوئی مددگار نہیں ہے، نیکی اور پرہیزگاری کی علامت دراصل آپ ﷺ کا تقویٰ ہے۔)

ارجو بذاك وانت اکرم مرتجی

فمن ارتجاك فلن یحسب رجاته

(میں آپ ﷺ کی کرم فرمائی کا امیدوار ہوں اور آپ ﷺ ہی سب سے بہتر امیدوں کا مرکز ہیں بس جس شخص نے بھی آپ ﷺ سے آس لگائی وہ آپ ﷺ کی اشارہ کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔)

فعلیك یامن ساد كل الخلق من

رب الأنام سلامه وصلوٰته

(پس آپ ﷺ پر بھروسہ ہے، کیوں کہ آپ نے تمام مخلوق کی قیادت کی ہے۔ اللہ کی جانب سے آپ ﷺ پر سلام وصلوۃ کی بارش ہوتی رہے۔)

ماجن لیل نورت انجامه

أوجن روض نورت جناته

(جب جب بھی رات نے اپنا پر پھیلایا تو آپ ﷺ کے نجوم وکواکب نے اسے روشن کردیا۔ یاجب بھی عالم گلستاں ظلمتوں سے دوچار ہوا تو دربار رسالت کی کرنوں نے اسے پُرنور بنادیا۔)

علامہ خیرآبادی کے نعتیہ قصائد کا ایک بنیادی حسن یہ ہے کہ وہ ایک ہی صفت رسول ﷺ کو مختلف خوبصورت اور منفرد انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اوصاف رسول ﷺ کے متعلق بتایا کہ دنیا کی تمام محاسن ومحامد آپ ﷺ کی ذات اقدس میں مجتمع ہوگئے ہیں۔ آپ ﷺ کی بلندیوں کا حال یہ ہے کہ خداوند قدوس نے اپنے نام سے آپ کے نام کو مربوط ومنظوم کردیا ہے۔ آمد رسول سے دنیا کا ہر خطہ روشن ہوگیا، دنیائے انسانیت کا واحد ماوی وملجا آپ ﷺ ہیں۔ اس در کے سوا تمام در بے معنی اور بے مطلب ہیں۔ دنیا کی تابناکیوں اور شادابیوں کی واحد وجہ آپ ﷺ کی ذات

اقدس ہے۔ ایک دوسرے قصیدے میں شان نبوت اور کمال رسالت کی تصویر کشی اس انداز سے کی گئی ہے:

فـاتـي واظـهر دينه وهدى الورى تلقينه
وغـرا الـعـدو يـديـنه وينجيه من تيهانه

(آپ ﷺ نے آ کر اللہ کے دن کو غالب کیا، اور اپنے ارشادات سے مخلوق کی رہنمائی کی، آپ ﷺ دشمنوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ وہ آپ ﷺ کے مطیع ومنقاد بن گئے اور آپ ﷺ نے انھیں ضلالتوں سے نجات دی۔)

مـن حـاد عن ايمانه لم ينج عن غرواته
الا الـرضـي بـهـواتـه اللاجى الى ايمانه

(جس نے آپ ﷺ کی دعوت سے دشمنی مول لی وہ آپ ﷺ کے فضائل سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ کی بلندیوں کو تسلیم کرنے والا اور آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والا سرفراز ہوگا۔)

اجـدى الـخفي بيانه مادق عن حسبانه
ومـن اجتدى احسانه ما جل عن حسباته

(آپ ﷺ کے بیان سے مبہم خیالات اور انسانی فہم سے ماوراء چیزیں واضح ہوگئیں اور جو آپ ﷺ کے فضل کا طلب گار ہوا وہ اس کے وسعت فضل کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔)

اردى كتائب بالحصى من معشر شقو العصا
فـاذلّ قـهـراً مـن عـصـي فاطاع من عصيانه

(آپ ﷺ نے قوم کے ان دستوں پر سنگباری کی جنھوں نے قوم کے اتحاد کو نقصان پہنچایا۔ آپ ﷺ نے باغیوں کو سختی سی ذلیل کیا چنانچہ وہ اپنی بغاوت سے باز آ کر مطیع بن گئے۔)

وان الـذيـن استكبروا عن دينه وتدبروا
ليـدابـروه فـادبـروا اذ كـرّ فـي مـيدانـه

(وہ لوگ جنھوں نے آپ ﷺ کے دین کے باب میں استکبار کا ثبوت دیا اور آپ ﷺ سے عداوت ٹھاننے کے لیے شب وروز ایک کردیئے لیکن جب آپ ﷺ میدان میں آئے تو وہ لوگ فرار ہوگئے۔)

الله آثره علی رسل علوا درج العلی
فسری به لیلاً الی اعلی ذری قربانه

(اللہ نے آپ ﷺ کو ان تمام رسولوں پر فوقیت بخشی جو بلندیوں کی انتہا پر فائز تھے۔ چنانچہ اللہ نے آپ ﷺ کو ایک رات اپنی قربت کی پناہ گاہ میں لا بٹھایا۔)

والبدر من قسماته والبحر من کرماته
والدهر من عزماته والطود من رجحانه

(چاند آپ ﷺ کے انوار کا ایک حصہ ہے اور سمندر آپ ﷺ کی فیض رسانیوں کا ایک ٹکڑا ہے اور یہ زمانہ آپ ﷺ کے عزائم کا ایک حصہ ہے اور ثابت قدمی آپ ﷺ کی علامت ہے)

لابل کرامة خیمه تابی وجود لیمه
لابل احالة لیمه منعته من امکانه

(یقیناً آپ ﷺ کی شرافت نفس نے اپنے بدن کی وجود سے انکار کردیا۔ اور آپ ﷺ کی شباہت نے اپنے بدن کو ناممکن قرار دیا۔)

من ذا الذی من اجله خلق النظام بکله
حتی یکون کمثله ویعد من أقرانه

(آپ ﷺ ہی کی ذات عالیہ کے سبب تمام نظام کائنات جاری وساری ہے۔ کاش کہ یہ دنیا کا نظام آپ ﷺ کے اسوہ کے مطابق ہوجاتا، اور اسے آپ ﷺ کے طریقوں میں شمار کیا جاتا۔)

اس قصیدے میں بھی رسالت ونبوت کے دوررس اثرات کو بیان کرنے کی ایک خوبصورت کوشش کی گئی ہے۔ نبوت کے منکرین ناکامیوں اور ہزیمتوں سے

ہمکنار ہوئے۔ اللہ نے تمام انبیاء اور رسل پر آپ ﷺ کو فوقیت بخشی، جس کی ایک واضح مثال معراج ہے۔ یہ چاند آپ ﷺ کے حسن و جمال ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ متلاطم سمندر آپ ﷺ ہی کی فیض کی ایک علامت ہے۔ علامہ خیر آبادی کا یہ بھی خیال ہے کہ جب ہم مسائل و مصائب کی گرداب میں گھرتے جاتے ہیں تو رسول مصطفیٰ ﷺ کے توسط سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ ہماری تمام آشائیں اسی کی کرم فرمائیوں سے وابستہ ہیں۔ علامہ کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات اور امتیازات کا مشاہدہ اس اسلوب میں کیا جاسکتا ہے۔

شفیع الوریٰ یمحو الکبائر میحة
مدیحه کبار المآرب

(اے شفیع الوریٰ! آپ ﷺ کی شفاعت گناہ کبیرہ کو بھی مٹا دے گی اور آپ ﷺ کی مدح سرائی میں بے حدوحساب فوائد ہیں۔)

نذیر، بشیر الخلق للحق رحمة
بشیر عظیم الخلق جم المواهب

(آپ ﷺ مخلوق کے نذیر اور بشیر ہیں حق کے لیے سراپا رحمت اور بشارت دینے والے ہیں مخلوق میں سب سے عظیم ترین اور بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہیں۔)

جواد متین ظاهر، خیر من علا
ظهور جیاد او متون نجائب

(آپ ﷺ فیاض، سنجیدہ اور فاتح ہیں آپ ﷺ بلند و بالا گردنوں اور قابل فخر پشتوں یعنی بہادروں سے کہیں افضل ہیں۔)

مکین، مثیل مثله لیس ممکنا
وویل لمنکوب عن الحق ناکب

(آپ ﷺ قابل اعتبار تھے، آپ ﷺ کا ہم پلہ ہونا ممکن نہیں، راہ حق سے ہٹ جانے والوں کے لیے تباہی و ہلاکت ہے۔)

یــفــوق الــنــبــیــن الــکــرام نــقــیــبــه
فــمــنــه اســتــفــادوا مــالــهــم مــن مــنــاقــب

(آپ ﷺ کی شخصیت تمام انبیاء کرام سے فائق تھی، انھوں نے آپ ﷺ سے استفادہ کیا، آپ ﷺ کی صفات سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔)

سـمـافـوقـهـم کـالـشـمـس فـوق کـواکـب
الـسـمـاوات أو کـالـمـلـك فـوق الـکـواکـب

(آپ ﷺ تمام انبیاء، پر اسی طرح بلند ہوئے جس طرح سورج آسمانوں کے ستاروں پر چھا جاتا ہے۔)

فــولاه لــم یــوجــد خــمــیــر وطــیــنــه
لآدم فــضــلاً عــن ولــیــد وعــاقــب

(اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو یہ آب وگل وجود میں نہ آتا، اور تمام اگلوں اور پچھلوں پر بنی نوع آدم کو فضیلت نہ ملتی۔)

ولـو لـم یـکـن فـی صـلـب نـوح لـمـا اسـتـوت
ســفــیــنــتــه بــعــد الــتــطــام الــغــوارب

(اگر حضرت نوح کی صلب میں آپ ﷺ کا مادہ نہ ہوتا تو ان کی کشتی طوفانی امواج سے ٹکرانے کے بعد صحیح وسالم نہ بچتی۔)

مذکورہ اشعار میں آپ ﷺ کی مختلف خصوصیات کے بعد یہ وضاحت کی گئی کہ بنی نوع انسان کی فضیلت اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طوفان کی زد سے محفوظ رہنے کے پیچھے آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس کی تاثیر کارفرما ہے۔ بلکہ احادیث شریفہ میں یہ بھی ہے کہ اس کائنات کے ظہور کی اصل وجہ آپ ﷺ ہیں۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ جن پر ماہرین احادیث نے کلام بھی کیا ہے۔ نعت گو شعراء کرام نے بہت سی ضعیف احادیث پر اپنے نعتیہ قصائد کی بنیاد رکھی ہے۔ نعتیہ قصائد کی اس طرح کی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کے یہاں بھی اس طرح کی بعض چیزیں موجود ہیں۔ بہت سی کمزور روایات کی بنیاد پر آپ کی نعتیہ شاعری کھڑی ہے ہندوستانی نعت گو شعراء کے یہاں اس طرح کی بے شمار چیزیں جن کا ڈانڈا شرک سے ملتا ہے اور ضعیف وموضوع روایات کے استناد پر مضامین اور امتیازات سیرت مقدسہ بیان کیے گئے ہیں۔ علامہ نے ایک ہی مضمون یعنی آپ ﷺ کی ذات گرامی کو سو رنگ سے باندھا ہے اس کا ایک مظہر درج ذیل اشعار میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے:

سهل السماح، رحيب الساح، ذوالكرم
السحاح اجود منان ومناح

(آپ ﷺ حد درجہ خوش مزاج، غیر معمولی کشادہ دل، بے پناہ فیاض، بے حد احسان کرنے والے اور غمگسار تھے۔)

رحب المذارع طويل الباع ذوالحسب
اليفاع اسجع ذو صفح واسجاح

(آپ ﷺ کشادہ دست اور کشادہ بازو تھے۔ اعلی حسب، حد درجہ معتدل انسان اور عفو ودرگزر کی صفت سے عبارت تھے۔ اور خوب بارش برسانے والے (یعنی رحم کرنے والے تھے۔)

تلا كتابا يقيم الدين لوضحه
يهدى لاقوم انهاج واوضاح

(آپ ﷺ نے ایسی کتاب کی تلاوت کی جس نے دین قیم کی بنیاد ڈالی تاکہ کتاب الٰہی کی توضیح ہو سکے، آپ ﷺ نے نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔)

اعيى مصاقع عدنان ولقننا
الحق الصراح باحقاق واصراح

(آپ ﷺ نے عدنان کے سورماؤں کو عاجز کر دیا، اور ہمارے سامنے حق

صریح کو پوری قوت وطاقت سے پیش کیا۔)

یا ارفع الخلق قدراً اراع متضعاً
قد اطرحته المعاصی ای اطراح

(آپ ﷺ مقام ومرتبہ میں تمام مخلوق سے افضل تھے لیکن آپ ﷺ ہمیشہ سرنگوں ہوکر چلے اور معائب آپ ﷺ کے قریب نہ آسکے۔)

اشکو جواداً فیا برالجواد افض
من جود جود لقمر البحر فیاح

(میں فیاض شخص کے حضور اپنی شکایات لے کر کھڑا ہوں، اے جود وسخا کے مالک اپنی سخاوت عام کردو، تمہارے کرم کا سمندر متلاطم ہے۔)

افدیك یاسیداً أرجو شفاعته
قابل رجائی بانجاء وانجاح

(اے سرورکونین! ہم آپ ﷺ پر فدا ہیں، آپ ﷺ کی شفاعت کے طلب گار ہیں میری امیدوں کو قبول فرما، نیز مکمل طریقے سے نجات عطا فرما۔)

علیك أنمی صلوٰۃ ماسقیت
ارض لغیث ملث الودق سحاح

(آپ ﷺ پر اللہ کی بے پناہ سلامتی ہو، درود وسلام کا یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے جب تک آسمان کی موسلا دھار بارشیں زمین کو سیراب کرتی رہیں۔)

مذکورہ اشعار میں عشق رسول شباب پر ہے۔ ایک ایک شعر حب رسول کا مسکن بنا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کی جود وسخا اور صفت عفوودرگزر کو خاص رنگ وآہنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے ذریعہ آپ ﷺ نے راہ ہدایت کو عام کردیا۔ صراط مستقیم کے موانع ومشکلات اور حجابات کو دور کردیا۔ اسی کتاب خداوندی کے توسط سے حق کو سربلندی نصیب ہوئی اور معاصی ومعائب کا اختتام ہوا۔ جس کا اعتراف مخالفین اسلام بھی کرتے ہیں کہ اس آخری کتاب ہدایت نے دنیا کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ آخری

دو شعر میں اپنی تمام امیدوں کی انتہا شفاعت رسول کو قرار دیا ہے اور اسی آس و امید میں اس ذات اقدس ﷺ کے حق میں رطب اللسان ہیں اور اسے درود و سلام کا معیار و محور تصور کیا۔ ایک دوسرے قصیدے میں اپنا سپاسنامہ حضور اقدس ﷺ کے دربار میں اس شان کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

ختم النبیین اولاھم واولھم
قد خص من بینھم بالفضل والزید

(یہ خاتم النبین ﷺ انبیاء کرام میں سب سے اعلیٰ و اول ہیں، انبیاء کرام میں مخصوص فضل وکرم سے آپ ﷺ کو نوازا گیا ہے۔)

فلا یدانیہ موسی فی الدنوولا
فی الیمن عیسی وفی الملك اس داؤد

(قربت الٰہی میں موسیٰ آپ ﷺ کی برابری نہ کر سکے۔ اور نہ ہی یمن میں عیسیٰ اور نہ ہی مملکت اس میں داؤد نے آپ ﷺ کی ہمسری کی۔)

اللہ عم دعواہ وخص بہ
اتم رفدوا رفاد وترفید

(اللہ نے آپ ﷺ کی دعوت کو عام کیا۔ اور اللہ نے آپ ﷺ کی ذات گرامی کو مکمل طور سے سہارا دیا۔)

قد اصطفاہ حبیبا ثم ارسلہ
إلی الأنام لاصلاح وتسدید

(بطور حبیب کے اللہ نے آپ ﷺ کو منتخب کیا، اس کے بعد رشد و ہدایت کے لیے مخلوق کی جانب مبعوث کیا۔)

لامۃ قد تمنی الرسل لو حسبوا
منھا علی ماروی اھل المسانید

(یقیناً انبیاء ورسل نے آپ ﷺ کی امت میں شامل ہونے کی خواہش کی،

جیسا کہ محدثین نے روایت کی ہے۔)

محمد خیر داع للانام الی
ھدی وبرو توحید وتمجید

(مخلوق کو ہدایت، تقویٰ، توحید اور تقدیس خدا کی دعوت دینے والوں میں محمد ﷺ سب سے اچھے داعی ہیں۔)

برتسامحت بل بحر وعترتہ
سفینہ مستواھا الجود لا الجودی

(آپ ﷺ سراپا خیر ہیں درگزر کرنا آپ ﷺ کی شناخت ہے، آپ ﷺ سمندر کی طرح ہیں، آپ ﷺ کی خوشبو عام ہے، آپ ﷺ کی کشتی جود وسخا پر لنگر انداز ہے نہ کی کوہ جودی پر۔)

انشدتك اللہ فاقبل مدحتی کرما
حتی افوز بانشادی بمنشود

(اے اللہ! میں آپ ﷺ کا ثنا خواں ہوں، برائے کرم میری ثناخوانی قبول فرما تا کہ میں اپنی مدح سرائی کے تعلق سے ممدوح کے ذریعہ کامیاب ہو جاؤں۔)

لاشك انك غوث الخلق اجمعهم
ولا اکترات بارجاس مناکید

(بلاشبہ آپ ﷺ تمام مخلوق کے معین ومددگار ہیں اور مجھے نافرمانوں کی گندی حرکتوں کی کوئی پرواہ نہیں۔)

علیك ازکی صلوٰۃ اللہ ما صدحت
ورقاء وارقۃ تشدو بتغرید

(آپ ﷺ پر اللہ کی جانب سے پاکیزہ درود وسلام نازل ہوتا رہے، جب تک یہ کہ خوبصورت فاختائیں نغمہ ریز ہیں۔)

آنحضور ﷺ خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء ورسل میں آپ

ﷺ کو مخصوص فضل وامتیاز حاصل ہے۔ انبیاء ورسل میں سے کسی کو آپ ﷺ کا ہمسر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پہلے اپنا حبیب منتخب کر کے پھر دنیا میں بحیثیت رسول کی مبعوث کیا۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے یہ صادر ہوتا ہے کہ بہت سے مرسلین کرام آپ ﷺ کی امت میں شامل ہونے کے خواستگار ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے نعتیہ قصائد میں بار بار اللہ سے دعا گو ہیں کہ خدایا مجھے اپنی انھیں نعت گوئی کے توسط سے آخرت کی رسوائیوں سے بچا کر اپنی رحمتوں کی آغوش میں بٹھادے:

بدر الهدى جلى سناه دجى الورى

وأنارهم بضياء ه والوقاد

(آپ ﷺ ماہتاب ہدایت ہیں، جس کی کرنوں نے مخلوق کی تاریکی کو دور کردیا اور تمام لوگوں کو اپنے روشن چراغ سے منور کردیا۔)

وجبينه ويمينه بدر وبحر

طم للرّواد والوراد

(آپ ﷺ کی پیشانی ماہ کامل کے مانند اور آپ ﷺ کی سخاوت پانی تلاش کرنے والوں اور گھاٹ سے پانی لینے والوں کے لیے وسیع سمندر کے مثل ہے۔)

ساقي العدى ومن اعتدى كاس الردى

قاصي الندى، داني الندى في النادي

(آپ ﷺ نے دشمنوں اور جام ہلاکت پیش کرنے والوں کو سیراب کیا، مجلس میں فیاضی کی انتہا اور انتہا درجے کی فیاضی کو اختیار کیا۔)

وثباته بين العدى وثباته

في المنتدى ولدى لقاء أعادي

(آپ ﷺ نے دشمنوں کے مابین ثبات قدمی کا ثبوت دیا اور اسی طرح مجلس اور دشمنوں سے روبرو ہونے کے وقت بھی استقلال کا مظاہرہ کیا۔)

ھـو رحـمة عـم الـعـوالـم انهـا
لـولاه لـم تـوجـد مـدى الآبـاد

(آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں، تمام جہانوں میں اسے عام کیا، اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو زمانے کا اختتام ناممکن تھا۔)

فـاذا إنشـقـت السـمـاء ودكـت
الارضـون وانهـدت ذرى الاطـواد

(جب آسمان پھٹ جائے گا اور زمین ریزہ ریزہ ہوجائے گی اور بلند و بالا ٹیلے زمین بوس ہوجائیں گے۔)

تـطـوى السـمـاء وينشـر الموتى اولو
الايـمـان والالـحـاد مـن الإلـحـاد

(آسمان سمیٹ دیا جائے گا اور اس دن اہل ایمان اور ملحدین زندہ کیے جائیں گے۔)

والـنـاس قـاطـبة حيـارى مـن
مـطـمـع شـاكـر ومـوثـم كـتـاد

(اس دن لوگ حیران و پریشان ٹولی درٹولی ہوں گے، جس میں اللہ کے شاکر اور پُر امید بندے ہوں گے تو وہیں پر گنہگار اور اللہ کے نافرمان اور ناشکرے بندے بھی ہوں گے۔)

لازوابة اذ لـم يـجبهـم مـرسـل
واب ولاذو خـلـه ومـفـاد

(لوگ آپ ﷺ سے اس وقت چمٹ گئے جب کسی رسول اور کسی باپ نے جواب نہیں دیا اور آپ ﷺ کے احباب اور آسودہ حال دونوں نے آپ ﷺ کو جائے پناہ قرار دیا۔)

فـيـجيبهـم لشـفـاعة ويـحيـرهـم
عـن كـرب اهـوال هـنـاك شـداد

(چنانچہ آپ ﷺ شفاعت کے لیے اعلان کریں گے اور انھیں اس دن کے اذیت ناک اور سخت ترین احوال سے نجات دلائیں گے)

یہ ایک طویل قصیدہ ہے مختلف انداز سے ذات اقدس کے پہلوؤں کو بیان کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ دیگر قصائد کی طرح اس میں بھی نبوت و رسالت کی حیران کن کامیابیوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ رسالت سے قبل عرب معاشرہ میں جن حیا سوز مراحل سے گزر رہا تھا، اس کے سدباب کے لیے آپ ﷺ نے موثر اقدامات کیے جس کے نتیجے میں شب دیجور بنا ہوا عرب معاشرہ بقعہ نور میں تبدیل ہو گیا۔ اور بلکتی غیر سسکتی ہوئی انسانیت مسرتوں اور خوشبوؤں میں جا بسی۔

فمعراجه اذ كلم الله عرشه
العظيم ومعراج الكليم زبير

(آپ ﷺ کی معراج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش بریں سے کلام کیا اور حضرت موسیٰ کی معراج صرف کتاب تک محدود ہے۔)

بشارة شعياء وعيسى ودعوة
الخليل ومن أثنى عليه زبور

(حضرت شعیان اور عیسیٰ علیہما السلام نے آپ ﷺ کے آنے کی بشارت دی تھی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آپ ﷺ کے متعلق اعلان کیا اور زبور نے آپ ﷺ کی مدح سرائی کی۔)

تواتر في نص الاناجيل نعته
صدقه سفر وروته حبور

(آپ ﷺ کی مدح سرائی اناجیل کے متون میں موجود ہے۔ اور آپ ﷺ کی صداقت کا ذکر توریت میں بھی ہے جس کی روایت علماء یہود نے کی۔)

فحزب النصارى ان تعاموا فربه
نصير له بالجاحدين بصير

(نصاریٰ نے آپ ﷺ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کی ہمنوائی کی اور منکرین سے غافل نہیں ہے۔)

أتانا بذكر تطمئن بذكره
قلوب ويشفي ما اشتكته صدور

(آپ ﷺ ایک ایسے کلام کے ساتھ آئے، جس کی تلاوت دلوں کے لیے فرحت بخش ہے اور امراض قلوب کے لیے نسخہ کیمیا بھی۔)

لئن كان اجرامي كثيراً ففضلك
العظيم كبير فوقه كثير

(گو کہ میری خطاؤں کا سلسلہ طویل ہے لیکن آپ ﷺ کا فضل اس سے بھی زیادہ طویل ہے اور وسیع ہے۔)

وكن لي انيساً في الثرى عند وحشتي
اذا ما اتاني منكر ونكير

(مٹی میں جانے کے بعد میری غربت کے وقت کو میرا ہم راز بن جا، جس وقت منکر نکیر میرے سامنے ہوں گے۔)

مذکورہ اشعار میں معراج کے ذکر کے ساتھ یہ تاریخی پہلو بھی بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کی آمد کے متعلق اناجیل اور زبور میں ذکر کیا گیا۔ اس کے باوجود نصاریٰ اور یہود نے ہر آن آپ ﷺ کی دعوت کو روکنے کے لیے ایک دقیقہ بھی فراموش نہ کیا۔ جس کی ایک مکمل تصویر سورہ بقرہ میں موجود ہے۔ یہود ونصاریٰ خود کو افضل تصور کرتے اور اسی افضلیت واولیت کے گمان میں وہ صراط مستقیم سے دور ہوتے گئے اور بار بار یہ رٹ لگانے لگے کہ جنت کے مستحق صرف ہم ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اطاعت رسول کے بغیر ان کے تمام دعوے کھوکھلے ہیں۔

اتى بذكر حكيم يحتوي حكماً
يتيه فيها اولوا أيد وأبصار

(آپ ﷺ اس ذکر حکیم کے ساتھ نازل ہوئے، جو حکمتوں پر مشتمل ہے اس سے قبل بینا اور نابینا سبھی دنیاوی ظلمتوں میں بھٹک رہے تھے۔)

اتـى بـاحـكـام إحـكـام واطـلـعـنـا
عـلـى مـغـيـبـات أخـبـار وأسـرار

(آپ ﷺ مستحکم قوانین کے ساتھ نازل ہوئے، اور آپ ﷺ نے ہمیں پوشیدہ خبروں اور رازوں سے آگاہ کیا۔)

نـورخـبـت نـار كـسـرى عـن مـطـلـعـه
وبـاء أشـيـاعـه كـسـرى بـإدبـار

(بعثت رسول کے نور سے کسریٰ کی آگ اپنے مقام پر بجھ گئی اور آپ ﷺ کے ہمنواؤں نے کسریٰ کو پس پشت ڈال دیا۔)

اضـاء نـور لـدى مـيـلاده فـراى
قـطـان أم الـقـرى بـصـرى بـأبـصـار

(آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے ہر طرف نور پھیل گیا اور ام القریٰ کے تمام اطراف کھل کر میری نظروں میں آگئے۔)

والـجـن تـهـتـف والانـوار سـاطـعـة
يـحـدثـون بـتـبـشـيـر وإنـذار

(اور جن آپ ﷺ کے لیے مدح سرا تھے ہر طرف انوار بکھری ہوئی تھیں، لوگ جنت کی بشارتوں اور جہنم کی شقاوتوں کا ذکر کر رہے تھے۔)

غـوث خـطـيـر يـغـيـث الـنـاس اجـمـعـهـم
اذا يـبـلـون بـاهـوال واخـطـار

(آپ ﷺ ایک ایسے عظیم مددگار تھے جو تمام لوگوں کی معاونت فرما رہے تھے، جس وقت وہ مصائب وخطرات میں گھر جاتے۔)

أتـم مـلـتـه الـبـاری وأظـهـرهـا

علی الشرائع طراً ای إظهار

(اللہ نے دینِ اسلام کی تکمیل فرمائی اور بہت جلد اسے پوری طرح تمام مذاہب وشرائع پر فوقیت عطا فرمائی۔)

فدینه نسخ الادیان قاطبة

کفعل شمس الضحیٰ فی طمس انوار

(آپ ﷺ کے دین نے تمام مذاہب کو باطل قرار دیا، ٹھیک اسی طرح جس طرح سورج کی بلندی تمام انوار کو مٹا دیتی ہے۔)

خیر البریة ارضاهم واحمدهم

بلا مبار واحظاء هم لدی الباری

(آپ ﷺ خیر الخلائق، تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قابل تعریف اور آپ ﷺ کی یہ صفات کسی وضاحت کی محتاج نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سعادت مند ہیں۔)

علامہ خیر آبادی کے نعتیہ قصائد کی ایک خوبی یہ ہے کہ قرآن کریم کی خصوصیات پر بھرپور توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ قرآن کریم کی انقلاب انگیز تعلیمات، آیات کریمہ کی تاثیرات، قرآنی احکام کی خوبیوں اور اس کی ابدیت پر نہایت واضح اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اسی کتاب الٰہی نے قیصر وکسریٰ کے ایوانوں کے منہدم کر دیا اور اسی شریعت الٰہی نے تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ تمام غیر جانب دار اور غیر متعصب مؤرخین اور دیانت دار مستشرقین کا اتفاق ہے کہ آج تک تاریخ اتنے بڑے انقلاب کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہی ہے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کے نعتیہ قصائد کا تجزیہ کیا جائے تو کئی پہلو ایسے ضرور نظر آئیں گے جن کی بنیاد پر انھیں ہندوستان کی عربی نعتیہ نگاری میں ضرور امتیازی مقام دیا جا سکتا ہے۔ احقر کی یہ خامہ فرسائیاں علامہ کے دو مطبوعہ اور سترہ غیر مطبوعہ نعتیہ قصائد کے منتخب اشعار پر مشتمل ہے۔ ان انیس نعتیہ قصائد کے مضامین و

مشمولات سے پوری طرح ظاہر ہے کہ علامہ کا دل پوری طرح عشق رسول سے سرشار تھا یہی ان کا سرمایۂ حیات، مرکز توجہات اور مطمح فکر وفن تھا۔ انھیں اس کا کامل احساس تھا کہ عقیدت رسول کے بغیر دنیا و آخرت میں حصول کامرانی ناممکن ہے۔ بار بار حب رسول کو اپنا ماوی وملجا قرار دیا، تمام تر امیدیں دربار رسالت سے عبارت رہیں۔ اس پہلو کو بڑے شدومد سے اٹھایا گیا کہ وجود رسالت سے ہی وجود کائنات ہے۔ آپ ﷺ کی افضلیت واولیت کے بے شمار دلائل پیش کیے گئے، بنی نوع انسان کے اعزاز وافتخار کا واحد سبب آپ ﷺ ہیں، آپ ﷺ کے مختلف معجزات کا متعدد بار اعادہ کیا گیا ہے۔ قصائد میں مذکورہ معجزات اور بہت سی دیگر باتوں کے باب میں صرف ضعیف روایات ملتی ہیں۔ اس حیثیت سے علامہ کے بہت سے خیالات ملکے اور غیر مدلل نظر آنے لگتے ہیں، شق القمر کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔ یہ واقعہ بھی محققین کے مابین موضوع بحث رہا اور اس کی صداقت بہت سے لوگوں کے نزدیک متنازع ہے۔

نعتیہ قصائد کا ایک انفرادی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے اوصاف وکمالات کا ذکر اہتمام سے کیا گیا ہے۔ ان اوصاف کو منظر عام پر لانے کے لیے قرآن کریم اور احادیث شریفہ کا سہارا لیا گیا اوصاف رسول کا ذکر کرتے ہوئے اپنی درماندگی، بے بساطی اور محرومیوں کا ذکر علامہ نے بار بار بڑے عجز وانکسار سے کیا ہے۔ انھیں یقین ہے کہ نہ صرف دنیاوی ذلتوں سے بلکہ اخروی حقارتوں سے حب رسول ہی نجات دلاسکتی ہے۔ علامہ نے بتکرار حضور سید الکونین اپنی خطاؤں کا ذکر کیا ہے۔ جس وقت انگریزوں نے ان پر اور ان کے اہل وطن پر پنجہ استبداد کسا تو وہ اللہ اور اللہ کے حبیب کے حضور نمناک ہوئے۔ داستانِ ظلم وبربریت کا نقشہ بڑے خاص پُر درد انداز میں کھینچا ہے۔ پڑھتے ہوئے رقت طاری ہوجاتی ہے۔

علامہ کی نعتیہ شاعری کی دھارائیں قرآن کریم اور احادیث سے پھوٹتی ہیں۔ جگہ جگہ قرآنی مضامین اور احادیث کے انعکاسات ظاہر وباہر ہیں۔ ان دونوں پہلوؤں کے پیش نظر یہ کہنا نامناسب نہیں کہ مذکورہ دونوں مصادر سے بخوبی واقف

تھے۔ ختم نبوت کا مسئلہ بھی شدومد سے اٹھایا کہ آپ ﷺ نے دین کو مکمل شکل میں ہمارے لیے پیش کردیا اور ختم نبوت پر آپ ﷺ نے مہر ثبت کردی۔ آپ ﷺ کے بعد کسی اور دین اور کسی رسول کی ہرگز ضرورت نہیں یہی دین اسلام اور یہی رسالت دنیائے انسانیت کی ضمانت بن سکتی ہے۔

☆☆☆

سیرت نبوی ﷺ کی معنویت

سیرت پاک کی تعبیر وتشریح کا یہ ہرگز مفہوم نہیں کہ امت مسلمہ کی تمامتر توانائی اس پر خرچ ہو کہ اسراء ومعراج روحانی ہوئی تھی یا جسمانی؟ امت کے ایک بڑے طبقہ نے اپنی قوت تحقیق کو اس پر صرف کر ڈالا، مفسرین نے اسے مرکزی موضوع قرار دیا، ہمارے سر سید بھی اس سے بعض نہ آئے، اسی طرح سیرت مقدسہ کی یہ معنویت نہیں کہ آپ کو بشریت کے تمام تقاضوں سے بالاتر سمجھتے ہوئے آپ کو سراپا نور قرار دیا جائے اور ضعیف روایات کا سہارا لیتے ہوئے یہ صراحت کی جائے کہ آپ ﷺ ہی باعث تخلیق کائنات ہیں۔ اسی طرح یہ نقطہ نظر بھی موضوع بحث ہے کہ آپ بادل کے زیر سایہ چلتے تھے یا یہ ثابت کیا جائے کہ آپ ﷺ قبر میں باحیات ہیں اور اسی طرح کے بہت سے دیگر مباحث ہیں جن پر سواد امت اپنی دانشوری کو استعمال کر رہی ہے۔ جب کہ ان تمام امور کے باب میں ہم عنداللہ جواب دہ نہ ہوں گے۔ سیرت مقدسہ کی ایک ہی لَے ہے کہ اتباع خداوندی اور اتباع رسول کریم ﷺ اور یہی چیز فلاح اخروی کی ضامن بھی ہے۔

ہمارے ہمسایہ ملک میں سیرت مطہرہ کو بالکل ایک نیا رنگ دے دیا گیا ہے۔ جگہ جگہ ''آمد رسول'' کے بڑے بڑے بینرز اور پوسٹرز آویزاں ہوتے ہیں ایک تو قرآن کریم وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (آل عمران:۳/۱۴۴)[محمد ﷺ تو بس رسول ہی ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گذر چکے ہیں، بھلا اگر یہ موفات پا جائیں یا قتل

کردیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، جو الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اللہ عن قریب شکر گزاروں کو جزا دے گا] کی رو سے آمد رسول کا یہ تصور خلاف شرع ہے، بہ فرض محال اگر تسلیم کر ہی لیا جائے تو کیا آمد رسول کا استعمال حرام لائٹ سے کیا جائے؟ سیرتی جلسوں اور جلوسوں میں ناجائز لائٹ مستعمل ہے، جشن ولادت رسول کا کوئی تصور متقدمین اور صحابہ کرام کے یہاں نہیں ملتا۔ صرف چند روز جشن میں لگا کر پورے سال اتباع اللہ اور اتباع الرسول سے بے فکر اور کلی طور سے آزاد۔ ان کی توجہات کا بنیادی مرکز جشن رسول کی تعداد بڑھانے اور پھیلانے پر ہے، یہ شدت اس قدر انتہا کو جا پہنچی ہے کہ جشن ولادت کو لے کرامت دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے، ایک فرقہ ہر طرح سے ان عاشقین رسول کو سڑکوں سے ہٹانا چاہتا ہے اور ناموس رسول میں انہیں سیف براں کے سپرد کرنے کا خواہاں، اس کی وجہ سے ہر سال کتنے بندگان خدا کو ابدی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ ایسے سپاہ صحابہ کو دشمنان بندگان خدا سے موسوم کیا جائے تو ہرگز مبالغہ نہیں، اگر کسی صاحب ایمان کے یہاں بے راہ روی ہے تو اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

سیرت طیبہ کے نام پر نعت گوئی کا سیلاب آیا ہوا ہے، فرائض ایمانی کا ایک جزء عظیم نعت رسول ہے، لیکن نعت گوئی کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ قرآن کریم کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کیا جائے، اس کے بغیر نعت گوئی کا حق ادا ہونا ناممکن ہے، اسی لیے حضرت عائشہ نے فرمایا تھا ”کان خلقه خلق القرآن“ (قرآن کریم کی تصویر ہی آپ ﷺ کی تصویر ہے) یہی وجہ ہے کہ نعت گو شعراء کے یہاں مناقب رسول کے باب میں حد درجہ بے احتیاطیاں ہیں۔ مراتب اللہ اور مراتب الرسول کے تمام حدود منہدم کر دیے گئے ہیں۔ شرک میں ایسا غلطاں و پیچاں کہ عظمت رب العالمین سے غافل، ایک زمانہ تھا کہ نعت خوانی ایمان و اخلاص سے عبارت تھی۔ لیکن دولت و ثروت کے پرستاروں نے اسے گانا بجانا سے متصف کر دیا ہے، بڑے

افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اسے کرتن اور بھجن کا روپ دے دیا گیا ہے۔اللہ ایسے محبینِ سیم وزر سے امت کو پاک فرمائے ،نعت گوئی اور نعت خوانی ایک پیشہ بن گیا ہے، کیا اس کے پیچھے قرآن کریم کا یہ تصور ہے؟

الا للہ الدین الخالص (الزمر،۳۹/۳) غور سے سنو دین خالص ہی اللہ کے لیے ہے۔

بعثت نبوی کی ایک معنویت یہ بتائی گئی ہے کہ غیر منقوط نعت منظوم کی جائیں اور غیر منقوط تصانیف شان نبوت کے اظہار کے لیے ترتیب دی جائیں ،اس طرح کی علمی وادبی کاوشوں کو حب رسول سے جوڑنا بعید از قیاس ہے بلکہ اسے مصنف کی خود پسندی اور خودستائی سے جوڑا جائے تو شاید مناسب ہوگا۔''سواطع الایام'' سے فیضی نے اپنی ہمہ دانی کا اعلان کیا ہے،دنیائے قرآنیات میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، محترم ولی رحمانی کی ''سرورعالم'' کا شمائل النبی سے کوئی علاقہ نہیں، اس کتاب کا عجائب زمانہ میں شمار تو ہوسکتا ہے لیکن یہ کتاب اتباع رسول کی کھڑکیوں کو وا کرے مستبعد ہے،اس طرح کی علمی کارفرمائیوں کا تعلق صرف نمودونمائش سے ہے، اس کا محسن انسانیت ﷺ سے کوئی علاقہ نہیں۔محسن انسانیت کا حقیقی تعلق تو مرحوم نعیم صدیقی کی ''محسن انسانیت'' کا ہے۔صدیقی صاحب کو ایک قابل قدر سیرت نگار اور قابل ذکر نعت گو قرار دیا جاتا ہے۔ضرورت ہے کہ اہل علم وادب صدیقی صاحب کی ان سیرتی اور نعتیہ خدمات کا جائزہ پیش کریں۔

عقیدت مندانِ رسول نے سبز پوشی ،سبز ٹوپی، سبز جھنڈوں اور سبز گنبد و میناروں کو معارفِ ذات اقدس میں شمار کیا ہے،امت کے بے شمار دانشوروں بلکہ سادہ لوحوں نے خود کو الگ الگ رنگوں سے جوڑ دیا ہے، یہی رنگ ان کی پہچان اور یہی انداز ان کی عزت وآبرو، انہیں ''صبغۃ اللہ'' کی فکر نہیں بلکہ اپنی اہل حدیثیت ، دیو بندیت اور بریلویت کے ارتقاء کی فکر ہے،امت بیضا کی اس سوچ کا فضائل رسول سے کوئی رشتہ نہیں، اللہ کے رسول ﷺ اس لیے نہیں آئے تھے کہ سیفیت ، منصوریت

اور انصاریت کو فروغ دیں، یہ امت مسلمہ بقول علامہ اقبال انہی خرافات کا شکار ہے۔ آج امت کا ہر فرد ایک نئے چوغہ اور کلاہِ خاص کو اپنا تشخص بنائے ہوئے ہے۔ اگر متبعین رسول کے پیش نظر یہ آیت نہ ہو تو یوں جانئے کہ تقاضائے نبوی سے وہ بے بہرہ ہیں:

''صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ''(البقرہ:۲/ر۔۱۳۸)	خدائی رنگ اختیار کرو، اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوسکتا ہے، اور ہم صرف اسی کے عبادت گذار ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے ''صبغۃ اللہ'' کو ''کلمۂ جامعہ'' سے تعبیر کیا ہے۔اور اس کی تفسیر میں یوں رقم طراز ہیں:

''یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے دعوت دی گئی ہے کہ اگر اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہو تو یہودیت و نصرانیت کو چھوڑ کر یہ اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ یہ کلمۂ جامعہ جس کا اوپر ذکر گزرا، اپنے اندر اللہ کی تمام ہدایتوں اور اس کے تمام نبیوں اور تمام رسولوں کو سمیٹے ہوئے ہے، یہ وہ کلمہ ہے جس سے زندگی پر خدا کا اصلی رنگ چڑھتا ہے، پس اگر زندگی کو خدا کے رنگ میں رنگنا ہے تو اس رنگ میں رنگو، اس رنگ سے بڑھ کر کس کا رنگ ہوسکتا ہے، اس میں یہود و نصاریٰ کے بپتسمہ کی طرف ایک تعریض بھی ہے اور بغیر کسی فعل کے لفظ صبغہ کا منصوب ہونا ہمارے نزدیک اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں کوئی ایسا صیغہ محذوف مانا جائے جو ابھارنے اور جوش دلانے کے مضمون پر مشتمل ہو''۔

(تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، تاج کمپنی، بار اول ۱۹۸۹ء، ۱/۳۴۹)

خطبہ حجۃ الوداع میں اللہ کے رسول ﷺ نے حسب و نسب اور رنگ و نسل

کے تمام امتیازات کو مٹاتے ہوئے صرف تقوی وتعبد کو معیار قرار دیا تھا۔"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (الحجرات: ۱۳/۴۰) (اللہ کے نزدیک تم لوگوں کا سب سے محترم تمہارا سب سے متقی شخص ہے) لیکن افسوس صد افسوس کہ امت انہیں بکھیڑوں میں مبتلا اور انہی گرداب میں گھری ہوئی ہے، سیرت رسول نے امت کو ٹکڑوں میں بٹنے سے روکا تھا تا کہ امت جسد واحد بن سکے، اس کی آواز ایک ہو، اس کی سوچ میں اتحاد ہو، پوری امت ایک ہی نکتہ پر مرتکز ہو، دلوں کی دھڑکنوں اور نبض کی حرکتوں میں یکسانیت ہو، اس طرح امت مسلمہ کا وقار بحال ہوگا اور اگر اختلافات وتنازعات کا شکار رہی تو اس کی توقیر وتکریم زوال پذیر ہوگی، قرآن کریم نے اس ملی افتراق وانتشار کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال: ۸/۴۶)	اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو، ورنہ ناکام رہوگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

بعثت رسول کے تقاضوں سے قطع نظر اپنی سرخروئی کا ڈانڈا ریش مبارک اور نعل مبارک سے جوڑ دیا گیا ہے، اس طرح کی دیگر چیزوں کے سہارے عرس کا اہتمام ہوتا ہے، یہ بازار ہوس زر کی بازیافت کا ایک اہم ذریعہ ہیں، امت مسلمہ کی ایک کثیر تعداد ریش مبارک کی زیارت کے لیے سدرحال کے لیے پابہ رکاب ہے، دنیا کے مختلف مقامات پر ریش مبارک موجود ہیں، اگر اس کی تحقیق کی جائے کہ یہ کیسے ملا؟ کن کن مقامات سے ہوتا ہوا یہاں پہنچا اور یہاں تک لانے میں کون کون سے افراد شامل ہیں تو شاید یہ تحقیق لاطائل پر منتج ہو۔ ان چیزوں کو سنت رسول سے وابستہ کردیا گیا ہے جب کہ عند اللہ صرف اتباع احکام رسول کے باب میں پرشش

ہوگی ۔زیارت ریش مبارک کے متعلق نہیں ۔اللہ سے دعا ہے کہ امت کے اندر بعثت رسول کا صحیح تصور پیدا ہو اور ہمیں اس طرح کی کج روی سے اللہ محفوظ رکھے۔

آج نعتیہ مجموعوں کی بارش ہے، ہندو پاک سے کئی مجلّات ایسے نکل رہے ہیں جن کا مرکزی موضوع نعت رسول اور نعتیہ نگارشات ہیں، خدا کرے اس کے پیچھے جذبہ اخلاص کارفرما ہو، ان تمام نعتیہ سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے ایک سوال اٹھتا ہے کہ کیا ''حمد باری'' ہماری توجہات کی متقاضی نہیں؟ کیا ہمارے مدیران ایک مجلہ حمد باری کے لیے وقف نہیں کرسکتے؟ کیا ہمارے شعراء کرام حمد باری کو موضوع بحث نہیں بنا سکتے؟ شاید ہماری دنیائے شاعری اس سے محروم ہے جب کہ حمد باری کے بعد ہی نعت رسول کا نمبر ہے، کیا شعراء کرام کو پتہ نہیں کہ کتاب الٰہی کا آغاز حمد باری سے متسم ہے، کاش کہ ہمارے شعراء کی تخلیقی کارفرمائیاں حمد باری سے بھی فیض یاب ہوتیں۔اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں یہ شعور بخشے کہ ہم قرآن کریم کے توسط سے ذات نبی کریم ﷺ کی معرفت حاصل کرسکیں، اس کتاب عظیم کے تعلق ہی سے ہم فضائل رسول سے متعلقہ روایات کا حقیقی تحلیل و تجربہ کرسکتے ہیں۔اس پہلو سے مرحوم خالد مسعود کی کتاب ''حیات نبی امی'' حددرجہ ممد و معاون ہے۔یہ کتاب بڑی کدوکاش سے ترتیب دی گئی ہے، اس کتاب میں بعض رواۃ کی ثقاہت پر بھی رائے زنی کی گئی ہے؟ غزوات پر قیمتی بحث موجود ہے اور جمع و ترتیب قرآن کریم پر ایسی عالمانہ گفتگو ہے کہ اس سے متعلق تمام شکوک وشبہات معدوم ہوجائیں، ترتیب فرقان حمید کا یہ نقطہ نظر درحقیقت تفسیر نظام القرآن سے مستفاد ہے، لیکن اس استفادے کی اس توضیح وتشریح کی گئی ہے کہ ترتیب قرآن کی یہ بحث مزید مفید و منقح ہوگئی ہے ترتیب قرآن پر اس طرح کی تحریر شاید کہیں اور نہ ملے۔ ہندوستان کے دو عالم دین سرسید اور فراہی کے یہاں ترتیب قرآن کریم کا نہایت مناسب اور واضح تصور ہے، ترتیب قرآن سیرت النبی کا ایک بنیادی موضوع ہے لیکن سیرتی لٹریچر میں اس سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ ہمارے علامہ شبلی نعمانی بھی ترتیب قرآن کی بحث میں ابہام کا شکار ہوئے۔

☆☆

سیرتِ طیبہ عہد حاضر میں

مشرق اور مغرب دونوں نے اس زاویۂ نظر پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ دنیا کا سب سے عظیم، خوبصورت ترین اور خوب سیرت انسان احمد مجتبیٰ فخر کونین ﷺ ہیں، تکمیل دین خود آپ کی عظمت و رفعت پر گواہ ہے کہ ابتداء آفرینش سے پوری انسانیت میں اگر کسی کو منارۂ نور، منبع رشد و ہدایت اور شرافت و نجابت کا سنگ میل قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ نبی امی ﷺ کی ذات مقدس ہے۔ جس کی بشارت کا اعلان آپ ﷺ کی آمد مبارک سے قبل کیا جا چکا تھا۔ تکمیل دین جس طرح آپ ﷺ کی اعلیٰ و افضل قیادت پر دال ہے اسی طرح ختم نبوت بھی آپ ﷺ کی مثالی سیادت پر شاہد ہے۔ دین اسلام کی ہر کڑی اور ذات اطہر کی ہر گھڑی انسانیت سے عبارت ہے۔ سیرتِ اقدس کے نقطۂ نظر سے انسان کی تمام کار فرمائیاں، دینی امور کی تمام پابندیاں اور دنیاوی مناصب کی تمام حصول یابیاں احترامِ انسانیت کے بغیر لاطائل ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کا سب سے کامیاب و کامران اور انفع الناس وہ ہے جو آدمیت کی فیض رسانی کے لیے تڑپتا ہو، اس کی آہوں پر دوڑتا ہو اور اس کے رستے ہوئے زخم کی مرہم پٹی کو اپنی معراج سمجھتا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس کا شہ نشینی، اظہارِ ذات، شخصی مفاد سے قطعاً تعلق نہ تھا۔ آپ ﷺ ہمیشہ صرف گرتی ہوئی انسانیت کو سہارا دینے کے تمنائی رہے۔ تفریقِ انسانیت کو آپ ﷺ نے یکسر ناپسند کیا۔ اور ببانگ دہل اعلان کیا کہ ہر انسان کنبۂ خداوندی کا ایک فرد ہے۔ "ولقد کرمنا بنی آدم" (الاسراء: ۱۷/ ۷۰) کہہ کر تکریم

انسانیت کو عام کردیا۔ دونوں کا دربار رسالت پر یکساں استحقاق ہے۔ اسی تکریم انسانیت کے ساتھ اس دنیا میں آپ ﷺ مبعوث کیے گئے تھے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل دنیائے انسانیت مختلف خانوں میں منقسم تھی۔ ملوکیت کا دور دورہ تھا۔

''رسول اللہ ﷺ کی صفتِ رحمت کا ایک مظہر ''انسانی وحدت'' کا تصور ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے قریب قریب دنیا کی تمام تہذیبوں اور مذاہب میں انسان اور انسان کے درمیان تفریق اور کچھ لوگوں کے پیدائشی طور پر معزز اور کچھ لوگوں کے حقیر ہونے کا تصور موجود تھا، یہودی اسرائیلی اور غیر اسرائیلی میں تفریق کرتے تھے اور جو لوگ حضرت یعقوب کی نسل سے ہوں ان کو پیدائشی طور پر افضل اور برتر جانتے تھے۔ ایران کے لوگوں کا خیال تھا کہ جو لوگ بادشاہ کی نسل سے ہوں وہ خدا کے خاص اور مقرب بندے ہیں بلکہ خدا کا کنبہ ہیں۔ ہندوستان کا حال شاید سب سے خراب تھا کہ انسانیت کو مستقل طور پر چار طبقوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ کم وبیش یہی حال دنیا کے مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں تھا''۔

عربوں کی طبقاتی کشمکش اور قبائلی افتخار سے تاریخ مملو ہے۔ سردارانِ عرب اپنے اپنے ستائشی احساسات اور مفتوحانہ خیالات میں جی رہے تھے۔ شعراء اپنے اپنے قبائل کے محاسن بیان کرنے میں محو ہوتے تھے۔ حسب ونسب کی افضلیت، جنگی مفاخر اور فاتحانہ وآمرانہ جذبات کی پیش کش ہی ان کے موضوعات تھے۔ گاڑی بڑھانے اور پانی پلانے پر تلواریں کھینچ جاتی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے آکر عرب کی کایا ہی پلٹ دی۔ طبقاتی نظام کی جڑ ہی کاٹ دی۔ نسلی امتیازات کو دریا برد کردیا اور دوٹوک انداز میں واضح کردیا کہ خاندانی علامات وتعصبات بے معنی ہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع کے تجزیہ سے واضح ہے کہ سب کچھ انسانی وحدت ہے۔ بلندیٔ کردار اور مظلوم ومفلوک الحال کی خبر گیری ہی وجہ نجات ہے۔ یہی سب سلاسلِ اخوت ہیں، یہی سب اکرام الناس کی شکلیں ہیں۔ اب کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ دینِ اسلام نے ایک طرف تکریم انسانیت کا آوازہ بلند کیا تو دوسری طرف عہد

غلامی کا خاتمہ بھی کیا، غلامی کے نام پر پوری دنیا میں انسانوں کی تجارت ہوتی تھی۔ یورپ اس کی ایک بڑی منڈی تھی۔ اس منڈی کی سرگرمیوں اور انسانی مظالم کی داستان سرائی سرسید اور سعید اکبرآبادی کے یہاں مدلل انداز میں کی گئی ہے جسے پڑھ کر انسان پر لرزہ طاری ہو جائے۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے آمرانہ سوچ اور ملوکیت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ انسانی مساوات اور اعلیٰ اقدار و آثار کا بول بالا ہوا۔ عربی اور حبشی کے درمیان واقع بعد کافور ہو گیا۔ عرب کے معزز قبائل اور حبش و روم کے بلالؓ و صہیبؓ ایک ہی قطار میں جلوہ افروز ہوئے۔ ابتداءً آپ ﷺ کی دعوت پر ان لوگوں نے لبیک کہا جو امتیازات و تعصبات کی چکی میں پس رہے تھے، انھیں اعلیٰ مناصب کی سرفرازی سے محرومی تھی۔ مثلاً حضرت عمارؓ، حضرت خبابؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت صہیبؓ جاہ حشمت اور دولت و ثروت سے بہت دور تھے۔ جب آپ ﷺ انھیں حرم لے کر لا جاتے تو روسائے قریش ہنس کر کہتے: أھولاء من اللہ علیم من بیننا (الانعام: ۶/۳) یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔ یہ آیت کریمہ کھلی ہوئی کتاب ہے کہ اسلامی اعزاز اور دینی اکرام کا تعلق دنیاوی عز و شرف سے ہرگز نہیں۔ اس کا معیار و محور کردار ہے۔ حدیث رسول ﷺ ہے کہ:

”ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی الوانکم ولکن ینظر الی قلوبلکم واعمالکم“	بے شک اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی صورتیں اور رنگوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

حدیث کے الفاظ سے بدیہی طور پر یہی نکتہ مترشح ہوا کہ دربار نبوت میں صورت کی نہیں سیرت کی اہمیت ہے اور رنگوں کے برعکس بھل منساہت کی عظمت ہے۔ علامہ اقبال کی زبان میں محمود و ایاز کی صف بندی نے امتیازات کی دیواروں کو مسمار کر دیا۔ نبوت سے قبل ملوکیت ہی کا دور دورہ تھا۔ مولانا مودودیؒ نے جس ملوکیت کو قابل اعتناء قرار دیا مؤرخین کو اس سے اختلاف ہے۔ آپ کی ”خلافت و ملوکیت“ نے

ہر ایرے غیرے کو ''اصحابی کالنجوم'' پر اظہار خیال کے قابل بنا دیا۔ بہر کیف بتانا مقصود یہ ہے کہ ہر طرف قتل و غارت گری اپنے شباب پر تھی اور انسانیت پنجۂ استبداد میں کراہ رہی تھی۔ فلاسفۂ یونان نے ضرور تصور جمہوریت پیش کیا لیکن جمہوریت کا جھنڈا دست اشراف ہی میں رہا۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے سردارانِ عرب اور گلہ بانوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا۔ اسی مساوات اور احسان عظیم کا ذکر اللہ کی کتاب میں یوں کیا گیا:

واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء أ فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته إخوانا (آل عمران: ۳/۱۰۳)	اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

مؤرخین اور مستشرقین دونوں نے اس کا اعتراف کیا کہ آنحضور ﷺ کی برپا کردہ تحریک ''پیغام انسانیت'' کا تعلق نہ صرف بنی ہاشم، قریش، مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے تھا بلکہ، یہ ایک ہمہ گیر پیغام تھا۔ یہ آفاقی آواز سرحدوں سے پرے تھی۔ وطنیت اور قومیت کی کالی آندھیاں ختم الرسل اور دانائے کل کی دعوتِ مواخاۃ کا راستہ روک نہیں سکتی تھیں۔ سردارانِ عرب اپنے تمام زور وزر کے باوجود عالمی آواز کو دبانے سے رہے۔ یہ سب اتنی تیزی سے کیوں ہو رہا تھا؟ سرور کائنات ﷺ کی دعوت و محبت کا دائرہ کیوں بڑھ رہا تھا؟ اور دن بدن ظلم و تشدد اور جبر و استبداد کے چراغ کیوں گل ہو رہے تھے، صرف اس لیے کہ خداوند قدوس نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ آپ ﷺ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے اس کی صراحت کی کہ ''انما انا رحمة مهداة'' (میں ایسی مجسم رحمت ہوں جو لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت ہے) آیت کریمہ ''وما ارسلناك الا رحمة للعالمين'' (الانبیاء: ۲۱/۱۷) پر غور کیا جائے۔ تو اس کے کئی پہلو ہیں۔ ایک تو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی رحم فرمائیاں صرف اس جہان حاضر کے لیے نہیں بلکہ دریافت اور غیر دریافت تمام جہانوں کے لیے ہیں۔ آپ ﷺ کی

ذاتِ اقدس کی کرم فرمائیاں امت مسلمہ کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام فرقوں اور ہر قوموں کے لیے ہیں، اس ذات عالیہ کی احسان مندیاں صرف انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ جن وانس کے علاوہ ہر شئ جاندار کے لیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جائے اس کا پورا اور مکمل دفتر سیرت پاک میں موجود ہے۔ اور اس رحمۃ للعالمین کا تعلق دین ودنیا دونوں سے ہے۔ اس کی رسالتی شعاعوں نے جس طرح دنیا کو روشن کیا۔ اسی طرح اخروی راہوں کو بھی تابناک کیا۔ انیسویں صدی کے معروف مستشرق ٹامس کارلائل نے جب دنیا کے عظیم رہنماؤں کی زندگیوں کو کھنگالنا شروع کیا اور ان کی Comprative Study شروع کی گئی تو اس نے دنیا کے سو بڑے قائدین کا انتخاب کیا اور اپنے معروضی مطالعہ کی بنیاد پر اس نے اللہ کے رسول ﷺ کو درجۂ اول عطا کیا جب کہ رائے عامہ یہ تھی کہ ایک انگریز ہونے کے ناطے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے اعلیٰ وافضل قرار دے گا لیکن تحقیقی انصاف نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔ مارگولیتھ نے بھی نبی خاتم کی عظمتوں کا اعتراف کیا ہے اور تسلیم کرنا ہی پڑا کہ آنحضور ﷺ کی ثنا خوانی تاقیامت جاری وساری رہے گی۔ یہ دیکھ کر متعصب ارباب قلم اور دشمنان اسلام انگشت بدنداں ہوگئے۔ مسٹر کارلائل نے اللہ کے رسول ﷺ کی درجۂ انتہا پر رکھنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس رحمت ورسالت کا تعلق دین ودنیا دونوں سے ہے۔ یہی اعجاز تو ہے کہ آج بھی یہ دینی اور دنیاوی رحمت جاری وساری ہے اور تاقیامت اس کی یہی سرشاریاں جاری وساری رہیں گی۔ اس دائمی اور عالمی چراغ کو کوئی بجھانا چاہے اور اس کی شعاعوں کو دبانا چاہے تو ممکن نہیں کیوں کہ چراغ خداوندی ہی چراغ مصطفوی ہے۔ اسی کو قرآن کریم نے یہ انداز بھی دیا ہے:

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابیٰ اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون"(التوبۃ:۹/۳۲)	وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منھ سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اس بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہیں۔

آج کی انسانیت محبت اور حسن اخلاق کے لیے ترستی ہے۔ مشرق اور مغرب میں ایک اضطراب ہے۔ ایسی جنگ وجدل اور نفسانفسی کہ ساری برادریاں غم زدہ ہیں۔ ان ناچاقیوں سے انسانیت لہولہان ہے۔ اب اخبارات کی سرخیاں انسانوں کے خون سے لکھی جاتی ہیں۔ رسالوں کے مضامین انسانوں کی خونیں داستان پر مبنی ہوتے ہیں۔ ٹی وی کی اسکرین پر ہر روز بلکتی ہوئی انسانیت دیکھی جاسکتی ہے۔ یہی تو دہشت گردی ہے، دہشت گردی کا کوئی مقصد و مذہب نہیں، انسانیت کی وحدت کو تارتار کرنا، ماؤں کی آغوش کو بے چراغ کرنا، عزت وآبرو کو لوٹنا، آبادیوں کو کھنڈر کرنا یا انھیں خاکستر میں تبدیل کرنا ہی دہشت گردی کے عزائم ہیں۔ اس دہشت گردی پر قدغن صرف سیرت اقدس ہی لگاسکتی ہے۔ اور ڈونالڈ ٹرمپ کی بیمار اور منفی ذہنیت کو اثبات سے ہم کنار کرسکتی ہے اور اس کی مذموم اور قبیح حرکتوں کو حسن و جمال میں تبدیل کرسکتی ہیں۔ اگر تعلیمات نبوی عام ہوجائیں تو دہشت گردی خود ہی دم توڑ دے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ دنیا میں مکارم اخلاق کی تکمیل وتعمیم کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ اسی کی طرف قرآن کریم نے اس طرح اشارہ کیا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة (الاحزاب:۲۱/۳۳)	یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

لیکن آج نہ صرف دنیا بلکہ امت مسلمہ خود بھی اس اسوۂ حسنہ سے غافل ہے۔ جس کی وجہ سے اسے خیرامت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ داعش کو ہرگز یہ استحقاق نہیں کہ وہ خود کو امت مسلمہ کا فرد بتائے، کیوں کہ وہ انسانیت کا قاتل ہے اس کی دنیا خار مغیلان سے معمور ہے جہاں شجرہ ممنوعہ وملعونہ ہی اگتے ہیں۔ آیئے دیکھا جائے کہ وہ اسوۂ حسنہ کا داعی ہمیں کس طرح کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس کے یہاں حسن عمل اور حسن سیرت کی کیا قدر ومنزلت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''بلاشبہ حسن اخلاق کا حامل انسان اپنے اخلاق کی وجہ سے روزہ اور نماز والوں کی درجہ تک پہنچ جائے گا''۔ اخلاقیات سے متعلق بے شمار احادیث ہیں جو گرتی ہوئی انسانیت کو سنبھالا دے سکتی

ہیں۔انسانیت کی معراج اس سے بہتر اور کیا ہوسکتی ہے کہ:

''انه من قتل نفساً بغير نفس او فسادٍ في الارض فكانما قتل الناس جميعا و من احياها فكانما احيا الناس جميعا'' (المائدہ:۳۲/۵)	جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے تو اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

یہی ہے قرآن کریم کی اعلیٰ انسانیت جس اعلیٰ انسانیت کی تبلیغ و تشہیر کے لیے آپ ﷺ نے اپنی زندگی کا ایک ایک پل لگا دیا۔آج کی تاریک دنیا کو صرف تعلیمات نبوی ہی روشن کرسکتی ہے۔ملالہ کی تعلیم ہرگز نہیں کیوں کہ وہ مغرب کا ہتھیار ہے وہ اسے مشرق کے خلاف تیار کر رہا ہے۔خدا کرے یہ معصومہ مغربی عیاریوں کو سمجھ سکے۔

تعلیم نبوی کا حسن تو ملاحظہ کیجیے:

''بیشک مجھے تم میں سے زیادہ پسندیدہ اور قیامت میں مجھ سے قریب ترین وہ شخص ہوگا جو تم میں سے زیادہ بااخلاق ہے اور میرے نزدیک تم میں سے زیادہ برا اور آخرت میں مجھ سے دور ترین وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق سب سے زیادہ بگڑے ہوں گے''۔

آنحضور ﷺ اشاعت اسلام اور اخلاق عالیہ کی ایک زندہ مثال تھے اور تاقیامت رہیں گے۔آپ ﷺ خاک آلود کیے گئے،آنتیں حالت سجدہ ریزی میں ڈالی گئیں اور طائف میں ایسا لہولہان کیے گئے کہ خون بہہ بہہ کر جوتے میں ایسا منجمد ہوا کہ ان کا نکالنا مشکل ہوگیا۔طائف کی داستان کچھ یوں ہے کہ ''شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے،یہ مجمع دورویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا،جب آپ ﷺ ادھر سے گزرے تو آپ ﷺ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کیے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔جب آپ ﷺ زخموں سے چور ہوکر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا

کر دیتے، جب آپ ﷺ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے۔ ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے''۔

مختصر یہ کہ آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ لیکن کبھی آپ طیش میں نہیں آئے۔ کیوں کہ طیش میں آنے سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مومن کی صفت ہی''والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس'' (آل عمران: ۳/۱۳۴)'' (غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں) بتائی گئی ہے۔ آپ ﷺ سب کچھ سہتے رہے لیکن قوم سے خود کو علاحدہ کرلیں یہ ممکن نہیں صرف محبت میں اللہ سے ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ حدیث رسول ہے کہ: ''انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمة'' (میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں اور میں تو سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں) یہی رحمت للعالمین کا مفہوم بھی ہے۔ قرآن کریم آپ کی اس فکر مندی اور قوم کے تئیں ذہنی اضطراب کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ''لعلك باخع نفسك علی آثارہم''(الکھف: ۱۸/۶) (پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کرڈالیں گے) مذکورہ سطور کے تناظر میں ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اسوۂ حسنہ ہمارا منہاج ہے؟ کیا مکارمِ اخلاق سے اپنی زندگیوں کے سنوارنے کی فکر ہمیں لاحق ہے اور کیا قوتِ برداشت کو ہم نے اپنی ڈھال بنا رکھا ہے؟ یا ہم اپنے ہی ایمانی بھائیوں سے دست و گریباں ہیں؟ یا ان کے خونِ ناحق سے ہمارے دامن لت پت ہیں اور ہم اپنے غیر مسلکی بھائی کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ عہد حاضر میں سیرت مقدسہ کے اتباع کی شدید ضرورت ہے۔ وہی ہمیں قریب کرسکتی ہے۔ ہمارے دلوں سے بغض وعناد اور کدورتوں کو نکال سکتی ہے۔ اور ہماری مسموم فضا کو خوشگوار بنا سکتی ہے۔ ہم یہاں طائف کے رئیس القبائل کے تین بھائیوں کے تاثرات نقل کرنا چاہیں گے۔ جب آپ ﷺ ان کے پاس دعوت اسلام لے کر گئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ ''اگر خدا نے تم کو پیغمبر بنا کر ۔۔۔ ہے تو تو کعبہ کا پردہ چاک کررہا ہے'' دوسرے نے کہا

''کیا خدا کو تیرے سوا کوئی اور نہیں ملتا تھا'' تیسرے نے کہا ''میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا، تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں''۔ اسی طرح کی آپ ﷺ کو ذہنی اور جسمانی اذیتیں دی جاتی رہیں لیکن آپ ﷺ پہاڑ بن کر ہمیشہ دعائیں دیتے رہے اور ان کی ہدایت کے لیے بے چین رہے۔ جب قریش کی ایذا رسانیوں کو دیکھ کر حضرت خباب بن الارث پریشان ہو گئے تو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ ﷺ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ''تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا''۔

اس طرح کے واقعات سے سیرت مقدسہ بھری پڑی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم اپنا لائحہ عمل تیار کر سکتے ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم صبر کا مظاہرہ کریں۔ صبر مصیبتوں کو آسان بنا دیتا ہے۔ آج اسی بے صبری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے اندر باہمی ٹکراؤ ہے اور یہ ٹکراؤ امت مسلمہ کے مابین عالمی پیمانے پر جاری ہے، امت مختلف دھڑوں میں بٹی ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہماری آواز بے دم ہے۔ دوسرا ایک پیغام یہ بھی ہے کہ اپنے مخالفین کے تئیں ہمارا رویہ برادرانہ ہو، ان کی باتوں سے چراغ پا نہ ہوں، اور بیان بازی یا پمفلٹ بازی پر نہ اتر آئیں۔ اس سے اشاعت اسلام متاثر ہوگی اور میڈیا ہماری تصویر مسخ کر دے گی۔ سیرت پاک ہمیں متانت، تحمل اور تدبر کی تعلیم دیتی ہے۔ انہی چیزوں کے فقدان کی وجہ سے ہماری تقاریر اور ہماری اشاعتی تدابیر بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں۔ جماعتیں، تنظیمیں اور رسائل بہت ہیں لیکن اشاعت اسلام کا کام ڈھپ پڑا ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ ہم سب اپنے اپنے تشخص و تعارف میں مصروف ہیں، بس ہمیں اپنی تشہیر و توصیف سے غرض ہے۔ بہر کیف جب تک خود فراموشی نہ ہو اور اخلاص ہمارا ساتھی نہ ہو اس وقت تک ہم سیرت مقدسہ کا حق ادا کرنے

سے معذور ہوں گے۔ علامہ شبلی نعمانی نے ظہور قدسی میں سیرت مقدسہ کی اہمیت وافضیلت کی خوبصورت تصویر کشی کی ہے، مناسب ہوگا کہ اسی پر اس مضمون کا اختتام کیا جائے۔:

ظہورِ قدسی:

''چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوکر رہ گئی ہیں۔

ولادت: لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لیے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیم، جمالِ یوسف، معجز طرازئ موسیٰؑ، جان نوازئ مسیحؑ، سب اسی لیے تھے، کہ یہ متاع ہائے گراں راز شاہنشاہِ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ: آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدہ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہوگیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے، آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدہ کفر، آزر کدہ گمرہی سرد ہوکر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازہ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعائیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشہ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرماں روائے عالم،

شہنشاہِ کونین:

شمسۂ نُہ مسندِ ہفت اختران
ختم رسول خاتم پیغمبران
احمدِ مرسل کہ خرد خاک اوست
ہر دو جہان بستۂ فتراک اوست
امی و گویا بہ زبانِ فصیح
از الف آدم و میم مسیح
رسمِ ترنجِ است کہ در روزگار
پیش و ہد میوہ، پس آرد بہار

عالم اقدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت واجلال ہوا۔ اللہم صل علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

☆☆☆